Sh Faizahmad Zahid
Batalavi

مِصباحُ القواعِد

جس کو

مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری

نے

اُردو زبان کے قواعد صرف و نحو پر تصنیف کیا

اور

پنجاب یونیورسٹی نے اُسے اُردو کے اعلیٰ امتحانات

یعنی پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی میں داخل فرمایا

مصنف کی اجازت سے

مُسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڑھ کے لیئے

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مُسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء طبع ہوئی

[طبع چہارم] (۱۰۰۰ جلد) [قیمت ۱۲/]

فہرستِ مضامین

قطعہ تاریخ طبع اوّل از نتائجِ طبع منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت

منشی وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی نے اس کتاب کے تین قطعات تاریخ لکھے تھے جن میں سے دو کتاب کے آخر میں درج کئے جاتے ہیں اور ایک یہاں۔ اس قطعہ کا مادّہ تاریخ نیا انداز رکھتا ہے اسی واسطے اس کو فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ کے ایما کے مطابق دوسرے قطعات سے الگ کر دیا گیا۔ ہر چند نئی طرز کی تاریخ ہے مگر فی الحقیقت اس میں تقلید سے کام لیا گیا ہے لیکن اس تقلید سے جس کی نسبت یہ شعر پڑھنا چاہیئے کہ ؎

اے عندلیب رنگ اُڑا میری آہ کا | تقلید میں بھی تا رہے ایجاد کا مزا

اس قطعہ سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ سب سے پچھلے مصرع کو جس کے عدد ۴۷۹ ہیں

چار میں ضرب دیں جس کی طرف پہلے مصرع میں چارسو کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہی۔ یہ طرز جہاں سے لی گئی ہی وہ منشی حبیب حسن وحشی دیوبندی کا وہ قطعۂ تاریخ ہی جو انھوں نے منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے ایک دیوان کے چھپنے پر لکھا تھا جس شعر سے تاریخ نکلتی ہی وہ یہ ہی ؎

یہ آنے لگی چارسو سے صدا — نیا ہے کلام جنابِ امیر

اس میں دوسرے مصرع کے اعداد کو جو ۴۷۴ ہیں چار میں ضرب دینے سے ۱۸۹۶ سال طبع نکلتا ہی۔ فصیح الملک نے ان اشعار کو بہت اچھا لکھا ہی ہم بھی ان کو بہت خوب سمجھ کر یہاں لکھتے ہیں ؎

پرانی سب کتابیں ہیچ ہیں اب — ہوئی ممتاز مصباح القواعد
بجا ہی حق بجانب ہی روا ہی — کرے گر ناز مصباح القواعد
کرینگے سب ہوا خواہانِ اردو — ترا اعزاز مصباح القواعد
زباں میں ڈال دی ہی جان تو نے — کیا اعجاز مصباح القواعد
یہ تیری شوخیاں ہیں تیرے حق میں — پرِ پرواز مصباح القواعد
پری بن کر اڑیگی تو انھیں سے — یہ ہی اک راز مصباح القواعد
گئی پنجاب سے ہندوستاں تک — تری آواز مصباح القواعد
تری اک اک ادا پر جان دینگے — ترے جانباز مصباح القواعد
درِ گنجِ معانی آج تو نے — کیا ہی باز مصباح القواعد
کریگی چارسو عالم میں ظاہر — نئے انداز مصباح القواعد

۴۷۶+۴=۱۹۰۴ سنہء

معذرت ضروری

گو یہ معذرت بعد از وقت ہی۔ اور اب شاید اس کا چنداں فائدہ بھی نہ ہو۔ لیکن چونکہ اس کا اثر اس تعلق پر ہوتا ہی جو مصنف کو کتاب سے ہی۔ اس لیے یہ ظاہر کرنا ضرور ہوا کہ اس سے پہلا اڈیشن بہت غلط چھپا تھا۔ اور اس میں اتنی اور اس قسم کی غلطیاں تھیں کہ مجھے اُن کو دیکھ کر افسوس نہیں آتا تھا بلکہ شرم بھی آتی تھی۔ مثلاً اسم فاعل کے بیان میں جو صیغہائے عربی کا ذکر کیا گیا ہی۔ ان میں سے ایک خاص وزن کے صیغے کے متعلق یہ لکھا ہی۔ کہ "اگر حرف آخر مشدد ہو تو بھی قبل آخر مکسور ہوتا ہی جیسے منجر۔ منضم۔ منفک"۔ یہ تحریر سراسر غلط ہی۔ اور میرے قلم سے یہ الفاظ ہرگز نہیں نکلے اور نہ اُن کا نکلنا ممکن تھا۔ میں نے کتاب منقول عنہ میں یوں لکھا تھا۔ "اگر حرف آخر مشدد ہو تو اُس سے پہلا حرف مفتوح ہو جاتا ہی جیسے مُنْجَرّ۔ مُنْضَمّ۔ مُنْفَکّ"۔

مجھے غلطیوں سے اور خاص کر اُن غلطیوں سے جن سے صحیح عبارت غلط ہو جائے اس قدر اذیت ہوتی ہی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مہتمم مطبع نے نہ کاپیاں میرے پاس ارسال کیں نہ پروف بھیجے اور کتاب میرے ملاحظے کے بغیر چھپ گئی۔ کتاب جب طبع ہو کر آئی تو خط کی پاکیزگی اور چھاپے کی عمدگی اور صفائی دیکھ کر دل خوش ہوتا تھا مگر جب غلطیوں پر نظر جاتی تھی تو خوشی رنج سے بدل جاتی تھی۔ مہتمم مطبع کو میں نے فہرست اغلاط مرتب کر کے بھیجی۔ اور لکھا کہ صحت نامہ چھاپ کر شامل کتاب کر دیا جائے۔ اُنھوں نے وعدہ بھی کیا۔ مگر تصحیح کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ اِس سے مجھے تعجب بھی بہت ہی اور تاسف بھی بے انتہا ہوا۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جن صاحبوں نے اُس اڈیشن میں غلطیاں دیکھی ہونگی وہ مجھے معذور اور بے قصور سمجھیں گے۔

فتح محمد خاں

۱۴ر فروری ۱۹۲۱ء — شہر جالندھر

قدر شناسی

میں اپنی محنت کی داد کے لئے اسی امر کو کافی خیال کرتا تھا کہ عوام و خواص سب نے اس کتاب کو نظر قبول سے دیکھا۔ اور اُس کی ایسی قدر کی جو میری توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ مگر جو قدر دانی اس کی پنجاب یونیورسٹی نے کی وہ میری مسرّت اور کتاب کی عزت کا درجۂ آخریں ہے۔ یعنی یونیورسٹی کے سینٹ نے اس کو اُردو کے امتحانات پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی میں اور لڑکیوں کے لئے نصاب فرسٹ آرٹس میں (بغیر اس کے کہ میری کسی طرح کی کوشش کو مدخل ہو) داخل فرمالیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میری سعی مقبولیت کی تمام سبیلوں سے مشکور ہوئی۔ اور اُس کا ثمرہ اُمید سے زیادہ ملا۔

فتح محمد خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

یہ کتاب کسی ایسی نیک ساعت میں لکھنی شروع کی گئی تھی کہ قبولیت نے اسے حسن بن کر دکھایا اور شہرت نے اس کو پری بنا کر اُڑایا۔ خواص نے اس کی طرف توقع سے بڑھکر توجہ مبذول فرمائی اور عوام کی جانب سے اس کی قدردانی اُمید سے کہیں زیادہ وقوع میں آئی۔ وہ ارباب کمال جو مایۂ نازش ہندوستان و پنجاب ہیں اُنھوں نے اس کو نہایت شوق اور استحسان کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا اور بالاتفاق نافع و ضروری بتایا۔ جن خیالات سے اُنھوں نے اس کو افتخار بخشا ہے میرا قلم اُن کی سپاس گزاری سے قصور کرتا ہے۔

بعض پاک دل جوہر شناسوں نے جو مراتب عالی پر ممتاز ہیں باوجود اس کے کہ مجھ میں ان میں مطلق تعارف و شناسائی نہ تھی اس کی قدردانی اور طالب علموں کی نفع رسانی کے لئے سررشتہ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر صاحب کی خدمت میں از خود نہایت پُرزور سفارش کی۔ ٹکسٹ بک کمیٹی نے اس کی بہت سی جلدیں خرید کر میری عزت بڑھائی اور اسکولوں کی لائبریریوں کے لئے اسے منظور کیا۔ شمس العلما مولوی شبلی صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے اس کو انجمن کی کتابوں میں داخل فرما لیا۔ عام شائقین کی طرف سے اتنی مانگ آئی کہ طبع اوّل کے تمام نسخے فروخت ہو کر اہل مطبع کی غفلت سے دوسرا اڈیشن جلد نہ نکلنے کے سبب اُن کی طرف سے محجوب اور منفعل ہونا پڑا۔ اور بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو جو میری اجازت سے اس کو چھاپتا ہے (حسب تحریر میر ولایت حسین صاحب بی۔ اے مینیجر بک ڈپو) اس کے دیر تک پریس میں رہنے کی وجہ سے نقصان کثیر کا متحمل ہونا پڑا۔ غرض خدا کی مہربانی سے اس کو ایسی عزت قبول حاصل ہوئی کہ مجھے اس کا خیال و گمان بھی نہ تھا۔

انجمن ترقی اُردو کے ذی علم و فضل ارکان کی توجہ مجھے اور بھی ممنون کیے دیتی ہے کہ اُنھوں نے

اس کو نظر تنقید دیکھا اور مفید مشوروں سے موجب زیادت افادت بنایا۔ چنانچہ مولانا شبلی صاحب ۱۹۰۳ء کی روئداد سالانۂ انجمن میں اس کا اس طرح پر ذکر فرماتے ہیں :۔

"مصباح القواعد۔ انجمن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو زبان کے قواعد پر ایک مکمل اور بسیط کتاب طیار کرائے۔ چنانچہ جلسۂ انتظامی منعقدہ (۲۹) اگست ۱۹۰۳ء میں یہ طے ہوا تھا کہ اس غرض کے لئے شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی اور مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی پروفیسر نظام کالج سے درخواست کی جائے۔ اسی اثنا میں مولوی فتح محمد خاں صاحب (جالندھری) کی ایک کتاب اسی مضمون پر انجمن میں آئی۔ یہ کتاب تمام اور کتابوں کی نسبت نہایت مفصل اور مبسوط لکھی گئی ہے اور مولوی صاحب موصوف نے اس کی ترتیب و تالیف میں ایک مدت صرف کی ہے۔ انجمن نے ارادہ کیا کہ اسی کتاب کو اضافہ اور ترمیم اور اصلاح کر کے اپنے مقصد کے موافق درست کر لیا جائے۔ چنانچہ مولوی علی حیدر صاحب موصوف مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مولوی عبدالغنی صاحب بہاری عہدہ دار نظام اور خود سکرٹری نے نوبت بہ نوبت اس کتاب کو غور اور تعمق کی نظر سے دیکھا اور اکثر جگہ ترمیم اور اصلاح کی"۔

جناب مولوی علی حیدر صاحب موصوف اس پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جتنی کتابیں نحو اردو کی مدراس و پنجاب و اودھ وغیرہ میں تالیف ہوئیں ان سب سے یہ کتاب اچھی ہے۔ مؤلف کا بیان بہت سلجھا ہوا ہے۔ مسائل کا استقرا خوب کیا ہے۔ محاورے میں ڈوب کر لکھا ہے"۔

جناب مولوی عبدالغنی صاحب موصوف اپنی رائے یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ "میں نے کتاب مصباح القواعد کو بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک دل لگا کر دیکھا۔ نہایت ناشکری ہو گی اگر میں لائق و قابل مصنف کی تلاش و جستجو اور وسعت فکر و نظر کی داد نہ دوں۔ ہر زبان کی توسیع و ترقی کے لئے دو چیزیں ضروریات اولیہ میں سے ہیں۔ ایک اُس کے لغات کا عمدہ طور پر جمع کرنا اور دوسری کامل استقرا کے ساتھ اُس کی صرف و نحو کا منضبط کرنا۔ پہلی ضرورت تو دولت آصفیہ کی بدولت ایک حد تک پوری ہو گئی ہے۔ اور دوسری ضرورت کے پورا کرنے میں اس کتاب کے مصنف نے ہمت مردانہ سے کام لیا۔ اور

ہوا خواہاں اُردو کے سامنے اس امر کا حسی ثبوت پیش کر دیا ہی کہ اُس کی تکمیل بھی کچھ دُور نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ماہر زبان مصنف کو اپنے ارادے میں بہت کچھ کامیابی ہوئی ہی۔ اور اُنھوں نے بہت کچھ تالیف و تصنیف کا حق ادا کیا ہی لیکن چوں کہ یہ کتاب زبانِ اُردو کی بنیاد قرار دی جائے گی اس لئے انجمن ترقی اُردو کا فرض ہی کہ اس پر نہایت غائر نظر ڈالے اور اس کی کسی فروگزاشت نقص یا تسامح سے (گو وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو) چشم پوشی نہ کرے۔ کیوں کہ ؎

خشتِ اوّل گر نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد جو اثر میرے دل پر ہوا وہ یہ تھا کہ واقعی مصنف نے بڑا کام کیا۔ اور بڑی محنت و جانفشانی و دیدہ ریزی کے ساتھ ایک بڑے نقص کو پورا کیا ہی۔ یہ کتاب پورب پنجاب دکن اور مدارس یعنی ٹکسال باہر والے لوگوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ اور اگر ان تبدیلیوں کے بعد (جن کی طرف مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی جو لکھنؤ کے مستند اہلِ علم و اہلِ زبان ہیں اور شمس العلما، مولانا محمد شبلی صاحب نے توجہ دلائی ہی اور جن پر یہ ہیچمدان توجہ دلانا چاہتا ہی) یہ کتاب شائع ہوگی تو زبانِ[1] اُردو کی تالیف و تصنیف اور ترجمے میں بہت جلد روز افزوں ترقی ہوگی اور ہندوستان کے وہ تمام تعلیم یافتہ جو اپنی زبان کے غیر مستند ہونے کے باعث اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کرتے ڈرتے ہیں جان و دل سے شکر گزار و ممنوں ہوں گے"۔

جناب مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک و مدیر دارالاشاعت پنجاب لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ "مدّت سے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اُردو زبان کی صرف و نحو پر کوئی مکمل و جامع کتاب زبان اُردو کے اصلی اسلوب پر لکھی جائے اس لئے میں نے مصباح القواعد کو بڑے شوق اور غور سے پڑھا۔ مصنف مصباح القواعد نے دیگر اہلِ فن کے تتبع سے اپنی کتاب کی ترتیب تو عربی صرف و نحو کے اصول پر ہی رکھی ہی لیکن استیعاب مسائل اور تلاش جزئیات میں بہت محنت اُٹھائی ہی بہت سے مسائل غیر مکمل کو مکمل اور غیر واضح کو واضح کیا ہی۔ اور ہر مسئلے کی توضیح کے لئے کثرت سے شواہد نقل کئے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف قسم کے اشعار آبدار کے درج ہونے سے صرف و نحو کا رُوکھا پن بہت کم ہو کر کتاب نہایت دلچسپ اور پرلطف ہوگئی ہے۔ اور

[1] تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ مصنف۔

میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ سر دست جتنی کتابیں صرف ونحو اُردو کی درسی یا غیر درسی ہماری زبان میں موجود ہیں اُن میں کوئی کتاب بھی اُس تحقیق وجامعیت کے ساتھ نہیں لکھی گئی جو مصباح القواعد میں پائی جاتی ہی یقین ہے کہ یہ کتاب پنجاب کے جملہ امتحانات کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے کافی ثابت ہوگی اور اہلِ علم میں مقبول ہوگی۔"

رائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب دہلوی سابق انسپکٹر مدارس پنجاب

تحریر فرماتے ہیں کہ "جناب کی کتاب مصباح القواعد کی ایک نقل بذریعہ خط مورخہ ۲۶ ستمبر وصول ہوئی میں جناب کی اس عنایت کا شاکر ہوں۔ میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف سے آپ نے زبانِ اُردو پر بہت بڑا احسان کیا ہی۔ اُردو کی ایسی جامع اور دلچسپ قواعد اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس کتاب کی تالیف میں جو لیاقت اور محنت صرف ہوئی اُس کی داد وہی شخص خوب دیسکتا ہی جو ایسی کتاب تصنیف کر کے رکھدے۔ کالجوں کے طلبا کے واسطے اور ان طالب علموں کے لئے جو انٹرنس کے امتحان کی طیاری کر رہے ہیں آپ کی کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔"

شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی فیلو الہ آباد یونیورسٹی کی رائے

مصباح القواعد مصنفہٗ خاں صاحب مولوی فتح محمدؐ خاں جالندھری

"میں نے نحو اُردو کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں اب تک میں مولوی محمدؐ احسن مرحوم کی صرف ونحو اُردو کو سب اور اس قسم کی کتابوں سے بہتر سمجھتا تھا۔ یہ کتاب اس کی ہمسر ہے اس میں یہ فضیلت ہی کہ مثالوں میں مشہور اساتذہ کے اشعار لکھے ہیں جو اب تک کسی اور کتاب میں نہیں لکھے گئے جس کے سبب سے کتاب زیادہ دلچسپ ہوگئی ہی۔ اور طلبہ کو قواعد کے یاد رکھنے میں آسانی ہوگئی ہی۔"

ترجمہ رائے شیخ محمد اقبال صاحب اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

"میں نے مولوی فتح محمد خاں صاحب کی کتاب مصباح القواعد اوّل سے آخر تک پڑھی مصنف نے مجھ سے فرمایش کی ہی کہ میں اس اثر کو جو اُن کی تصنیف نے میرے دل پر کیا ہی معرض تحریر میں لاؤں اس لئے میں بڑی خوشی سے لکھتا ہوں کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب نے اُس ضرورت کو جو مدت سے محسوس ہو رہی تھی پورا کر دیا ہی۔ اور اُردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہی۔

مصنف کے استدلالات کی صحت کی نسبت رائے زنی تو اعلیٰ درجے کے اہل زبان کا کام ہی مگر میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہی۔ یہ صرف انھیں لوگوں کے لئے مفید نہیں جو اپنی زبان کو غور و توجہ سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ آیندہ اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بھی یہ ایک بنیاد کا کام دے گی۔ قواعد کے پڑھنے کی تکان اُن پاکیزہ اشعار سے بہت کچھ دُور ہو جاتی ہی جو مثالوں میں لکھے گئے ہیں۔ تمام طرز ادا برجستہ ہی۔ میری رائے میں یہ کتاب اُس کتاب سے کہیں بہتر ہی جو مولوی محمد احسن صاحب الہ آبادی نے غدر سے دو سال بعد شائع کی تھی اور جس کی طبع و اشاعت اب بند ہی۔

میں مولوی فتح محمد خاں صاحب سے شاید چند نہایت خفیف امور میں اختلاف کرتا مگر میں نے اس کتاب میں ذرا سا بھی نقص نہیں دیکھا۔ بنا بر علیٰ ہذا میں بڑے زور سے اُن لوگوں کے لئے سفارش کرتا ہوں جو اُردو زبان کو صحیح طور پر بولنا چاہتے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ ٹکسٹ بک کمیٹی اس عمدہ کتاب کی خوبیوں کی داد دے گی اور اس کو داخل درس کر دے گی۔"

ریویو رقمزدہ مولوی خلیفہ عماد الدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور

"مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کی تازہ تصنیف مصباح القواعد میں نے متفرق مقامات سے دیکھی اور اُسے اُردو سیکھنے والوں کے لئے نہایت مفید پایا۔ حقیقت میں یہ ایک جامع کتاب ہی جس میں اُردو صرف و نحو کے مسائل عربی گریمر کی ناواجب غلامی کے بغیر مفصل طور پر اور دلچسپ

پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس فن کی انگریزی کتابوں کی طرح اس میں بھی روزمرّہ کی صرفی نحوی غلطیوں کی تصحیح کا خاص خیال کیا گیا ہی۔ اور طلبا کی مشق کے لئے مصادر اور اُن کے مشتقات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہی۔ بڑی خوبی یہ ہی کہ تمثیلات کے لیے اُستادوں کے مناسب موقع اور دلکش اشعار انتخاب کیے گئے ہیں۔ یقین ہی کہ لائق مصنّف کی محنت کی قدر کی جائے گی اور یہ مفید کتاب عام درسگاہوں کے کتب خانوں میں اور اعلیٰ طبقے کے اُردو خوانوں کے پاس دیکھی جائے گی"۔

جناب مولوی سیّد کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا فیلو الہ آباد یونیورسٹی۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب سیاح امرت سری کے نام کے خط میں اپنے خیالات یوں ظاہر فرماتے ہیں:

"جناب خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جناب موصوف نے مصباح القواعد کا ایک نسخہ مجھکو عنایت فرمایا۔ کتاب کے دیکھنے سے ظاہر ہی کہ وہ کتاب اپنی قسم کی کم سے کم یکے از بہترین ہے۔ اُردو کو ایسی کتاب کی بڑی ضرورت تھی۔ اور جناب مصنف نے اُردو پر یہ بڑا احسان فرمایا۔ اس کا ہر صفحہ اس بات کی شہادت دیتا ہی کہ کتاب کے مستند اور سود مند کرنے میں جناب مصنف نے بقدر امکان کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی"۔

ترجمہ تحریر لالہ شیو لال صاحب بی اے انسپکٹر مدارس حلقہ ملتان

جو اُنھوں نے جناب ڈبلیو بل صاحب ڈائرکٹر سر رشتۂ تعلیم پنجاب کی خدمت میں لکھی اور جس کی نقل بنا بر اطلاع مصنف کے پاس ارسال فرمائی:

جناب عالی! میں نہایت ادب سے حضور کی خدمت میں اُردو قواعد کی ایک نئی کتاب مسمیٰ بہ مصباح القواعد کا تذکرہ کرتا ہوں جس کو خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری نے تصنیف کیا اور جو سنہ ۱۹۰۴ء میں رفاہ عام پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔

(۲) میں نے اِس کتاب کو ماہ حال کی تیسری تاریخ سے پندرھویں تک نہایت غور کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ میرے خیال میں یہ اپنی قسم کی تمام کتابوں سے بہتر ہے اور آج تک ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ اگر تعلیم کی نئی اسکیم میں اُردو گرامر کا مضمون ہائی ڈپارٹمنٹ کے لئے داخل کیا جانا ضرور ہو (جیسا کہ میری رائے ناقص میں ضرور داخل کیا جانا چاہیئے) تو میں بلاخوف تردید یہ گزارش کرنے کی جرأت کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ چوتھی اور پانچویں اعلیٰ جماعتوں کے لئے اُس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہوگی۔ مڈل کی جماعتوں کے لئے تو یہ صریحاً ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

(۳) قواعد منضبطہ کی مثالیں عموماً اخلاقی اور مفید اشعار میں دی گئی ہیں جن کے از بر کرنے سے طالب علموں کی اُردو زبان دانی کی لیاقت یقیناً بڑھ سکتی اور جواب مضمون کے لکھنے میں اُن کو مدد مل سکتی ہے۔

(۴) میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کی ایک ایک کاپی پنجاب کے تمام افسران معائنہ کنندہ اور ٹریننگ انسٹی ٹیوشنوں اور سکنڈری اسکولوں کی لائبریریوں کے لئے مہیا کی جائے اور مصنف کو (جس سے میں بالکل واقف نہیں ہوں) اس کی محنت و جانفشانی کے صلے میں گورنمنٹ سے انعام عطا فرمایا جائے۔

(۵) صرف دس غلطیہائے کتابت مجھے اس کتاب میں معلوم ہوئیں جو حاشیے پر لکھ دی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ اور صاحبوں نے بھی اس پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور اخبارات نے بھی ریویو لکھے ہیں مگر ہم بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ شائقین اُردو اس کو شوق سے پڑھیں گے۔ اور اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

زمانہ نے کے انقلاب کی تاثیریں ہیں کہ ایک وقت میں ایک چیز رواج و شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکتی ہے، اور دوسرے وقت میں ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کوئی اُس کا نام بھی نہیں جانتا۔ اور ایک وقت میں ایک چیز ایسی پستی و گمنامی کی حالت میں ہوتی ہے کہ اُس کی ترقی و عروج کا کبھی خیال بھی نہیں آتا، دوسرے وقت میں اوجِ کمال پر پہنچ کر شہرت و رواج کا دُرۃ التاج بن جاتی ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہندوستان میں عربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم زوروں پر تھی (اور ہونی چاہیئے تھی) کیوں کہ عربی زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان تھی اور فارسی زبانِ حکومت۔ مسلمانوں کو تو دنیا اور دین دونوں کے اعتبار سے دونوں زبانوں کا سیکھنا ضرور تھا ہی جو لوگ کہ حکومت کا مذہب نہیں رکھتے تھے اور جن کے لئے معاش اور حصول تقرب شاہی کا ذریعہ صرف فارسی تھی اُن میں سے بھی بہت سے لوگ کسبِ کمال کی غرض سے عربی پڑھتے تھے سچ ہے۔ اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیۡنِ مُلُوۡکِھِمۡ ۰

اگرچہ عربی کی حالت ہندوستان میں ابھی تک ایسی نہیں ہوئی کہ اس پر زبانِ مردہ کا اطلاق ہو سکے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اس وقت نزع کی حالت میں ہے اور کچھ مدت سے مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی سے سِسک رہی ہے۔ اگر مسیحا نفس بزرگوں نے اس کی جلد خبر نہ لی

(اور خدا کرے کہ جلد خبر لیں) تو وہ وقت دکھائی دے رہا ہی کہ بیچاری مر کر رہ جائیگی اور اُس کا نام و نشان صفحۂ ہندوستان سے مٹ جائے گا۔

رہی فارسی سو جہاں حکومت گئی وہاں وہ گئی اذا فات الشرط فات المشروط اُس کا تھوڑا بہت جس قدر نشان باقی ہی وہ صرف عہد گزشتہ کی یادگار ہی اور بس۔ پس اگر اُس کی حالت میں پہلا سا اوج موج نہیں رہا تو نہ کچھ محل تعجب ہی اور نہ مقام تاسف۔ بلکہ سچ پوچھو تو ظاہرا اس سے کسی قسم کا نفع بھی نہیں رہا[۱]۔ ہاں اگر اس سے کچھ فائدہ ہی تو یہ کہ اُس سے زبان اُردو کی تکمیل کو تائید پہنچتی ہی۔

زمانہ حال میں دیار ہند میں عربی اور فارسی کی جگہ انگریزی اور اُردو کا رواج ہی انگریزی کو تو جس قدر رواج ہو بجا ہی کیوں کہ وہ زبانِ سلطنت ہی۔ مگر خدا جانے کیا بات ہی کہ اُردو جو صرف ملکی زبان ہی اور جس کے ثبات کا ہنوز ابتدائی زمانہ ہی یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی جاتی ہی۔ اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں گورمنٹ نے اُس کی سرپرستی فرمائی اور اُردو کے ادیبوں کو خاطر خواہ صلے اور معقول انعام دے دے کر کتابیں تصنیف کرائیں اور تصنیفات کا بیش بہا ذخیرہ مہیا کر دیا مگر اب لوگوں میں ایسا مذاق پیدا ہو گیا ہی کہ اُس کے وسیع اور شستہ و شگفتہ کرنے میں خود بخود یعنی بے طمع انعام و بے خواہش صلہ کوشش کر رہے ہیں۔

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم تحسین سخن فہم ہی مومنؔ صلہ اپنا

آج اُردو زبان کی حلاوت و عذوبت کو دیکھو تو رشک قند و نبات ہی۔ اس کی نظم و نثر کی دلکش ادائیں دلوں کو بے اختیار کھینچے لئے جاتی ہیں۔ وہ زبانیں جو کبھی بلغائے فارس کے کلام سے چٹخارے بھرتی تھیں اب فصحائے ہند کی شیریں کلامیوں کے مزے لے رہی ہیں۔ اور وہ کان جو پہلے فارسی ترانوں سے مست ہو ہو جاتے تھے اب اُردو کی سُریلی آوازوں سے کیفیت لے

[۱] اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ایران و افغانستان کے تعلقات جو ہندوستان کے ساتھ ہیں اُن کے لحاظ سے فارسی ہندوستان میں نہایت ضروری اور کارآمد چیز ہی۔ اور اُس کو ہندوستان سے معدوم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایران کی فارسی مروجہ حال کا ہندوستان میں رواج پذیر ہونا بہت ضرور ہی۔ مگر معلوم نہیں کہ گورمنٹ کو اس طرف کیوں توجہ نہیں۔

رہی ہیں۔ کس کو معلوم تھا اور کون کہہ سکتا تھا کہ زبان اُردو کبھی ترقی کی کرسی پر بیٹھکر قبولِ عام کی بارگاہ میں جلوہ گر ہوگی۔ مگر تعجب اور نہایت تعجب ہی کہ اس زبان کے قواعد جامعہ ابھی تک مدون نہیں ہوئے اہل زبان کو تو شاید قواعد کی چنداں ضرورت نہ بھی ہو کیوں کہ جو لفظ اُن کی زبان سے نکلتا ہی قاعدے کے سانچے میں ڈھل کر نکلتا ہی لیکن باشندگان پنجاب کے لئے سخت ضرورت ہی کہ فن قواعد میں ایسی کتاب تصنیف کی جائے جو اُن کو صحیح اُردو بولنی سکھائے۔

اہل پنجاب میں جہاں اور باتوں کی اپج ہی اُردو بولنے کی بھی اپج ہی۔ طبقۂ رجال میں شاذ و نادر ہی کوئی متنفس ہوگا جو اردو نہ بولتا ہو۔ مگر عوام کی اُردو سُن کر اس قدر افسوس آتا ہی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ پنجاب میں اُردو دو طرح کی بولی جاتی ہی۔ ایک تو تین حصے پنجابی ایک حصہ ہندوستانی اور اگر خدانخواستہ اس طرح کی اُردو کی کہیں بنیاد قایم ہو گئی تو ایک دن ایک نئی زبان پیدا ہو کر رہیگی جس کو نہ پنجابی کہہ سکیں گے نہ ہندوستانی اور اگر کچھ کہہ سکیں گے تو پنجابی ہندوستانی یہ اُردو جُہلا اور نہایت کم استعداد شخصوں کی اُردو ہی۔ اس طرح کی اُردو بولنے والے نہ صرف اُردو کا ستیاناس کر رہے ہیں بلکہ پنجابی زبان کو بھی خراب کر رہے ہیں۔

اللہ اللہ ایک وہ لوگ تھے کہ زبان اُردو کی یہاں تک نگہداشت کرتے تھے کہ غیر فصیح کلام کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ تذکرۂ آبِ حیات میں افصح الفصحا میر محمد تقی میر کے حال میں لکھا ہی کہ جب (دلّی چھوڑکر) لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے اور دلّی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دُور آکے چل کر اُس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اُسکی طرف سے مُنہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اُس نے بات کی۔ میر صاحب چین بہ جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپنے کرایہ دیا ہی بیشک گاڑی میں بیٹھئے مگر باتوں سے کیا تعلق۔ اُس نے کہا حضرت کیا مضائقہ ہی راہ کا شغل ہی باتوں میں ذرا جی بہلتا ہی۔ میر صاحب بگڑ کر بولے کہ "خیر آپ کا شغل ہی میری زبان خراب ہوتی ہی"۔ تو ایک تو وہ لوگ تھے کہ صحت و فصاحت زبان کو اس قدر ملحوظ رکھتے تھے اور غیر فصیح الفاظ کے سننے تک سے احتراز کرتے تھے کہ غیر فصیح الفاظ سُنے نہیں اور زبان

بگڑی نہیں۔ اور اب بھی ہندوستان کے فصحا و بلغا زبانِ اُردو کی ترقی و سیع اور اُس کی صفائی اور شستگی میں تا بمقدور کوشش کر رہے ہیں۔ اور جس قدر احسان ان باکمالوں نے زبان اُردو پر کئے ہیں اور کر رہے ہیں وہ اُن کے ادائے شکر سے ہمیشہ قاصر رہیگی اور ایک وہ لوگ ہیں کہ اس کو پیٹ بھر کر بگاڑ رہی اور اُس کی ایسی مٹی خراب کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

دوسری اُردو پڑھے لکھے لوگوں کی اُردو ہے۔ اور یہی وہ اُردو ہے جس کو اُردو کہا جا سکتا ہے مگر یہ بھی قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتی۔ کچھ شک نہیں کہ بعض پنجابی اُردو میں نہایت خوبی اور قابلیت سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں قواعد کی ایسی مکروہ غلطیاں کر جاتے ہیں کہ تعجب آتا ہے ہم اُردو زبان کی واقفیت تامہ سے قطع نظر کرتے ہیں۔ کیوں کہ کوئی شخص جب تک دلّی کا روڑہ نہ ہو جائے یا لکھنؤ میں عمر کا ایک بڑا حصہ صرف نہ کرے زبان اُردو سے پوری آگہی حاصل کر ہی نہیں سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ زبان غیر میں کمال حاصل کر کے بھی بعض اوقات انسان قواعد میں نہیں تو محاورہ روزمرہ میں غلطی کر ہی جاتا ہے۔ صاحبِ قاموس جیسے اَطفِئِ السِّرَاجَ کی جگہ اُقتُلِ السِّرَاجَ بول[1] اُٹھے تو اور کسی کا کیا منہ ہے کہ دوسری زبان کے استعمال سے عہدہ برآ

[1] صاحب قاموس کی حکایت اس طرح پر ہے کہ علامہ مجدالدین یعنی جامع قاموس نسباً عجمی تھے بچپن میں زبان عربی کی تکمیل کا شوق دل میں پیدا ہوا تو جہاں تک عجم میں ممکن تھا حاصل کیا۔ پھر عرب چلے گئے اور وہاں اس دُھن میں خدا جانے کہاں کہاں اور کتنی مدت خاک چھانتے پھرے۔ جب زبان عربی میں کمال حاصل کر لیا تو لغت عربی میں قاموس بنائی قاموس کے معنی دریائے اعظم کے ہیں۔ یہ کتاب حقیقت میں اسم بامسمیٰ ہے۔
جو شخص عربی میں ایسی دستگاہ عالی حاصل کرے اُس کے عجمی اور عربی ہونے میں تمیز کیوں کر ہو۔ عرب میں ایک عربی عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کو ان کا عجمی ہونا معلوم نہ تھا۔ رات کے وقت گھر کی خادمہ سے کہنے لگے کہ چراغ گل کر دے۔ عربی محاورے کے مطابق کہنا چاہیئے تھا اطفئ السرج مگر چوں کہ فارسی کا محاورہ ذہن میں بیٹھا ہوا اور زبان پر چڑھا ہوا تھا بیساختہ زبان سے اقتلی السرج نکل گیا۔ فارسی میں کہتے ہیں چراغ بکش (چراغ گل کر دے) اور کچھ شک نہیں کہ کشتن کا لفظی ترجمہ قتل ہے۔ مگر قتل اور اطفا میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں (اطفال) بجھانا اور گل کرنا کہاں (قتل) مار ڈالنا۔ بی بی نے یہ نئی قسم کا محاورہ سنا تو متعجب ہوئی اور سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو میاں عجمی ہیں صبح اُٹھ کچہری میں جا نالش کر دی اور عربی کے بے نظیر زباندان کی زباندانی کا بے طرح پردہ فاش ہوا۔

ہو سکے یا عہدہ برا ہونے کا دعویٰ کرے۔

پس اگر باشندگان پنجاب کو زبان اُردو سے کامل واقفیت نہو (کہ وہ ناممکن ہی) تو معمولی گفتگو تو صحیح ہونی چاہیئے۔

جس لوگوں نے مدارس سرکاری میں تعلیم پائی ہی اور جو تعلیم پاتے ہیں ضرور تھا کہ وہ صحیح اُردو بولتے مگر مڈل اور انٹرنس والوں کا تو مذکور ہی کیا ہی بی اے اور ایم اے کی تقریریں سُنی اور دیکھی جاتی ہیں تو کلام قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اور ہو تو کیوں کر ہو اُن کو قواعد سے واقفیت ہی نہیں اور قواعد کی کوئی ایسی کتاب مرتب ہوئی نہیں جس کے پڑھنے سے پنجاب کے لوگ صحیح اُردو بولنے پر قادر ہوسکیں اہلِ پنجاب کی غلط اُردو کی چار مثالیں سنو۔ پنجاب میں کہتے ہیں "میں روٹی کھانی ہی"۔ "میں سبق پڑھنا ہی"۔ "میں لاہور جانا ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اکثر لوگ جب ایسے فقرات اُردو میں بولنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں "میں نے روٹی کھانی ہے"۔ "مَیں نے سبق پڑھنا ہی"۔ "میں لاہور جانا ہے"۔ کسی نے زیادہ فصاحت سے کام لیا تو تیسرے فقرے میں بھی "نے" علامت فاعل زیادہ کر کے میں نے کہہ دیا۔ مگر "مَیں" ہو تو اور "مَیں نے" ہو تو دونوں صورتوں میں تینوں فقرے غلط ہیں۔

اُردو کے اہلِ زبان حرف نفی (نہ) کے ساتھ لفظ ہی (بجسرِ ہائے ہوز) کبھی جمع نہیں کرتے ممکن نہیں کہ کسی ہندوستانی کی زبان سے جو الف کے نام بے نہ جانتا ہو "نہ ہی" کا لفظ نکلے۔ ناواقف پنجابی کہتے ہیں "نہ زید آیا نہ ہی عمرو"۔

ناممکن ہی کہ اہلِ زبان حرفِ عطف (اور) اور صفات عددی کے ساتھ بیان کا کاف ملائیں اور "اور کہ" اور "اوّل کہ" اور "دوسرے کہ" کہیں مگر پنجاب میں اکثر انگریزی خواں یہ الفاظ اسی طرح بولتے اور لکھتے ہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی قبیح غلطیاں ہیں جو لوگ کرتے ہیں۔

چوں کہ پنجاب میں تعلیم نسواں کا بھی رواج ہوتا جاتا ہی اس لئے عجب نہیں کہ مستورات نے بھی اُردو بولنا اختیار کیا ہو۔ لیکن ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کیسی اُردو بولتی ہوں گی قیاس کریں

تو کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی اُردو مردوں سے بھی بدتر ہوتی ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ذہن سلیم اور طبع مستقیم رکھتا ہے اُردو کی تصنیفات سے جن کا بہت سا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے قواعد صرف و نحو مستنبط کر سکتا اور صحیح اُردو بول سکتا ہے مگر ہر شخص کو یہ سودا کب ہو سکتا ہے کہ معانی و مطالب کے سوا الفاظ و عبارات کو بھی غور سے دیکھے اور اُن سے صرف و نحو کے مسائل مستنبط کرے۔

المختصر جب کہ پنجاب میں اُردو زبان کا مذاق پیدا ہو گیا اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور جب کہ لوگ عموماً اُردو بولنے لگے ہیں۔ اور جب کہ کثیر التعداد اخبار اور رسالے اُردو میں شائع ہورہے اور جب کہ بیشمار کتابیں اُردو میں تصنیف و تالیف ہو چکی اور ہو رہی ہیں اور جب کہ اُردو کی کتابیں مدارس میں داخل تعلیم ہیں تو اہلِ پنجاب کے لئے ایک ایسی کتاب کی جو اُن کو صحیح اُردو بولنی سکھائے نہایت ضرورت ہے۔ مگر ایسی کتاب تصنیف کرے کون ؟ ظاہر ہے کہ یہ کام اُن بزرگان اہل زبان کا ہے جو قلمرو اُردو کے بادشاہ ہیں۔ مگر اُن کو اور مشاغل ہی سے کہاں فرصت ہے کہ قواعد کے جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ قواعد میں اب تک کوئی کتاب مطلقاً تصنیف ہی نہیں ہوئی یا پنجاب میں قواعد کی کوئی کتاب متداول ہی نہیں۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے پنجاب کے سرکاری مدارس میں ایک پچاس ساٹھ صفحے کا بہت چھوٹا سا رسالہ جس کا نام "قواعد اُردو" ہے داخل درس ہے۔ مگر قطع نظر اس کے کہ وہ نہایت ناقص ہے اس کے مسائل بھی غلط ہیں۔ اس کے ناقص ہونے کی تو یہی کافی دلیل ہے کہ جس قسم کے غلط فقرات ہم نے تمثیلاً اوپر ذکر کئے ہیں وہ اُن کی تصحیح سے خاموش ہے۔ کتاب مذکور اتنا تو بتا نہیں سکتی کہ کہا ہو اور سنا ہو تو کس قسم کے فعل ہیں۔ پس جب کہ کوئی کتاب سے اتنی بات معلوم نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی۔ مسائل کی غلطیاں ایسی حیرت انگیز ہیں کہ کیا کہا جائے۔ مثلاً اُردو میں امر کے بارہ صیغے پیدا کئے ہیں حالاں کہ یہ صیغے آٹھ سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہو سکتے اور اُن میں چار بھی کسی قدر تکلّف کے ساتھ بمفعول پانچ قسم کے لکھے ہیں اور اس کے سوا اور

بہت سی باتیں ہیں کہ صاحبانِ علم و فہم اُن پر ہنستے ہیں۔

چوں کہ میں کسی اعلیٰ درجے کے اہل زبان کو اس طرف متوجّہ ہوتے نہیں دیکھتا تھا اور ترتیب قواعد کی ضرورت معلوم ہوتی تھی اس لئے خیال کرتا تھا کہ اگر ضروری قواعد (جن کا جاننا اہلِ پنجاب کو نہایت ضروری ہے) جمع کر دیئے جائیں تو اُن سے طلّاب اور شائقین اُردو کو صحیح اُردو کے جاننے اور بولنے میں بہت مدد ملے گی پس اس کتاب میں جو کچھ میں نے کیا ہے وہ یہی ہے۔

اشعار و ابیات (جن سے اس کتاب میں جابجا استشہاد کیا گیا ہے) اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ میں نے اُن کے انتخاب کرنے میں کس قدر احتیاط کی ہے۔ کوئی شعر ایسا نہیں لکھا جس میں شاعر نے خلاف تہذیب مضمون باندھا اور ناپاک خیال ظاہر کیا ہو۔ جتنے شعر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں سب بہ استثنائے مبالغہ اُن عیوب سے پاک ہیں جن کے سبب ایشیائی شاعری بدنام ہو رہی ہے۔ اشعار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ادبِ اُردو کے گلہائے رنگارنگ کا ایک خوشنما گلدستہ نہیں بلکہ ایک دلکش گلشنِ بے خار ہے۔

ایک نئی بات میں نے یہ کی ہے کہ جس طرح تمام زبانوں کے قواعد کی کتابیں رُوکھی پھیکی ہوتی ہیں اس کتاب کو بے لطف نہیں رکھا۔ بلکہ مناسبِ مقام کہیں کہیں حکایاتِ شیریں اور لطائف و ظرائف نمکیں سے لذیذ کر دیا ہے۔

فتح محمد خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حروفِ تہجّی

انسان کی زبان سے جو مختلف آوازیں نکلتی ہیں ان کو لفظ[1] کہتے ہیں۔ اور زبان و دہان کے اختلاف جنبش سے آوازوں میں جو فرق پیدا ہوتے ہیں اُن کا نام حرف ہے انھیں حرفوں کو جو مُنہ اور زبان اور گلے میں ذرا ذرا فرق سے نئے نئے پیدا ہو جاتے ہیں حروف تہجّی یا حروفِ ہجا کہتے ہیں۔

اُردو میں حروف تہجّی اکاون ہیں۔ ا ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و وھ ہ ء ی[2]

---

[1] لفظ کے لغوی معنی کسی چیز کے پھینک دینے یا مُنہ سے نکال ڈالنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں جو متن میں بیان کئے گئے ہیں لفظ بمعنی ملفوظ ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق۔

[2] اِن حرفوں میں سے جہاں تک ہم کو معلوم ہے حروف بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ جو بالترتیب اِس طرح کے لفظوں میں بولے جاتے ہیں جیسے بھائی پھریرا تھان ٹھٹھا جھوم چھاچھ دھاوا ڈھال سرھانہ پڑھنا لکھنا گھر چولھا تمھارا ننھا۔ اُردو میں ابھی تک ان کے نام معین نہیں ہوئے ہمارے نزدیک ان کے یہ نام ہونے چاہئیں بھے پھے تھے ٹھے جھا چھے دھا ڈھا رھے ڑھے کھے گھے لھا مھا ان حروف کو آیندہ ہم کتاب میں ایسے حروف سے تعبیر کریں گے جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہے۔

بعض حرف ایسے ہیں کہ ایک زبان میں آتے ہیں دوسری میں نہیں آتے تو جس زبان میں وہ آتے ہیں خاص اُس زبان کے حرف کہلاتے ہیں۔ جیسے ث ح ذ[1] ص ض ط ظ ع ق یہ نو حرف خاص عربی زبان کے ہیں اس لئے کہ فارسی زبان میں نہیں آتے اور پ چ ژ گ خاص فارسی کے حرف ہیں اس لئے کہ عربی میں نہیں بولے جاتے۔ مگر ہندوستانی زبان کے مقابلے میں حروف تسعہ مختصۂ عربی میں سے ق اور حروف اربعہ مختصۂ فارسی میں سے پ چ گ ان چار حرفوں کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اس لئے کہ یہ حرف جیسے عربی اور فارسی زبان میں بولے جاتے ہیں ویسے ہی ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں جیسے "تڑاق پڑاق" "چُلنا گلنا" ژ البتہ فارسی سے مخصوص ہے۔ ٹ ڈ ڑ اور تمام وہ حروف جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہے خاص ہندوستانی زبان کے حرف ہیں، اس لئے کہ یہ حروف نہ عربی میں آتے ہیں نہ فارسی میں صرف ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں جو حروف زبان عربی یا فارسی یا ہندوستانی سے مخصوص بیان کئے گئے ہیں وہ اُنھیں زبانوں کے لحاظ سے مختص ہیں۔ ورنہ یہ حروف اور زبانوں میں بھی آتے ہیں مثلاً چ اور ق ترکی زبان میں بھی آتے ہیں اور ٹ ڈ انگریزی میں بھی۔

حروف شمسی اور قمری۔ عربی میں حروف تہجی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس لفظ کے سرے پر اُن میں سے کوئی حرف ہوتا ہے اور اُس پر عربی کا ال[2] آتا ہے تو لام پڑھنے میں

---

[1] ذ کو دوسرے اہل قواعد خاص عربی کا حرف نہیں سمجھتے اور اسی لئے اُنھوں نے عربی کے مخصوص حروف آٹھ لکھے ہیں مگر ہمارے نزدیک ذ خاص عربی کا حرف ہے اور فارسی الفاظ کو ذ سے لکھنا غلط ہے۔ جو الفاظ فارسی ذ سے لکھے جاتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں جیسے صد ض سے۔ حالاں کہ صد فارسی کا لفظ ہے اور ض خاص عربی کا حرف ہے۔

[2] ال میں لام ساکن تعریف (ضد تنکیر) کے واسطے ہے اور ہمزہ (جس کو فارسی اور اُردو میں الف کی صورت میں لکھے جانے کے سبب الف کہتے ہیں) رفع ابتدا بالسکون کے لئے۔ کیوں کہ زبان عرب میں ابتدا بالسکون یعنی پہلے حرف کو سکون کے ساتھ ادا کرنا متعذر ہے (اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے) عربی میں جس جگہ ابتدا بالسکون لازم آئے اُس کے دُور کرنے کو ہمزہ ابتدا میں زیادہ کر دیتے ہیں جس کو ہمزۂ وصل کہتے ہیں۔ چوں کہ ہمزہ وصل ضرورت کے سبب زیادہ کیا جاتا ہے تو جب ضرورت نہیں رہتی گر جاتا ہے مگر صرف تلفظ میں نہ کتابت میں۔ لیکن جب اس پر لِ داخل ہو تو کتابت میں بھی گر جاتا ہے جیسے لِلنّاس ذوق: نطق شیریں ترا دہ شہد کہ ہر درد کو راس ✦ شان میں جس کی شہا فیہ شفاءٌ للنّاس

نہیں آتا۔ اور وہ حرف مشدّد ہو جاتا ہی ایسے حرفوں کو حروفِ شمسی کہتے ہیں اور وہ چودہ ہیں:

ت ث د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ل ن جیسے اَلتَّائِبُ اَلثَّاقِبُ اَلدَّلِیلُ اَلذَّاکِر اَلرَّحِیم اَلزَّجَاج اَلسَّلَام اَلشِّمَال اَلصَّبَاح اَلضِّیَا اَلطَّاہِر اَلظِّل اَللَّیل اَلنَّوم ان حروف کا نام شمسی اس لئے رکھا گیا ہی کہ الشمس کے پڑھنے میں لام نہیں پڑھا جاتا۔

دوسرے وہ کہ جن پر اَل آتا ہی تو لام پڑھا جاتا ہی۔ ایسے حروف کو حروف قمری کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: ا ب ج ح خ ع غ ف ق ک م و ہ ی جیسے الاسد البحر الجمیل الحکیم الخطیب العالم الغریق الفاتح القادر الکریم الملک الواحد الہادی الیمین۔ ان حرفوں کو قمری اس لئے کہتے ہیں کہ القمر کے پڑھنے میں لام تلفظ میں آتا ہی[۱]۔

حروفِ علت۔ یہ تین حروف ہیں و ا ی۔ علت بیماری کو کہتے ہیں۔ اہلِ عرب کے ہاں دکھ درد کی حالت میں "وای" منہ سے نکلتا ہی اس لئے انھوں نے ان حرفوں کا نام (جن کے مجموعے سے یہ لفظ بنا) حروفِ علت رکھا ہے۔

حرفِ صحیح۔ جو علت کا حرف نہو۔

بہت سے حرف ایسے ہیں جن کی صورت ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہے اور ان میں صرف نقطوں سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے حروف کو بعض اہلِ قواعد حروف متشابہ کہتے ہیں۔ چوں کہ لکھنے والے نقطہ دینے میں بہت بے پروائی کیا کرتے ہیں اور تحریر الفاظ یعنی ترکیب میں حروف کی صورت بالکل بدل جاتی اور ایسے حروف سے مشابہ ہو جاتی ہے جن سے مفرد ہونے کی حالت میں بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جیسے محبت محنت نزا بُرا اس لئے بوقت ضرورت امتیاز الفاظ اور رفع التباس کے لئے نقطوں کا شمار اور ان کا موقع بھی ظاہر

[۱] بہت سے لوگ عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم اور عبد السّلام کو عبدل رحمٰن اور عبدل رحیم اور عبدل سلام کہتے ہیں یعنی ان کو معلوم نہیں کہ حروف شمسی پر ال آتا ہی تو لام تلفظ میں نہیں آتا۔ اسی طرح بعض عبد الجبار و عبد الجلیل میں لام نہیں پڑھتے اور جیم کو مشدد کر دیتے ہیں یعنی اس سے بے خبر ہیں کہ حروف قمری پر ال آتا ہی تو لام پڑھا جاتا ہی امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے ایسی غلطیاں نہیں کریں گے۔

کرنا پڑتا ہی اور یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ حرف نقطہ دار ہے یا بے نقطہ۔

حرفوں اور نقطوں کے متعلق یہ اصطلاحیں ہیں۔

معجم[1] یا منقوط۔ نقطہ دار حرف۔ مگر معجم یا منقوط کی قید اُس حرف کے ساتھ لگاتے ہیں جس کی صورت کا کوئی بے نقطہ حرف بھی ہوتا کہ التباس رفع ہو جائے۔ جیسے ض معجم۔ چوں کہ ص اور ض میں مشابہت ہی اس لئے یہ قید لگائی گئی۔

مہمل یا غیر منقوط۔ بے نقطہ حرف۔ جس کی صورت کا کوئی نقطہ دار حرف بھی ہو جیسے ط مہمل یہ ظ سے مشابہ ہی اس لئے مہمل کی قید لگائی گئی۔

فائدہ۔ ایسے منقوط یا غیر منقوط حرف جو اور حروف سے مشابہ نہیں ہیں اُن کے ساتھ معجم یا مہمل کی قید نہیں لگائی جاتی۔ جیسے ق اور م ان حرفوں کی صورت کسی حرف سے نہیں ملتی اس لئے نہ ق کو منقوط کہتے ہیں نہ م کو مہمل۔

ب۔ بائے موحدہ (ایک نقطے والی ب)

پ۔ بائے فارسی

ت۔ تائے قرشت یعنی وہ ت جو لفظ قرشت میں آتی ہے اور چوں کہ اس میں دو نقطے ہیں اور اوپر ہیں۔ اس لئے اس کو تائے مثناۃ فوقانیہ بھی کہتے ہیں۔

ٹ۔ تائے ہندی (یا ہندی کی ت)

ث۔ ثائے مثلثہ کیوں کہ اس میں تین نقطے ہیں

ث اور پ میں یہ فرق ہے کہ اُس میں نقطے اوپر ہیں اس میں نیچے اور ان دونوں کے امتیاز کے لئے جو الفاظ بیان کئے گئے ہیں اُن سے فرق بخوبی ظاہر ہوتا ہی۔

ج۔ جیم عربی یا تازی۔

چ۔ جیم فارسی

ح۔ حائے حطی یعنی وہ ح جو لفظ حطی میں آتی ہی اُس کو حائے مہملہ یا غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں۔

---

[1] اردو فارسی عربی کے تمام اہلِ قواعد نقطہ دار حرف کو معجمہ یا منقوطہ اور بے نقطہ حرف کو مہملہ یا غیر منقوطہ بہ تائے تانیث (جو بولنے میں ہ کی آواز دیتی ہے) لکھتے ہیں مگر ہم نے لفظ حرف کی رعایت سے جو مذکر ہے معجم و مہمل یا منقوط و غیر منقوط لکھا ہے۔ ہاں جو حرف مونث ہوگا اُس کی صفت میں معجم اور منقوط اور مہمل اور غیر منقوط کے ساتھ تائے تانیث قائم رکھیں گے۔ جیسے زائے معجمہ یا منقوطہ اور رائے مہملہ یا غیر منقوطہ۔

خ - خائے معجمہ یا منقوطہ۔
د - دال مہملہ یا غیر منقوطہ۔
ڈ - دال ہندی (یا ہندی کی دال)
ذ - ذال معجمہ یا منقوطہ
ر - رائے مہملہ یا غیر منقوطہ۔
ڑ - رائے ہندی (یا ہندی کی رے)
ز - زائے معجمہ یا منقوطہ
ژ - زائے فارسی۔
س ش - ص ض - ط ظ - ع غ - میں
بے نقطہ اور نقطہ دار ہونے کا فرق ہے۔

ف اور ق کے لئے کسی قید کی ضرورت نہیں
کہ ان میں شائبۂ اشتباہ نہیں۔
ک - کاف عربی (عربی کا کاف)
گ - کاف فارسی (فارسی کا کاف)
ل م ن و - ان حروف کے ساتھ کوئی قید
نہیں لگائی جاتی۔
ہ - ہائے ہوز یعنی وہ ہ جو لفظ ہوز میں آتی
ہے۔
ی - یائے مثناۃ تحتانیہ اس لئے کہ دو نقطے
رکھتی ہے اور نیچے۔

حرکات وسکنات

اور

اور ضروری اصطلاحات

جس آواز کے سہارے سے حرف ادا کئے جاتے اور جس کے ذریعے سے ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں اُسے حرکت کہتے ہیں۔ حرکت تین طرح کی ہے۔

(۱) زبر - اس کی علامت (َ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی میں زبر کو فتح یا فتحہ اور زبر والے حرف کو مفتوح کہتے ہیں۔ جیسے قلم میں قَ اور لَ مفتوح ہیں۔

فائدہ - اُردو میں خاص حالت اور ضرورت کے سوا کوئی حرکت نہیں لکھی جاتی۔

(۲) زیر اس کی علامت بعینہٖ وہی علامت فتحہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ علامتِ فتحہ حرف

کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ اور زیر کی علامت نیچے۔ زیر کو کسر یا کسرہ اور زیر والے حرف کو مکسور کہتے ہیں۔ جیسے کریم میں ر مکسور ہے۔

(۳) پیش۔ اس کی علامت (ُ) ہے اور یہ بھی حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے اس کو ضم یا ضمہ اور پیش والے حرف کو مضموم کہتے ہیں۔ جیسے خدا میں خ مضموم ہے۔

مُتحرک۔ وہ حرف جس پر ان تینوں حرکتوں میں سے کوئی حرکت ہو۔

فائدہ۔ عربی میں جو حرکت لفظ کے حرف اخیر پر ہو اُس کے دوسرے نام بھی ہیں زبر کو نصب زیر کو جر اور پیش کو رفع کہتے ہیں۔ اور جس حرف پر نصب یا جر یا رفع ہو اُسے منصوب یا مجرور یا مرفوع کہتے ہیں۔

جزم۔ حرف پر منجملہ حرکات ثلاثہ کے کسی حرکت کے نہ ہونے کو جزم کہتے ہیں۔ اس کی علامت (ْ) ہے جو حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی کی اصطلاح میں جزم کا نام سکون ہے اور جزم والے حرف کا نام ساکن۔

وقف۔ حرف ساکن کے بعد حرف غیر مُتحرک کے واقع ہونے کو وقف کہتے ہیں اور حرف غیر متحرک کو موقوف۔ جیسے پیار میں ر موقوف ہے۔ دوست میں س اور ت دونوں موقوف ہیں۔

تشدید۔ جو حرف پہلے ساکن اور پھر متحرک ہو کر بولا یا پڑھا جاوے تو سکون و حرکت کی حالت کو تشدید کہتے ہیں۔ تشدید کی علامت (ّ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے جس حرف پر تشدید ہو اُسے مشدّد کہتے ہیں۔ جیسے ابّا میں ب اور مکھّن میں کھ مشدّد ہے۔

مد۔ حرف کو کھینچ کر پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اس کی علامت (~) ہے جو اوپر لکھی جاتی ہے۔

ممدود۔ وہ حرف جو کھینچ کر پڑھا جائے۔ جیسے آلو میں الف ممدود ہے۔

تنوین۔ کبھی عربی لفظ کے آخر میں حرف کی حرکت کے بعد نون ساکن لگایا جاتا ہے اُس کو تنوین کہتے ہیں۔ یہ نون کتابت میں نہیں آتا تلفظ میں آتا ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے

کہ جس حرکت کے بعد تنوین آتی ہے وہ حرکت لکھتے ہیں مکرر ہو جاتی ہے۔ اور تنوین فتح میں الف بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے صریحاً قطعاً یقیناً وقتاً فوقتاً نسلاً بعد نسلٍ حیناً بعد حینٍ مشارٌ الیہ۔ مگر جن الفاظ کے آخر میں رسم الخط عربی کے مطابق لمبی ت نہیں لکھی جاتی مختصر یا گول ۃ بصورت ہ لکھی جاتی ہے وہاں تنوین فتح میں الف نہیں بڑھاتے جیسے دفعۃً تذکرۃً عادۃً قاطبۃً۔

جس لفظ پر تنوین ہو اُسے مُنوّن کہتے ہیں۔

فائدہ۔ تنوین کا نون بعض اوقات نظم میں متحرک ہو جاتا ہے یعنی لفظ مابعد کے حرف اوّل کی حرکت اُس کو دیدیتے ہیں[1]۔ جیسے حالی

جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ
تو نے دی قصداً اس کی جان بچا

دوسرا مصرع جس میں قصداً کا لفظ مُنوّن ہے اس طرح پڑھا جاتا ہے۔

تو نے دی قصدَن اس کی جان بچا

یعنی اس مصرع میں لفظ "اُس" کا ضمہ نون ساکن کو دیا گیا ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنوی گنج قناعت میں لکھتے ہیں بیت

تھا جلوہ رُخ سامنے اُس مردِ خدا کا
جو دفعۃً ایک آگیا جھوکا سا ہوا کا

تنبیہ۔ عربی لفظ کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ مُنوّن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا بعض لوگ فارسی الفاظ کو بھی مُنوّن بولتے اور لکھتے ہیں جیسے اندازاً اور رسیداً یہ غلط ہے۔

فائدہ۔ بعض الفاظ جن کے آخر میں فتح تنوین میں الف لکھا جاتا ہے اُردو میں مُنوّن نہیں بولے جاتے بلکہ بجائے تنوین کے الف اپنی آواز دیتا ہے۔ جیسے ظاہرا دائما کہ اصل میں

[1] یہ فائدہ اگرچہ عروض سے متعلق ہے۔ مگر بوجہ مفید ہونے کے یہاں بھی لکھدیا گیا۔

ظاہرؔا اور دائماؔ ہیں۔

نونِ غنہ۔ نون غیر متحرک کہ ناک میں آواز دے اور خوب ظاہر نہ پڑھا جائے۔ عام اس سے کہ حرفِ علت کے بعد واقع ہو یا حرف صحیح کے جیسے ہوں ہاں غوں غاں سنبھال ہنسی۔

الف ممدودہ[1]۔ جو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر پڑھا جائے۔ جیسے آج۔ آم۔ آدمی۔

الف مقصور۔ جو کھینچ کر نہ پڑھا جائے۔ جیسے اشرف۔ اب۔ اگر۔

واوِ معروف۔ جس واو سے پہلے پیش ہو اور خوب ظاہر پڑھا جائے۔ جیسے دور۔ نور۔ صورت۔

واوِ مجہول۔ جس کے حرف ماقبل پر پیش ہو اور خوب واضح نہ پڑھا جائے۔ جیسے ہوش۔ روز۔ لوٹ پوٹ۔

واوِ معدول[2]۔ جو لکھنے میں آتا ہے بولنے میں نہیں آتا جیسے خود۔ خوش۔ یہ واؤ صرف فارسی میں آتا ہے اور اس زبان میں اس کے ماقبل کا ضمہ خالص نہیں ہوتا بلکہ آدھا ضمہ ہوتا ہے آدھا فتحہ۔ اس طرح کی آواز نہ عربی میں آتی ہے نہ اردو میں۔ اردو میں ایسے الفاظ میں (جن میں واوِ معدول آتا ہے) خالص ضمہ یعنی بے اِشمامِ[3] فتحہ آتا ہے۔

ہائے ملفوظی یا اصلی جو خوب کھل کر پڑھی جائے۔ جیسے آہ۔ واہ۔ یہ۔ وہ۔

---

[1] جو لوگ الف ممدود اور مقصور کو الف ممدودہ اور مقصورہ یہ تائے تانیث لکھتے ہیں عربی کی تقلید کرتے ہیں کیوں کہ عربی میں تمام حروف مونث بولے جاتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں یہ بات نہیں۔ فارسی میں تو کوئی علامت تانیث ہی نہیں۔ اردو میں بعض حروف مذکر بولے جاتے ہیں بعض مونث۔ چوں کہ الف مذکر بولا جاتا ہے اس لئے ہم نے ممدود اور مقصور بے تائے تانیث لکھا ہے۔

[2] جن وجوہ سے ہم نے الف ممدودہ کو الف ممدود لکھا ہے انھیں وجوہ سے واؤ معدولہ کو واؤ معدول اور واضح ہو کہ واؤ اردو میں اکثر مذکر بولا جاتا ہے۔

[3] اشمام کے لغوی معنی سنگھانے کے ہیں۔ یہاں مراد ہے آمیزش۔

ہائے مختفی۔ جو صرف حرف ماقبل کی حرکت کو ظاہر کرے۔ جیسے پردہ سایہ پروانہ نشانہ بیگانہ۔ نظم اُردو میں یہ ہ بسا اوقات الف بن کر پڑھی جاتی ہے۔ جیسے

ذوق جس انساں کو سگِ دُنیا نہ پایا فرشتہ اُس کا ہمپایہ نہ پایا

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہے۔ البتہ چند قسم کی تیئں ہیں جو فارسی اور اُردو میں ہائے مختفی کا کام دیتی ہیں۔ جیسے غلبہ مباحثہ مقابلہ۔

ہائے مخلوط التلفظ یا ہائے مخلوط۔ جو دوسرے حرف کے ساتھ مل کر پڑھی جائے جیسے اُنھیں تمھیں۔ وہ جو یک جان دو قالب کہا کرتے ہیں ٹھیک اِس ھ اور اُس کے حرف ماقبل کا حال ہی۔ صورت میں تو یہ ھ دوسرے حرف سے جُدا ہوتی ہے مگر صوت میں اُس کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے جیسے دودھ میں مصری۔ لکھنے میں دوچشمی لکھی جاتی ہی۔[1]

یائے معروف۔ جس ی سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر پڑھی جائے۔ جیسے امیر فقیر عجیب غریب۔

یائے مجہول۔ جس ی سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر نہ پڑھی جائے۔ جیسے سیر شیر دلیر

تازی یا عربی۔ وہ حرف جو خاص عربی زبان میں آئے جیسے ث ح وغیرہ

فارسی۔ جو حرف زبان عربی میں نہ آئے۔ جیسے پ چ وغیرہ

ہندی۔ جو نہ عربی میں آئے نہ فارسی میں جیسے ٹ ڈ ڑ

ماقبل۔ وہ حرف جو کسی حرف سے پہلے آئے۔ جیسے دل میں د ماقبل ل کے ہی۔

مابعد۔ وہ حرف جو کسی حرف سے پیچھے آئے جیسے سر میں ر مابعد س کے ہی۔

حذف۔ لفظ میں سے کسی حرف یا عبارت میں سے کسی لفظ کے گرا دینے کو کہتے

[1] اس ھ کا ذکر یہاں ہم نے بغرض زیادت بصیرت طلاب کیا ہے ورنہ اُردو میں اس طرح کی ھ بہت کم ہوتی ہے جن حروف کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ان کے ساتھ مل کر پڑھی جاتی ہے وہ سب مفرد ہیں جیسا کہ حروف تہجی کے بیان میں لکھا گیا ہی۔

ہیں جیسے بیچارہ میں سے تے اور طمانینت میں سے دوسرا نون گرا کر بچارہ اور طمانیت کہتے ہیں۔

محذوف - وہ حرف یا لفظ جس کو گرا دیں۔

ترخیم - لفظ کے آخر سے حرف کے حذف کو کہتے ہیں۔ جیسے جزو سے جز بادشاہ سے بادشا گواہ سے گوا حالی

دعویِ روشنِ ترا ثابت بے بیّنہ ؛ صورت و سیرت تری صدق پہ تیری گوا[1]

مرخم - وہ لفظ جس میں ترخیم ہو۔

ملفوظ - وہ حرف یا لفظ جو بولنے میں آئے جیسے اسمٰعیل رحمٰن کہ ان میں الف اگرچہ لکھا نہیں جاتا مگر بولنے میں آتا ہے۔ اِس لئے ملفوظ ہے۔

غیر ملفوظ - جو لکھنے میں آئے بولنے میں نہ آئے جیسے عبدالرحیم میں الف لام کہ لکھا تو جاتا ہے مگر بولنے میں نہیں آتا۔

تخفیف - حرف کے ہلکا یا کم کرنے کو کہتے ہیں جیسے نظّارہ ظ کی تشدید اور نقّارہ ق کی تشدید سے ہے۔ ان کو ہلکا کرکے نظارہ اور نقارہ کہتے ہیں۔ یا جیسے دِوانہ بچارہ کہ دیوانہ اور بیچارہ کا مخفف ہے ذوق

کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبانِ خلق ؛ شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے

نقل - دوسرے حرف کی حرکت پہلے حرف کو دینی جیسے غالب

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد ؛ مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

دوسرے مصرع میں "اے" کے الف کی حرکت یعنی فتحہ حساب کی ب کو دیا گیا ہے

نظم میں اکثر اِس اُس وغیرہ الفاظ کی حرکت جس کے شروع میں الف ہو پہلے حرف

[1] جس نظم میں کا یہ شعر ہے اُس کا قافیہ خدا اور دعا ہے۔ اسی لئے شاعر کو بجائے گواہ کے گوا ترخیم کے ساتھ استعمال کرنا پڑا۔

کو دیدیتے ہیں۔

فائدہ۔ بعض اوقات عربی الفاظ میں جن کے شروع میں الف ہو اور جن پر ال تعریفی آئے نظم میں اصل کلمے کی حرکت ال کے لام کو دیدیتے ہیں جیسے ناسخ کہتے ہیں۔ ع

دادرس کوئی بجز فالِقُ الاصباح نہیں

اِس مصرع میں اِصْباح کا کسرہ ال کے لام کو دیا گیا ہے۔ اصل میں فالِقُ الاِصباح ہے۔ اور یہاں فالِقُ لِصْباح پڑھا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد

وے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑکر ‌ ‌ ‌ بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تب[۱] کو

یہاں بالآخر بلاخر پڑھا جاتا ہے۔

تحریک۔ ساکن کو متحرک کرنا جیسے طرح کہ عربی میں ر کے جزم سے ہے شعرائے اُردو اسکو متحرک بھی باندھتے ہیں۔ ذوق

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں ‌ ‌ ‌ ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں

دوسرے مصرع میں طَرَح بحرکت را آیا ہے مومن

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے ‌ ‌ ‌ آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

تسکین۔ متحرک کو ساکن کرنا جیسے شفقت کہ عربی میں ف کے زبر سے ہے۔ اُردو میں جزم سے بھی بولتے ہیں۔ حالی

جن کو خلق خدا پہ شفقت ہو ‌ ‌ ‌ خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا

---

[۱] یہ اُس نظم میں کا شعر ہے جس کا شعر اول یہ ہے۔

نچا مارا ہے بکھیڑ کیا عجم اور کیا عرب سب کو
خدا غارت کرے اِس اختلافِ دین و مذہب کو

تو قافیے کے لحاظ سے تب بائے موحدہ سے ہے۔ مگر چونکہ یہ وہی تب ہے۔ جس کو تپ بائے فارسی سے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں اگر بجائے تب کے تپ پڑھا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔

یا جیسے حَرکت اور بَرَکت کہ دونوں لفظ عربی میں بفتح را ہیں۔ فی الحَرَکتِ بَرَکَۃ[1] اردو میں بسکون را بھی استعمال کئے جاتے ہیں حالی

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی ۔ کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

اشباع۔ حرکت کو اتنا کھینچنا کہ پیش سے واؤ اور زبر سے الف اور زیر سے ے پیدا ہو۔ جیسے رستہ سے راستہ۔ مہمان سے میہمان۔ لہو سے لوہو۔ ذوق

شمع نازاں نہوا اک رات بہا آنسو گرم ۔ برسوں یاں آنکھ سے ٹپکا ہی مری لوہو گرم

اِس شعر میں لہو میں اشباع کرکے لوہو بنایا گیا ہے یا جیسے ناخن سے ناخون[2]۔ مرزا رفیع سودا

بنیے کا دیوال بند ایک قرضدار[3] تھا ۔ اُس کے ادا کرنے میں سخت وہ لاچار تھا

اصل میں دوال بند ہے بمعنی سپاہی۔ اشباع سے دیوال بند ہوگیا۔

امالہ۔ الف کو یائے مجہول سے بدل کر پڑھنا جیسے اُکھاڑنا سے اُکھیڑنا۔

ابدال۔ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے ٹھہرنا ٹھیرنا۔

زیادت۔ کلمے میں ایک یا زیادہ حرفوں کا زیادہ کرنا جیسے بھڑ چال سے بھیڑیا چال[4] پرتو سے (جو فارسی ہے) پرتوہ[5]۔ سکول سے اسکول۔ سپیچ سے اسپیچ۔

---

[1] مصرع

چل در میکدہ تک۔ ہے حرکت میں برکت

[2] الٰہی بخش خاں معروف کہتے ہیں ؎

غلط العامِ فصیح کی حنا کا معروف! ۔ رنگ ہے میرے اِن اشعار کے ناخونوں میں

[3] صحیح لفظ قرض بہ سکون را ہے یہاں بہ فتح را پڑھا جاتا ہے۔

[4] حالی

رہے گی یُہ یُوں دیا مال کب تک ۔ نہ چھوڑو گے تم بھیڑیا چال کب تک

[5] مثنوی داد انصاف ؎

غرض انصاف نے جب پرتوہ ڈالا اپنا ۔ رنگ تب معنی اصلی نے نکالا اپنا

فائدہ - بعض الفاظ ایسے ہیں کہ دلّی اور لکھنؤ کی زبان میں اُن میں ایک ایک حرف کی کمی بیشی ہے مثلاً دلّی میں اندھیرا کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں اندھیارا[51] - دلّی میں کواڑ کہتے ہیں لکھنؤ میں کواٹا

ادغام - دو ہم جنس یا ہم مخرج حرفوں کو ملا کر یعنی ایک کر کے پڑھنا - جیسے بدتر کہ پڑھنے میں بتّر آتا ہے۔

اشتقاق - ایک اصل لفظ سے اور لفظ یا صیغے نکالنا - جیسے ہونا سے ہُوا - ہوگا - ہونے والا وغیرہ -

مشتق - وہ لفظ جو کسی اصل سے نکلا ہو -

مقدّر - وہ لفظ جو عبارت میں نہو مگر معنی دے - جیسے "خدا کی قسم" یہاں "میں کھاتا ہوں" مقدّر ہے - یعنی میں خدا کی قسم کھاتا ہوں -

مترادف - دو لفظ ہم معنی جیسے سدا اور نت - رکھنا اور دھرنا - ابّا اور باپ -

مشترک یا مشترک المعنےٰ - ایک لفظ جس کے دو یا زیادہ معنے ہوں - جیسے سونا اُس آرام کو بھی کہتے ہیں جو عموماً دن بھر کی تکان کے بعد رات کو کیا جاتا ہے اور جس میں دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی - اور اُس پیلی پیلی معدنی چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا زیور اور اشرفیاں وغیرہ بنتی ہیں -

قیاسی - وہ لفظ جو قاعدہ کلیہ کے مطابق بنا ہو -

سماعی - وہ لفظ جو کسی قاعدے کے بموجب نہ بنا ہو صرف اہل زبان کو بولتے سُنا ہو -

تعریب - کسی غیر زبان کے لفظ کو عربی بنا لینا - جیسے پیل سے فیل - کانپور سے کان پور اسپانارخ[52] سے اسفانارخ -

---

[51] مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اسی طرح لکھا ہے مگر مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی پروفیسر نظام کالج (حیدر آباد دکن) فرماتے ہیں کہ لکھنؤ والے بھی اندھیرا ہی کہتے ہیں - اندھیارا بھی صحیح مگر غیر فصیح ہے - سودا

ہو گی کب تک بچا خبرداری   چور جاتے ہیں کہ اندھیاری

[52] اسپانارخ پالک کو کہتے ہیں جو ایک قسم کا مشہور ساگ ہے -

جو لفظ عربی صورت اختیار کرلے اُس کو معرّب کہتے ہیں۔

تفریس۔ غیر زبان کے لفظ کو فارسی بنا لینا جیسے چھپّر سے چپر۔ جھگڑ سے جگر[۱]

جو لفظ فارسی صورت بدل لے اُسکو مفرّس کہتے ہیں۔

تہنید۔ کسی غیر زبان کے لفظ کو ہندی بنا لینا۔ جیسے عربی کے اَب اور اُم سے ابّا اَمّاں فارسی کے دُہل سے ڈھول۔ انگریزی کے لارڈ سے لاٹ۔ سٹیمپ سے اسٹام۔

تہنید کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دوسری زبان کے لفظ کو لفظاً و معنےً دونوں طرح بدلیں جیسے افراتفری کہ اصل میں افراط تفریط ہے۔ عربی میں افراط کے معنی نہایت کثرت کے ہیں اور تفریط کے معنی نہایت قلت کے۔ اُردو میں کہتے ہیں عجب افراتفری پڑ رہی ہے یعنی ہل چل پڑ رہی ہے۔ دوسرے صرف لفظ کو بدلیں جیسے پلید سے پلیت۔

میر تقی

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے ہمارے عندیے میں تو وہ ہے خبیث پلیت

تیسرے صرف معنوں کو بدلیں جیسے خاطر کہ عربی میں خیال کو کہتے ہیں (جو دل میں گزرتا ہے) اُردو میں کہتے ہیں۔ حامد نے محمود کی بڑی خاطر کی۔

چوتھے حرکات کو بھی بدل دیں اور معنوں کو بھی جیسے مشّاطہ کہ عربی میں مبالغے کا صیغہ ہے اور مُشط سے جس کے معنے کنگھی کے ہیں مشتق ہے۔ فارسی میں مشاطہ اُس عورت کو کہتے ہیں جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے جیسے ہندوستان میں نائن۔ اُردو میں مُشاطہ بضم میم و تخفیف شین اس عورت کو کہتے ہیں جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کروائے۔

پانچویں جمع سے واحد کے معنے لیں جیسے اصول احوال اشراف کہ اصل اور حال اور شریف کے معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

---

[۱] عرفی۔ آن باد کہ در ہند گر آید جگر آید۔

چھٹے دوسری زبان کے مادہ ہائے الفاظ سے ایسے صیغے بنانا جو اُس زبان میں مستعمل نہوں جیسے عفو اور عتاب سے معاف اور معتوب۔

تہنّد۔ جو لفظ ہندی صورت اختیار کرے اُس کو تہند کہتے ہیں۔

تصرف۔ جب کسی غیر زبان کے لفظ میں کچھ کمی بیشی یا تغیر و تبدّل کر کے اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں تو اُس کمی و بیشی یا تغیر و تبدّل کو تصرّف کہتے ہیں۔ تصرّف عام ہی اور تحریک اور تسکین اور حذف اور زیادت اور تخفیف اور تعریب اور تفریس اور تہنید وغیرہ سب اُس کی قسمیں ہیں۔

یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ اِن میں بہت سی مصطلحات جیسے اشباع اور ترخیم وغیرہ صرف عروض سے متعلق ہیں۔ صرف و نحو سے اِن کو کچھ تعلق نہیں۔ مگر چونکہ دوسرے اہل قواعد نے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے اِس لیے ہم نے بھی ان کو خالی از نفع نہ دیکھ کر یہاں لکھدیا ہے۔

پہلا حصہ

علم صرف میں

صرف

صرف اُس علم کا نام ہے جس میں حروف و حرکات کے تغیر و تبدل سے مختلف طرح کے الفاظ اور مختلف قسم کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہی کہ بولنے والا صحیح لفظ بولے۔ تم کہتے ہو "یوں کرو" "یوں مت کرو" "اس نے کیا" "وہ کرتی ہے" "ہم کرتی ہیں" "تم کروگے" "میں نے کیا تھا" "وہ کرنیوالا ہے" "یہ کیا ہوا ہے" غور سے دیکھو تو ان فقرات میں ایک ایسا لفظ ہے جس نے حروف اور حرکات کے تغیر و تبدل سے کئی طرح کی صورتیں اختیار کی ہیں وہ لفظ کریا کرنا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کرینگے کہ ان دونو لفظوں میں سے صورت بدلنے والا کونسا لفظ ہونا چاہیے۔ تو جس علم میں لفظوں کے تغیر و تبدّل اور کلمات کے بنانیکا طریق بیان ہو اس کا نام علم صرف ہے۔

لفظ۔ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ انسان کے مُنہ سے جو مختلف آوازیں یعنی طرح طرح کے حروف نکلتے ہیں اُن کو لفظ کہتے ہیں۔ رات دن صبح شام چاند سورج زمین آسمان اُٹھنا بیٹھنا لکھنا پڑھنا وغیرہ غرض جو کچھ انسان بولتا ہے سب لفظ ہیں۔

لفظ کی قسمیں۔ لفظ دو طرح کا ہوتا ہے بامعنی اور بے معنی۔ بے معنی مہمل کہلاتا ہے تم بولتے ہو روٹی دوٹی "پانی وانی" روٹی اور پانی کے مفہوم کو سب جانتے ہیں۔ مگر دوٹی اور وانی کے کچھ معنے نہیں ہیں۔ بس اسی کا نام مہمل ہے (مہمل لفظ بہت کم بولنے میں آتا ہے) بامعنی کو موضوع کہتے ہیں۔

کلمہ۔ لفظ موضوع سے اگر اکیلے معنے سمجھے جائیں تو اُس کا نام کلمہ ہے چپ رہنا۔ مار ڈالنا اور اسی قبیل کے اور الفاظ جن کے اجزا ایک سے زیادہ ہیں۔ اگرچہ بجائے خود ہر ایک جزکے جداگانہ معنے ہیں مگر بحالت ترکیب چونکہ ان سے ایک معنے سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک لفظ کلمہ ہے کلمے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ لفظاً مفرد ہو بلکہ اُس کا معنیً مفرد ہونا ضرور ہے۔ ان تعریفات سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہر کلمے کو لفظ کہہ سکتے ہیں۔ ہر لفظ کو کلمہ نہیں کہہ سکتے۔

جس طرح لفظ ان حرفوں کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلیں۔ اسی طرح ان حرفوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے قلم سے نکلیں۔ کیونکہ انسان قلم کے ذریعے سے بھی اپنا مافی الضمیر دوسروں پر اسی طرح ظاہر کر سکتا ہے جس طرح زبان سے۔ اِسی لیے اِہلِ قواعد نے زبان[۱] یا بولی کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ تقریری[۱] اور تحریری[۲]۔ تقریری وہ جو زبان سے بولی جائے۔ تحریری وہ جو لکھنے میں آئے۔ تم کہو گے کہ بولنے کو تو جانور بھی بولتے ہیں۔ چڑیاں چوں چوں کرتی ہیں۔ کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں۔ اور طوطی و مینا تو ایسی باتیں کرتے ہیں گویا انسان کا ننھا سا بچہ باتیں کرتا ہے اور نہ صرف باتیں کرتے ہیں۔ بلکہ پڑھو تو پڑھتے بھی ہیں بیشک تمہارا یہ کہنا صحیح ہے مگر چونکہ جانور معدودے چند الفاظ کے سوا بول نہیں سکتے اور انسان کی طرح مسلسل گفتگو نہیں کر سکتے اور ہر طرح کے ادائے مطلب پر قدرت نہیں رکھتے۔ اس لئے جو کچھ وہ بولتے ہیں اُس کو نہ زبان کہتے ہیں نہ لفظ۔

لفظ کی قسمیں پہلے بیان ہو چکیں اب کلمے کے اقسام سُنو۔

کلمے کی قسمیں

اسم۔ کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اکیلا اپنے معنی دیتا ہے مگر اُس میں وقت کا شمول نہیں ہوتا۔ آدمیوں اور چیزوں کے ناموں مثلاً حامد محمود اونٹ گھوڑا ہاتھی زمین آسمان وغیرہ کو

[۱] زبان یا بولی اُس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے انسان اپنے دل کی بات ظاہر کر سکے۔

دیکھو کہ اِن کے معنوں میں وقت مطلق نہیں پایا جاتا۔لیکن یہ الفاظ اپنے معنوں کو بخوبی ظاہر کر رہے ہیں اسی طرح وہ الفاظ جن سے انسان وغیر انسان کے افعال اور حرکات بیان کی جائیں۔ جیسے اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سونا جاگنا اُچھلنا کُودنا اُڑنا دوڑنا وغیرہ کہ ان کے معانی بالاستقلال بے انضمام[1] وقت سمجھے جاتے ہیں اس قسم کے کلمے کو اسم[2] کہتے ہیں۔

وقت (جس کا دوسرا نام زمانہ ہے) تین قسم کا ہے۔ایک وہ جو گزر گیا اُسکو ماضی کہتے ہیں دوسرا جو بالفعل گزر رہا ہے اُس کا نام حال ہے تیسرا آنیوالا وہ مستقبل کہلاتا ہی مصرع

وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کرینگے

اِس مصرع میں تینوں زمانوں کی مثالیں ہیں۔

فعل۔ دوسرا وہ کلمہ جو اکیلا اپنے معنے دیتا ہے اور اس میں منجملہ ازمنہ ثلاثہ کے ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہے اس کو فعل کہتے ہیں۔ اسم اور فعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اُس میں وقت نہیں ہوتا اسمیں وقت کا ہونا ضرور ہوتا ہی جب ہم صرف آنا کہتے ہیں تو اس میں کسی زمانے کا تعلق اور تعین نہیں ہوتا اور اسی لیے یہ اسم ہے۔لیکن جب آیا یا آتا ہے یا آئیگا کہتے ہیں تو وقت لازم ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اُن میں کام یا تو زمانہ گزشتہ میں ہوچکا ہوتا ہے یا وقت موجودہ میں ہورہا ہوتا ہے یا زمانِ آیندہ میں ہونیوالا ہوتا ہے۔مثلاً تم کہو زید آیا۔کوئی پوچھے کب؟ تو جواب ہوگا گزرے ہوئے زمانے میں۔آتا ہی۔کب؟ گزرتے ہوئے زمانے میں۔آئیگا۔کب؟ آنیوالے زمانے میں

حرف۔تیسرا وہ جو اکیلا کچھ معنے نہیں دیتا۔اُس کو حرف کہتے ہیں۔حرف الفاظ میں صرف ربط اور تعلق کے لیے آتا ہے سے میں تک کو سے (جو حروف ہیں) تم کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ کہنے والے کی اِس سے کیا مراد ہی لیکن جب کہا جائے کہ "حامد صبح سے دوپہر تک اپنے گھر میں سبق یاد کرتا رہا" تو تم سمجھ لوگے کہ حامد کا سبق یاد کرنا صبح سے شروع ہوکر دوپہر کو ختم ہوا۔اور اس عرصے میں وہ اپنے گھر رہا۔

---

[1] شمول [2] لغتہً اسم کے معنے نام کے ہیں۔

مختصر اور سلیس لفظوں میں کلمے کی تینوں قسموں کی تعریف یہ ہے اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنے دے اور اُس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے۔ فعل وہ ہے جو اکیلا معنے دے اور اُس میں کوئی زمانہ پایا جائے۔ حرف وہ ہے کہ جب تک اُس کے ساتھ اور لفظ نہ ملے اپنے معنے ظاہر نہ کرے۔

اِسم کی اولی قسمیں

اِسم کی پہلی (یعنی بناوٹ کے لحاظ سے) تین قسمیں ہیں جامد مصدر مشتق

جامد۔ جس سے کوئی دوسرا لفظ نہ نکلے اور نہ وہ کسی سے نکلے جیسے ہاتھی گھوڑا چاقو قلم ڈھال تلوار۔

مشتق۔ جو کسی اور کلمے سے نکلا ہو۔ جیسے لکھنے والا (اسم فاعل) لکھا ہوا (اسم مفعول) وغیرہ لکھنے سے مشتق ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمام مشتقات اسم ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ افعال بھی مشتق ہوتے ہیں چونکہ مشتقات دونوں قسم کے ہوتے ہیں اسم بھی اور فعل بھی۔ اس لئے اسم کے اعتبار سے مشتق بھی اسم کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

مصدر۔ جس سے اور الفاظ نکلیں جیسے کھانا سے کھایا کھاؤ ہم کھائینگے وہ کھاتے ہیں تم نہیں کھاتے وغیرہ۔

مصدر

اور اُس کے مشتقات کا بیان

(اِس میں فعل کی مفصل بحث لکھی جائیگی)

جو کلمہ کسی کام یا حرکت کا بیان ہو اور اُس میں زمانہ نہ پایا جائے یعنی اس کام یا حرکت کا کوئی وقت معین نہو اُس کو مصدر کہتے ہیں۔

مصدر کی تعریف اِس طرح بھی کی جاتی ہے کہ مصدر وہ اسم ہے جس سے ہونا یا کرنا یا سہنا بلا تعلق زمانے کے سمجھا جائے اِس لیے کہ جتنے کام ہیں سب میں یا تو ہونا پایا جاتا ہے جیسے ہوجانا

اُٹھنا بیٹھنا آنا جانا وغیرہ یا کرنا جیسے کھانا پینا لکھنا پڑھنا وغیرہ یا سہنا جیسے پٹنا لٹنا مارا جانا وغیرہ مصدر کی علامت یہ ہے کہ اُسکے آخر میں ہمیشہ نا آتا ہے جیسے کہنا سننا چلنا پھرنا وغیرہ

مصدر کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اُس سے وہ الفاظ مصدر سے خارج ہو جاتے ہیں جنکے آخر میں نا تو ہے مگر وہ کسی کام یا حرکت کا بیان نہیں ہوتے جیسے گھرانا نانا پُرانا چونا سونا (بواؤ معروف بمعنی ویران) سونا (بواؤ مجہول بمعنی زر) تانا بانا وغیرہ

مصدر کی ایک بڑی شناخت یہ بھی ہے کہ علامت مصدر (نا) کے ساقط کرنے سے امر کا صیغہ رہ جاتا ہے جیسے کرنا سے کر۔ ہونا سے ہو۔ کھانا سے کھا۔ پینا سے پی۔ مگر گھرانا۔ پُرانا وغیرہ اسمائے مذکورہ سے نا گرا دیا جائے تو دیکھو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

اصلِ اشتقاق مصدر ہے یا امر۔ مصدر کا لفظ جو عربی ہے اور جس کے معنی ہیں جائے صدور اس امر کی دلیل ہے کہ علمائے عرب مصدر کو اشتقاق کی اصل مانتے ہیں یعنی جائے صدور افعال بعض اُدبائے اُردو کے کلام سے بھی تراوش ہوتا ہے کہ وہ مصدر ہی کو اصل اشتقاق خیال کرتے ہیں چنانچہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں

اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو　　دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو
مصدر ہی جب نہیں ہو تو مشتق کہاں سے ہو　　ایثار و بذل وجودِ محقق کہاں سے ہو

چوتھا مصرع بطور تمثیل واقع ہوا ہے۔ اور اِس سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک مصدر ہی محل اشتقاق ہے۔ ہرچند اس شعر میں صراحت نہیں کہ وہ کس زبان میں مصدر کو اصل اشتقاق جانتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ اُردو کے اہل زباں ہیں اور ہندوستانی ہی اُنکے مخاطب ہیں اِسلئے کون کہہ سکتا ہے کہ اُنھوں نے ہموطنوں کے خطاب میں زبان عرب کے مسئلے کو بطور تمثیل بیان کیا ہی۔ اہل فارس بھی مصدر ہی کو اصل اشتقاق مانتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امر بہ اعلیٰ ندا پکار رہا ہے کہ اصل اشتقاق میں ہوں کیونکہ مجھسے مضارع حال استقبال اسم فاعل اسم حالیہ متعدد صیغے مشتق ہوتے ہیں۔ کر امر ہے کرے مضارع کرتا ہی حال کریگا استقبال کرنیوالا اسم فاعل کرتا ہوا اسم حالیہ۔ دیکھو سب کے

شروع میں کرتا ہے۔ مگر جس طرح امر سے یہ صیغے بن جاتے ہیں اسی طرح مصدر سے علامت مصدر کے حذف کرنے سے یہ صیغے نکل آتے ہیں۔ اسلیے ہم بھی اُردو میں مصدر ہی کو اصل اشتقاق قرار دیتے ہیں

مصدر اصلی اور جعلی مصدر باعتبار وضع یعنی بناوٹ کے دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو خاص معنی مصدری کے لیئے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے لینا دینا آنا جانا دوڑنا بھاگنا وغیرہ ایسا مصدر مصدر اصلی کہلاتا ہے۔ دوسرے وہ جو الفاظ عربی یا فارسی وغیرہ پر (خواہ وہ مصدر ہوں یا اسم جامد یا حاصل مصدر) مصدر یا علامت مصدر زیادہ کرکے مصدر بنائیں جیسے شروع کرنا تشریف لانا روشن کرنا خوش ہونا آزمایش کرنا ایکٹ کرنا لکچر دینا قبولنا بدلنا بخشنا۔ محاورے میں کہتے ہیں وہ کسی طرح نہیں قبولتا۔ شعر

اُس سیم تن سے تو نہ عبث اے رقیب بحث ‌ ‌ ‌ اِس جنگ زرگری سے خبردار ہم بھی ہیں

ایسے مصدر مصدر جعلی کہلاتے ہیں۔

کبھی اُردو یا فارسی لفظ میں کسی قدر تغیر و تبدل یا کوئی حرف زیادہ کرکے نشان مصدر آخر میں لگاتے ہیں۔ جیسے ٹھوکر سے ٹھکرانا اُجلا سے اُجلانا لالچ سے للچانا ٹکے سے ٹکیانا جوتی سے جتیانا شرم سے شرمانا گھن سے گھنانا ساٹھ سے سٹھیانا[1] کفن سے کفنانا دفن سے دفنانا پتھر سے پتھرانا۔ چکر سے چکرانا ذوق

کس شہید ناز کو دیکھا ہے کفناتے ہوئے ‌ ‌ ‌ چاک آتا ہے نظر پیراہن صبح بہار

مقتول

ہمدموا تم کیوں مرے لاشے کو دفناتے نہیں ‌ ‌ ‌ وہ نہ آئینگے یوں ہی ہوگی مری مٹی خراب

ذوق

چکرا دیا غمزے نے ترے طوف حرم کو ‌ ‌ ‌ پتھرا دیا جلوے نے ترے چشم صنم کو

کبھی فارسی مصدر سے اُردو مصدر بناتے اور اس سے فعل مشتق کرتے ہیں جیسے لرزیدن سے لرزنا

[1] جب آدمی بڈھا ہو جاتا ہے اور حواس برجا نہیں رہتے تو کہتے ہیں کہ سٹھیا گیا ہے۔

نواختن سے نوازنا فرمودن سے فرمانا۔ بخشیدن سے بخشنا آزمودن سے آزمانا غالب

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

مولوی حالی امید کو مخاطب کرکے کہتے ہیں **شعر**

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے
تونگر بنایا گداؤں کو تو نے

کبھی اس طرح سے مصدر بنایا جاتا ہے کہ فارسی کے دو جزوی مصدر کے جزو اول کو قائم رکھکر جزو ثانی کا ترجمہ کر دیتے ہیں جیسے برآمدن سے برآنا فارسی

امید بستہ برآمدولے چہ فائدہ زانکہ
امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

اُردو

وہ بھی ہوگا کوئی امید برآئی جس کی
اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سی نکلے

مصدر مرکب۔ مصدر جعلی جو مصدر سے عربی یا فارسی یا انگریزی یا اُردو مصدر یا اسم جامد یا حاصل مصدر ترکیب دے کر بنائے جاتے ہیں (جن کی مثالیں اوپر گزر چکیں) انکو مصدر مرکب بھی کہتے ہیں محاورے میں کبھی کبھی دو مصدر استعمال کئے جاتے ہیں۔ خواہ اُن کے معنی باہم ملتے جلتے ہوں یا بالکل مختلف ہوں جیسے چلنا پھرنا دیکھنا بھالنا۔ رونا دھونا وغیرہ۔ ایسے مصادر میں دوسرا مصدر پہلے کا تابع کہلاتا ہے اور پہلا دوسرے کا متبوع (تابع و متبوع کا مفصل حال علم نحو میں لکھا جائے گا۔

مصدر کبھی دوسرے الفاظ کی ترکیب سے فعل حال کے معنے دیتا ہے جیسے۔ مومن

دوست کہتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

یعنی سب مجھی کو بُرا کہتے ہیں۔

کبھی مصدر سے صیغۂ مستقبل کے معنے لئے جاتے ہیں۔ **شعر**

ہمصفیرو! ہو مبارک تم کو گلشن کی بہار
پھر نہ ہم آئینگے اب کچھ اس طرح جانے کو ہیں

یعنی اب ایسے جائیں گے کہ پھر نہیں آئینگے۔ **شعر**

شکوہ حرفِ تلخ کا یا شور بختی کا گلہ ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

مولوی نذیر احمد صاحب لوگوں کے بگڑے ہوئے مذاقوں کے موافق نظم لکھنے کا ارادہ؎۱ ظاہر کرتے اور لکھتے ہیں ؎

نظم قومی کی تو کچھ ہوتی نہیں لوگوں میں قدر ہم بھی کوئی دن میں اک اندر سبھا کہنے کو ہیں
جب پڑھی جائیگی یاروں میں غزل تب دیکھنا جتنے مُنہ ہیں اُن میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں

مقامِ نفی میں کہتے ہیں "میں تو یہ کام نہیں کرنے کا"۔ آتش

زندگانی سے دِلِ محزوں عبث ہوتا ہی تنگ دیکھنے کا پھر نہیں عمرِ رواں کو خواب میں

مصحفی

آنے دو اُسے جسکے لیے چاک کیا ہے ناصح سے گریباں کو سِلانے کے نہیں ہم

اس صورت میں مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر کا واحد مذکر کے لیئے اور کے بیائے مجہول جمع مذکر کے لئے اور کی بیائے معروف واحد مؤنث کے سلئے اور کِیں بہ نون غنہ جمع مؤنث کے لئے بڑھاتے ہیں۔

فائدہ۔ کبھی مصدر بہ زیادت لفظ ہے بھی استقبال کے معنی دیتا ہے اُس وقت اُس کا فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیسے مرآۃ العروس میں ہے۔

"سلطانہ بولی بوا اصل تو لڑکی کا دیکھنا ہے خدا کے فضل سے ہمارے گھر میں خود کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہمکو بھاری جہیز دے کر کیا کرنا ہے"۔ پنجاب میں اکثر لوگ ایسے موقع پر کو کی جگہ نے استعمال کرتے ہیں جو صحیح نہیں اِس غلطی کی طرف ہم نے دیباچہ میں بھی اشارہ کیا ہے۔

؎۱ یہاں پر ایک بات یاد آئی ۱۸۹۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس پر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے ایک صغیر السن لڑکے کو جلسے میں پڑھنے کے ایک پانچ بند کا مسدس لکھدیا جس کا پہلا بند یہ ہے ؎

نا ظم کو دو نہ شاعرِ شیریں سخن کو دو بھوکے کے پیٹ کو نہ برہنہ کے تن کو دو
شہری کو اور نہ مردِ غریب الوطن کو دو نے طفل کو نہ پیر کو نے مرد و زن کو دو
کہتا ہے کون تم سے کہ تم ما و من کو دو
جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اِس انجمن کو دو

(باقی نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کبھی مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہے جیسے مثنوی میر حسن میں ؎

جہاں بیٹھنا پھر نہ اُٹھنا اُسے　　محبت میں دن رات گھٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بیوی چلو　　تو اُٹھنا اُسے کہہ کے "ہاں جی چلو"
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے　　تو کہنا "یہی ہے جو احوال ہے"

یعنی جہاں بیٹھتی تھی پھر نہ اُٹھتی تھی اور دن رات محبت میں پڑی گھٹتی تھی اگر کوئی کہتی تھی کہ بیوی چلیئے تو یہ کہہ کے اُٹھتی تھی کہ ہاں جی چلو۔ اور اگر کوئی حال پوچھتی تھی تو یہ کہتی تھی کہ جو حال ہے بس یہی ہے۔

تنبیہ - یاد رکھنا چاہیئے کہ جب مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہے تو اِس صورت میں بھی فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیساکہ ابیات مذکورہ سے ظاہر ہے۔

کبھی مصدر امر کا فائدہ دیتا ہے مگر اس کا حکم فوراً زمانۂ حال پر نہیں پڑتا جیسے شعر

کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں　　تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جاں نہ تھا

کبھی مصدر کے اول مت یا نہ لگاکر نہی کا کام لیتے ہیں جیسے "خبردار پھر ایسا مت کرنا" ناسخ

کوئی پروانہ جلیگا تو جلوں گا غم سے میں　　دوستو ہرگز نہ رکھنا تم سرِ مدفن چراغ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸ - لڑکے نے تو اُسی طرح پڑھا ہوگا جس طرح اُسکو لکھ دیا ہوگا مگر یا تو انجمن کے ممبروں نے یا کاتب رسالہ انجمن نے ٹیپ کے شعر میں "تم کو" میں "کو" کو شاید غلط سمجھ کر بجائے اسکے "نے" کردیا۔ چنانچہ رسالہ انجمن میں اسی طرح چھپا ہوا موجود ہے دوسرے سال جب مولوی صاحب انجمن کے سالانہ اجلاس پر تشریف لائے تو راقم کو بھی لاہور جانے اور مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا اتفاقاً مولوی صاحب نے مسدس مذکور اور اُسکے سبب تصنیف کا ذکر کیا اور اُسکا دوسرا بند بھی پڑھا

اس انجمن میں بیسیوں بچے یتیم ہیں　　دل جن کے درد بے پدری سے دو نیم ہیں
بیکس شکستہ حال ہیں زار و سقیم ہیں　　سیلی خور تماچۂ امید و بیم ہیں

ٹیپ کے مصرع کو دو تین دفعہ دوہرا کر پڑھا کہ ؎

کہتا ہے کون تم سے کہ تم مادمن کو دو
جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اس انجمن کو دو

تو میں نے کہا جناب اس شعر میں کسی نے اصلاح بھی دی ہے "جو کچھ کہ تم نے دینا ہے اس انجمن کو دو" یہ اصلاح سنکر مولوی صاحب بیساختہ ہنس پڑے۔

فائدہ - جب مصدر امر یا نہی کے معنے دیتا ہے تو فاعل کے ساتھ نے علامت فاعل نہیں آتی مت کہنا، تم نے کرنا یا تم نے مت کرنا - کہ اس طرح بولنا خلافِ محاورۂ اہلِ زبان ہے - جب مصدر کے ساتھ ایسا مؤنث لفظ واقع ہو جو اُس کا اور اُس کے مشتقات کا مفعول ہو سکے تو علامت مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے روٹی کھانی کتاب پڑھنی کوشش کرنی - بعض اوقات اس کو نہیں بدلتے اور روٹی کھانا اور کتاب پڑھنا اور کوشش کرنا وغیرہ بولتے ہیں - اور اہلِ لکھنؤ تو اس میں مطلق تصرف نہیں کرتے -

قابلیت کے معنوں میں بھی علامت مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے ہونی[1] - آن ہونی رباعی

دُنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی　　ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا　　جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

کبھی نا (علامت مصدر) حذف کر دیتے ہیں جیسے **شعر**

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ　　ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

مرزا غالب

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں　　ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

معنوں کی رُو سے مصدر کی دو قسمیں ہیں

لازم اور مُتعدّی - جس فعل کے وقوع میں آنے کے لیے کرنے والے کے سوا دوسرے

---

[1] مولوی علی حیدر صاحب لکھتے ہیں کہ یائے قابلیت فارسی میں البتہ ہوتی ہے جیسے کُشتنی و دیدنی و ناگفتنی وغیرہ اُردو میں ہرگز نہیں ہے یہ جو کہتے ہیں مجھے بات کرنی ہے یا شکوے کرتے ہیں یہ علامت تانیث و جمع کی ہے جسے اکثر فصحا ترک بھی کرتے ہیں اور یوں بولتے ہیں کہ مجھے بات کرنی[2] ہے یا شکوے کرنا ہیں کہتے ہیں یہ بات شدنی سمجھتا ہوں اس میں شدنی کے مقام پر ہونی پڑھیے تو خلاف محاورہ ہوگا یا کوئی کہے ہمارا عمر جانی سمجھو رفتنی کے معنی میں تو غلط ہوگا -

[2] اصل میں تو یوں ہی لکھا ہے مگر مولوی صاحب کا مقصود یہاں کرنا معلوم ہوتا ہے -

شخص یا چیز کا ہونا ضرور نہ ہو اُس کو فعل لازم کہتے ہیں اور جس مصدر سے ایسا فعل مشتق ہو اُسکو مصدر لازم جیسے اُٹھنا بیٹھنا اُچھلنا کودنا سونا جاگنا یہ سب کام تنہا ایک شخص کے کرنے سے پورے ہو سکتے ہیں اور جس کام کے پورا کرنے کو دوسرے شخص یا چیز کی بھی حاجت ہو اُسکو فعل متعدی کہتے ہیں اور جس مصدر سے فعل متعدی نکلے اُسکو مصدر متعدی جیسے پڑھنا لکھنا مارنا دینا پالنا یہ سب کام ایسے ہیں کہ جب تک پڑھنے والے لکھنے والے مارنے والے دینے والے پالنے والے کے سوا ایک اور چیز یا شخص نہ ہو، وقوع میں نہیں آسکتے یعنی پڑھنے کے لیے ضرور ہے کہ ایک پڑھنے والا ہو اور ایک وہ چیز جو پڑھی جائے۔ لکھنے کے لئے بھی لکھنے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضروری جو لکھی جائے۔ مارنے کے لیئے ایک تو مارنے والا چاہیئے ایک مار کھانیوالا کیونکہ جبتک مار کھانیوالا نہو گا مارنا وقوع میں نہیں آسکتا اسی طرح دینے کے لیئے دینے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضرور ہے جو دی جائے اور ایک ایسے شخص کا ہونا بھی ضرور ہے جسکو چیز دیجائے کیونکہ اگر چیز اور شخص دونوں نہوں تو دینے والا دیگا کیا اور دیگا کس کو؟

فاعل اور مفعول۔ جو شخص کام کو پورا کرتا ہے اُس کو فاعل کہتے ہیں اور کام کے پورا کرنے کے لیے فاعل کے سوا جس دوسرے شخص یا چیز کا ہونا ضرور ہوتا ہے وہ مفعول کہلاتا ہے جیسے زید کتاب پڑھتا ہے اس جملے میں پڑھنے والا (یعنی پڑھنے کے فعل کو پورا کرنے والا) زید ہے تو زید کو فاعل کہیں گے اور جو چیز پڑھی جاتی ہے یعنی کتاب وہ مفعول ہے۔

لازم اور متعدی کی مختصر طور پر اس طرح بھی تعریف کی جاتی ہے کہ جو فعل صرف فاعل کو چاہے وہ لازم ہے اور جو فاعل اور مفعول دونوں کو چاہے وہ متعدی۔

فعل متعدی کی ایک یہ بھی شناخت ہے کہ کلام میں ماضی مطلق کے فاعل کے بعد نے آتا ہے جیسے زید نے عمرو[1] کو مارا خالد نے بکر کو سبق پڑھایا۔ مگر لانا لیجانا بولنا مستثنیٰ ہیں سمجھنا اور پکارنا اور سیکھنا اور پڑھانا ایسے فعل ہیں کہ اُن کے فاعل کے ساتھ نے آتا بھی ہے اور نہیں بھی آتا جیسے۔ شعر

[1] عمرو اور عمر میں امتیاز کتابت کے لیئے عمرو میں واو زیادہ کر دیتے ہیں

تم نے یہ جانا گئے ہم تم کو بھول ہم نے یہ سمجھا کہ تم سمجھے غلط

اس شعر میں سمجھا اور سمجھے کے ساتھ نے کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کی مثالیں ہیں۔ مصرع یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

توبۃ النصوح میں ہے" یہ کہکر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری - کیوں بی میری آپا کہاں ہیں"

غالب

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے

مولوی نذیر احمد

واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل یاں یہ سبق کوئی متنفس پڑھا نہیں

فعل لازم کے فاعل کے ساتھ نے کبھی نہیں آتا جیسے حامد چلا محمود گیا احمد دوڑا بعض مصدر لازم بھی ہوتے ہیں اور متعدی بھی جیسے شرمانا حالی

زمین جس سے ہے زلزلے میں برابر ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ذکر بچپن کا جو فرماتے ہیں آپ اپنے احسانوں سے شرماتے ہیں آپ

بعض مصدر ایسے ہیں کہ ہیں تو لازم مگر بعض اوقات اُنکا مفعول بھی آجاتا ہے۔ جیسے آنا ذوق

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہائیں شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

اِس شعر میں نہیں آتا فعل منفی - رونا فاعل ہمیں مفعول ہے شعر

کیا ہنسی آتی ہے مجکو حضرتِ انسان پہ کار بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پہ

یہاں مجکو، آتی ہے کا مفعول ہے

فعل متعدی کے لیے جس طرح ایک مفعول کا ہونا ضروری ہے اسی طرح کبھی دو مفعولوں کا ہونا بھی ضرور ہے جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔

مصدر متعدی کی قسمیں

اُردو میں مصدر متعدی تین طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو اصل میں متعدی ہی وضع کیا گیا ہو

جیسے کھانا پینا لکھنا پڑھنا ایسے مصدر کو متعدی بنفسہ کہتے ہیں۔ دوسرے جو لازم سے متعدی بنایا ہو جیسے جلنا سے جلانا ڈرنا سے ڈرانا رونا سے رُلانا ایسے مصادر کا نام متعدی بلاواسطہ ہے۔ تیسرے جو متعدی سے متعدی المتعدی بنالیا ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ متعدی ایک مفعول کو چاہتا تھا۔ متعدی المتعدی بنانے سے دوسرے مفعول کو چاہنے لگا جیسے کھانا سے کھلانا پینا سے پلانا اس قسم کے مصدریں وقوع فعل کے لیئے کسی دوسرے شخص کا ذریعہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ متعدی ایک مفعول کو چاہتا ہو یا دو کو متعدی المتعدی بننے کی حالت میں وقوع فعل کے لیئے کسی اور شخص کا ذریعہ درمیان میں واقع ہو جیسے کرنا سے کرانا۔ کروانا لکھنا سے لکھانا لکھوانا اُٹھانا سے اُٹھوانا دینا سے دلانا دلوانا سینا سے سلانا سلوانا ان ہر دو اقسام مصدریں سے ہم مصدر قسم اوّل کو متعدی المتعدی کہتے ہیں اور مصدر قسم ثانی کو متعدی بالواسطہ۔

متعدی بنانے کے طریقے

مصدر لازم سے متعدی بنانے کا کوئی قاعدہ کُلیہ نہیں کبھی تو علامت مصدر کے پہلے الف زیادہ کر دیتے ہیں جیسے بڑھنا بڑھانا چلنا چلانا ہنسنا ہنسانا بسنا بسانا ہلنا ہلانا بننا بنانا تڑپنا تڑپانا چمکنا چمکانا اُڑنا اُڑانا ڈرنا ڈرانا لٹکنا لٹکانا کبھی دوسرے حرف کے بعد الف زیادہ کیا جاتا ہے جیسے اُچھلنا اُچھالنا اُکھڑنا اُکھاڑنا کبھی حرف اوّل کے بعد اُس کی حرکت کے موافق حرف علت زیادہ کیا جاتا ہے یعنی پہلے حرف پر اگر پیش ہو تو واؤ زیادہ کرتے ہیں یہ واؤ بعض مصادر میں مجہول ہوتا ہے بعض میں معروف جیسے رُکنا روکنا کُھلنا کھولنا پُجنا پوجنا لُٹنا لوٹنا اور اگر پہلا حرف مکسور ہو تو ے زیادہ کرتے ہیں یہ ے بعض مصادر میں مجہول ہوتی ہے اور بعض میں معروف جیسے بِھرنا پھیرنا پِنا پینا اور اگر پہلا حرف مفتوح ہو تو الف زیادہ کرتے ہیں جیسے مرنا مارنا ٹلنا ٹالنا پلنا پالنا بندھنا باندھنا کٹنا کاٹنا پھٹنا کے متعدی میں ٹ کو ڑ سے بھی بدلتے ہیں اور پھاڑنا کہتے ہیں کبھی ایک مصدر کو دو طرح متعدی بناتے ہیں جیسے دبنا دابنا دبانا کبھی مصدر مشترک المعنی

کو اختلاف معنی کے سبب مختلف طور پر متعدی بناتے ہیں جیسے گھلنا سے گھولنا (گھلانا) گھلانا۔ تحلیل کرنا) مصرع گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں حالی

کھپاتے ہیں کوشش میں تاب و تواں کو گھلاتے ہیں محنت میں جسم اور جاں کو

کبھی دوسرے حرف کے بعد یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں جیسے لپٹنا لپیٹنا سمٹنا سمیٹنا اُدھڑنا اُدھیڑنا بکھرنا بکھیرنا کبھی یائے معروف جیسے گھسٹنا گھسیٹنا کبھی دوسرے حرف کو واؤ مجہول سے بدل دیتے ہیں جیسے دھلنا دھونا کبھی علامت مصدر سے پہلے واؤ مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے چبھنا چبھونا۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ لازم کچھ ہیں متعدی کچھ جیسے رہنا رکھنا پڑنا ڈالنا ٹوٹنا توڑنا۔

بعض مصادر لازم سے متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی ایک ہی طرح بنائے جاتے ہیں یعنی اگر مصدر چار حرفی ہو اور دوسرا حرف حرف علت[1] ہو تو حرف علت کو ساقط کر کے اسکی جگہ لام اور الف (یعنی لا) زیادہ کر دیتے ہیں جیسے رونا رُلانا سونا سُلانا کھانا کھلانا پینا پلانا اور اگر پانچ حرفی ہو اور دوسرا حرف حرف علّت ہو تو اس کو گرا کر علامت مصدر سے پہلے الف زیادہ کیا جاتا ہے جیسے تیرنا ترانا[2] جاگنا جگانا بھاگنا بھگانا کودنا کُدانا ہارنا ہرانا چاٹنا چٹانا۔ بعض مصادر میں سے حرف علّت کو ساقط کر کے علامت مصدر سے پہلے الف یا لام الف (یعنی لا) بڑھاتے ہیں جیسے دیکھنا دکھانا دکھلانا بیٹھنا بٹھانا بٹھلانا سیکھنا سکھانا سکھلانا مگر دوسری طرح کے مصدر بیشتر نظم میں استعمال کئے جاتے ہیں کبھی مصدر لازم کے پہلے لفظ لے زیادہ کر کے متعدی بناتے ہیں جیسے بھاگنا لے بھاگنا چلنا لے چلنا جانا لے جانا اُڑنا لے اڑنا ڈوبنا لے ڈوبنا۔ کوئی غریق کہتا ہے۔ ع

ہم تو ڈوبے ہیں ولے تم کو بھی لے ڈوبینگے

---

[1] یہاں حرف علّت سے وہ حرف علّت مراد ہے جو علامت مصدر کے الف کے علاوہ ہو

[2] ترانے میں تائے مثناۃ فوقانیہ کو مکسور کر کے تِرانا بولتے ہیں

اب مصدر بالواسطہ کے بنانے کا طریق سُنو۔

اُردو میں مصدر بالواسطہ کی دو صورتیں ہیں۔ اِسلیئے اُس کے بنانے کے طریق بھی دو ہیں۔ ایک یہ کہ علامت مصدر سے پہلے صرف الف زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کرنا کرانا۔ دوسرے یہ کہ علامت مذکور سے پہلے واؤ اور الف (یعنی لفظ وا) زیادہ کیا جاتا ہے اور مصدر کا دوسرا حرف حرف علّت ہو تو گر جاتا ہے جیسے بھیجنا بھجوانا کھولن کھلوانا ڈالن ڈلوانا چھاپنا چھپوانا رُوکنا رُکوانا پیسنا پسوانا ہانکنا ہنکوانا پیٹنا پٹوانا اُٹھانا اُٹھوانا بچھانا بچھوانا مگر بیچنا کا متعدی بالواسطہ بچوانا نہیں آتا بکوانا آتا ہے یعنی ’چ‘ ’ک‘ سے بدل جاتی ہے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عموماً مصدر بالواسطہ کے لیئے علامتِ مصدر سے پہلے لفظ وا زیادہ کرتے ہیں۔ صرف زیادت الف کام نہیں دیتی جیسے بھیجنا ڈالن روکن پیٹنا وغیرہ سے بھجانا ڈلانا رکانا پٹانا نہیں آتا۔ بھجوانا ڈلوانا رکوانا پٹوانا آتا ہے اور اگر مصدر میں تیسرا حرف حرف علّت ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے جیسے کمانا کموانا بچوڑنا بچڑوانا اور چوتھا حرف حرف علّت ہو تو اُس کو بھی حذف کر دیتے ہیں جیسے پہچاننا پہچنوانا چوانا میں علامت مصدر سے پہلے کا وا اصلی ہے تعدیے کا نہیں حالی

ہو رہے تھے دو دمانِ علم و دولت جاں بلب ۔۔۔ تو نے اِک اِک کے چوایا حلق میں آب بقا

یہ بھی معلوم رہے کہ ہر مصدر لازم سے متعدی اور ہر متعدی سے متعدی المتعدی یا متعدی بالواسطہ نہیں آتا جیسے آنا[1] جانا للچانا گھبرانا لڑکھڑانا بلبلانا تلملانا پانا لینا وغیرہ یہ مصادر جیسے ہیں ہمیشہ ایسے ہی رہتے ہیں۔

اجزا کی کمی بیشی یعنی لفظ اور خواص کی رُو سے مصدر کی قسمیں

مجرد اور مزید فیہ

اُردو میں مصدر اجزائے الفاظ کی کمی بیشی اور خواص کی رُو سے دو قسم کا ہوتا ہے ایک

[1] بعض زبانوں میں آنا کا متعدی لانا آتا ہے مثلاً عربی میں جاءَ کے معنی ہیں آیا جاءَ بہ کے معنی ہیں اُسکو لایا صرف حرف ’بہ‘ نے فعل لازم کو متعدی کر دیا

وہ کہ اگر اُس میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مصدر کی صورت بدل جائے یعنی مصدر مصدر نہ رہے جیسے آنا جانا لکھنا پڑھنا اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ اس قسم کے مصدر کا نام ہم مجرّد رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ مصدر مجرد پر کچھ حروف زیادہ کر کے بنایا گیا ہو جیسے ہونا سے ہوچکنا ہولینا ہوجانا ہوتا رہنا ہوا کرنا۔ ایسے مصدر کو ہم مزید فیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اور مصادر وافعال کی بھی طرح طرح کی صورتیں ہیں اور پہلی اور دوسری اقسام کے مقامات استعمال بھی جدا جدا ہیں۔ مثلاً ہوچکا اور ہولیا یہ افعال اور جگہہ استعمال ہوتے ہیں ہوا اور جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ ہوا کو ہوچکا اور ہولیا کی جگہ استعمال کرنا کلام کو غلط اور خوبی کلام کو غارت کر دیتا ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔ **شعر**

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا   تم وقت پہ آپہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

اس شعر میں اگر ہو ہی چکا تھا کی جگہ ہوا تھا کہیں تو شعر میں جان نہیں رہتی۔

اُردو میں قسم دوم کے مصادر اور افعال کی نہایت خوش نما اور لطیف ترکیبیں ہیں جن سے کلام میں شگفتگی اور برجستگی پیدا ہوتی ہے ایسی صورتوں کے افعال میں علاوہ اس کے کہ اُن سے کلام میں زور اور لطافت و خوشنمائی پیدا ہو جداگانہ خواص بھی ہوتے ہیں مثلاً آیا میں (جو مصدر قسم اوّل کی ماضی ہے) مطلق آنا یعنی کام کا وقوع پایا جاتا ہے۔ آنے لگا میں (جو مصدر قسم دوم کی ماضی ہے) کام کا آغاز آچکا میں کام کا اختتام آیا کیا میں عادت و دوام آتا رہا میں استمرار آنے دیا میں اجازت واختیار۔ اشعار ذیل میں افعال مزید فیہ[1] دیکھو۔

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں   جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

دیکھ لے حالِ شمع و پروانہ   گھر جہنم ہے زن مُریدوں کو

---

[1] کوئی صاحب جو عربی پڑھے ہوئے ہوں یہ نہ کہیں کہ افعال کی صفت مزید فیہا چاہیے تھا ہم نے مزید فیہ عمداً لکھا ہے

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنا کی امیر
پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

روز روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر
شب کی شب گویا میں اس محفل میں مہماں رہ گیا

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو ہم نے لگالی ہے یہ علت کیسی

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہل دل دع ماکدر خذ ماصفا

جس کم سخن سے کیجئے تقریر بول اٹھے
ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

میرے نالوں سے نہیں خوشتر نوائے عندلیب
بندھ رہی ہے پر گلستاں میں ہوائے عندلیب

جس بات کی چاہو قسم اک مرتبہ لیلو
ہر بار تو قرآن اٹھایا نہیں جاتا

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

مسدّس حالی

رہِ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے
تعلی سے اپنی ہیں شرماتے جاتے

تفاخر سے ہیں اپنے بچپاتے جاتے　　سراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے

بزرگی کے دعوں سے پھرنے لگے ہیں

وہ خود اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے　　سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے　　تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا

تو اس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب　　نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آگیا جب

محبت سے دل انکا گرما گیا جب　　سماں اُن پہ توحید کا چھا گیا جب

سکھائے معیشت کے آداب اُن کو

پڑھائے تمدّن کے سب باب اُن کو

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ　　پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ

ہر اک سانچے میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ　　جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ

ہر اک وقت کا مقتضا جانتے ہیں

زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مصادر مزید فیہ اور اُن کے افعال کا عجب حال ہے۔ بعض مصادر ایسے دو مجرد مصدروں سے بنتے ہیں جن میں پہلا لازم ہوتا ہے دوسرا متعدی جیسے سونے دینا۔ اُٹھنے دینا بیٹھنے دینا۔ وغیرہ ان میں سونا اور اُٹھنا اور بیٹھنا لازم ہیں اور دینا متعدی

آتش

رات بھر کیں دلِ بیتاب نے باتیں مجھ سے　　رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

بعض افعال ایسے دو اجزا سے بنتے ہیں جن میں پہلا جز متعدی ہوتا ہے دوسرا لازم جیسے کرنا پڑا لینا پڑا دینا پڑا وغیرہ۔ اِن میں کرنا اور لینا اور دینا متعدی ہیں اور پڑا لازم **شعر**

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی — بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑیگا

کبھی دونوں اجزا لازم ہوتے ہیں جیسے مرگیا جل اُٹھا اور کبھی دونوں متعدی جیسے کرنے دیا

بعض افعال میں دو متضاد اجزا جمع ہو جاتے ہیں جیسے اُٹھ بیٹھ۔ آ جا۔

بعض میں ایک ہی فعل کی تکرار ہوتی ہے جیسے لے لے دے دے۔

نظم میں بعض اوقات افعال مزید فیہ کا ایک جز کہیں جا پڑتا ہے دوسرا کہیں جیسے **حالی**

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر لیے ہاتھ باندھ سب کے — جنھیں تھا یاں اختیار سب کچھ اُنھیں بھی بے اختیار دیکھا

ناسخ

قیس پیغام ہی کہتا ہوا اللہ رے شوق — ساتھ قاصد کے گیا تھا کئی منزل دوڑا

بعض افعال مزید فیہ ایسے ہیں کہ اُن کے مصادر مستعمل نہیں اور ان کے صیغے بھی معدودے چند ہیں جیسے کرنا پڑا کرنا پڑتا ہے کرنا پڑے گا۔ ان افعال کا مصدر (کرنا پڑنا) نہیں آتا نہ ان سے امر و نہی کے صیغے آتے ہیں اور نہ اسم فاعل و اسم مفعول وغیرہ مشتق ہوتے ہیں۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ اُن سے ہر قسم کے فعل نہیں آتے مثلاً آچکنا سے آچکا اور آچکے اور آچک تو آتا ہے لیکن مت آچک نہیں آتا۔

معلوم رہے کہ مصدر کے بیان سابق میں جو علامات اور قاعدے بیان کئے گئے ہیں وہ مصدر قسم اوّل سے متعلق ہیں۔ مصدر قسم ثانی کا حال دوسرا ہے اِس لئے ضرور نہیں کہ وہ علامات و قواعد اِن مصدر پر منطبق ہوں مثلاً مصدر لازم کی ایک یہ شناخت لکھی ہے کہ اُس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا جیسے وہ رو دیا لیکن رو دینا جو مصدر مزید فیہ ہے اُس کی ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے جیسے **شعر**

شبنم نے رو دیا[۱] کہ ہیں اشکِ چکیدہ ہوں　　　　گُل ہنس پڑا کہ میں بھی گریباں دریدہ ہوں

یا مثلاً مصدر متعدی کی ایک یہ علامت لکھی ہے کہ اس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ ہمیشہ "نے" آتا ہے لیکن مزید فیہ میں یہ ضرور نہیں کہ سب جگہ یہ علامت پائی جائے جیسے کرنا کی ماضی کیا میں فاعل کے بعد "نے" ضرور آئیگا اور دوسری قسم میں کر لیا کے بعد بھی۔ مگر کر بیٹھا اور کر چکا اور کر چلا کے فاعل کے ساتھ کبھی نہیں آتا۔

اب مشتقات مصدر کا حال سُنو۔

مشتقات

یاد رکھو کہ مشتقات جو بہت سے ہیں اور حروف و حرکات و سکنات کے تغیر و تبدُّل کی وجہ سے سب کی صورتیں جداگانہ ہیں صیغے کہلاتے ہیں۔ اور اشتقاقِ صیغ[۲] کو تصریف یا گردان کہتے ہیں۔

صیغہ لغت میں ڈھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح صرف میں حروف اور حرکات و سکنات کی تعداد اور ترتیب کے لحاظ سے لفظ کی جو صورت ہو اُس کا نام صیغہ ہے۔

فعل کا بیان

فعل کی تعریف تم پہلے سُن چکے ہو کہ جس کلمے میں منجملہ ازمنۂ ثلٰثہ کے ایک زمانہ پایا جائے وہ فعل ہے۔ فعل میں زمانے کے ساتھ کام کا وقوع بھی پایا جاتا ہے۔ صبح شام رات دن کل پرسوں میں بھی زمانہ پایا جاتا ہے مگر یہ فعل نہیں ہیں کیونکہ ان میں کام کا صدور نہیں پایا جاتا۔ وہ آتا ہے۔ میں جاتا ہوں۔ تم لاؤ گے، یہ فعل ہیں اس لیے

---

[۱] "نے" کبھی نہیں بھی آتا جیسے جگر

آج کل جس نے ذرا چھیڑا بس جیسے رو دیا　　　　غم کے ہاتھوں دل، ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا

[۲] صیغ صیغے کی جمع ہے

کہ اِن میں کام کا وقوع بھی ہے اور زمانہ بھی ہے مگر مت سمجھنا کہ ہر فعل میں کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جانا ضرور ہے بلکہ کام کا عدم ثبوت یعنی نہونا پایا جائے تو وہ بھی فعل ہے جیسے میں نے سبق پڑھا۔ اِس سے سبق کا پڑھنا یعنی ایک کام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اس نے سبق نہ پڑھا اس سے نہ پڑھنا یعنی ایک کام کا نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے تو پڑھا اور نہ پڑھا دونوں ہی فعل ہیں۔

فعل کی قسمیں

فعل کی چھ قسمیں ہیں۔ ماضی[۱]۔ مضارع[۲]۔ حال[۳]۔ مستقبل[۴]۔ امر[۵]۔ نہی[۶]

ماضی کی تعریف اور اُسکی قسمیں

(۱) **ماضی مطلق** ماضی جس سے گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔ چونکہ کائنات کی پیدائش سے اِس وقت تک تمام زمانہ گزرا ہوا ہے اور اس میں قرب و بعد پایا جاتا ہے یعنی تھوڑی دیر کا گزرا ہوا ہے یا بہت مدت کا اس لیے اگر ماضی میں زمانے کے قرب و بعد کا لحاظ نہ ہو اور مطلق گزرنا سمجھا جائے تو اُس کو ماضی مطلق کہتے ہیں جیسے آیا گیا **شعر**

کسی کو ہم نے یاں اپنا نہ پایا جسے پایا اُسے بیگانہ پایا

(۲) **ماضی قریب** اور اگر پاس کا گزرا ہوا زمانہ مفہوم ہو تو ماضی قریب جیسے زید آیا ہے **شعر**

پھونکا ہے فصل گل نے صور آکے پھر چمن میں اِک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں

(۳) **ماضی بعید** اگر مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے تو ماضی بعید جیسے آیا تھا۔ **غالب**

ہائے دیاں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا لیگیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

اِن تین قسموں کے علاوہ ماضی کی تین قسمیں اور ہیں۔

(۴) **ماضی استمراری یا ماضی ناتمام** ایک ماضی استمراری (جسکو ماضی ناتمام بھی کہتے ہیں) اِس سے زمانۂ گزشتہ میں فعل کی تکرار یا عدم انقطاع یعنی پورا نہ ہونا پایا جاتا ہے

جیسے کرتا تھا۔ حقیقت میں ماضی استمراری اور ناتمام معنوں کے لحاظ سے دو جدا جدا قسمیں ہیں مگر چونکہ دونوں کا صیغہ ایک ہے اِسلیئے دونوں کی ایک ہی قسم قرار دی جاتی ہے لیکن اِس بات کا خیال رکھنا کہ جس ماضی میں فعل کی تکرار سمجھی جائے اُس کو ماضی استمراری کہنا اور جس سے فعل کا پورا نہ ہونا سمجھا جائے اُس کو ناتمام۔ جیسے حامد ہر روز محمود سے ملتا تھا۔ اِس فقرے میں فعل کی تکرار سمجھی جاتی ہے یعنی ہر روز ملا کرتا تھا۔ اس لیے ملتا تھا کو ماضی استمراری کہنا چاہیئے۔ مومن

پاتے تھے چین کب غم دُوری سے گھر میں ہم　　　راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اِس شعر میں پاتے تھے ماضی ناتمام ہے۔ کیونکہ اِس میں فعل کا پورا نہ ہونا پایا جاتا ہے۔

(۵) **ماضی احتمالی یا شکی** دوسری ماضی احتمالی یا شکی جس میں فعل کے واقع ہو چکنے یا نہ ہو چکنے کا شک و احتمال ہو جیسے زید آیا ہوگا۔ اِس جملے میں زید کے آنے میں شک پایا جاتا ہے۔ خالد نہیں گیا ہوگا۔ اِس جملے میں خالد کے نہ جانے میں شک پایا جاتا ہے۔

(۶) **ماضی شرطی یا تمنائی** تیسری ماضی شرطی یا تمنائی جس میں شرط یا آرزو پائی جائے جیسے اگر آتا۔ کاش آتا۔ **ناسخ**

ہے یقیں زہر ہلاہل مجکو دیتے آشنا　　　گر میں حال نزع میں بھی جام شربت مانگتا

ہمارے زمانے کے شاعر نامور خواجہ حالی ہضماللنفس[۱] اپنے تئیں ہیچ قرار دیتے اور اپنے جیسے چند اور شاعروں کے ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ **شعر**

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہو　　　کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

مضارع ایک ایسا فعل ہے جو حال اور استقبال دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے جیسے آپ اجازت دیں تو میں حاضر ہوں۔ یعنی میرا حاضر ہونا آپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر اب اجازت دیں تو اب آؤں اور اگر کل تو کل اور اگر پرسوں تو پرسوں شیخ امام بخش ناسخ کہتے ہیں۔ **شعر**

گبر نفرت گر سے آگاہ اگر حال سے ہو　　　شرم آتی ہے جو کہتے ہیں مسلماں مجھکو

---

[۱] بطور کسر نفسی۔ فروتنی سے

یعنی اگر اب حال سے واقف ہو تو اب نفرت کرے اور اگر اب سے بعد ہو تو اُسوقت

فعل حال میں صرف بالفعل کا یعنی گزرتا ہوا زمانہ پایا جاتا ہے جیسے زید میں تمکو نصیحت کرتا ہوں یعنی اب نصیحت کرتا ہوں۔

فعل مستقبل سے صرف زمان آیندہ سمجھا جاتا ہے جیسے آئیگا **شعر**

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائینگے

فعل امر میں حکم یا فرمائش ہوتی ہے جیسے حامد یہاں آؤ **شعر**

کر دکچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہی

فعل نہی میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے جیسے نہ کرو۔ مت جاؤ **انشا**

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھے ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

اِن سب اقسام فعل کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے یہ شجرہ دیکھو۔

معروف و مجہول

فعل اپنے فاعل کے لحاظ سے بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ معروف[1]۔ مجہول[2] جس فعل کا فاعل مذکور و معلوم ہو۔ اُس کو معروف کہتے ہیں اور جس کا فاعل معلوم نہ ہو اُس کو مجہول۔ فعل مجہول ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے جس کو مفعول مالم یسم فاعلہٗ بھی کہتے ہیں۔ فعل معروف کی مثال شعر

ایک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

اِس شعر میں بسر کرتے ہیں کا فاعل "سب" یعنی سب لوگ معلوم ہے تو بسر کرتے ہیں فعل معروف ہے۔ فعل مجہول کی مثال شعر

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا اِک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

اِس شعر میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سالک کو جام پلانے والا اور سرِ راہ چراغ جلانیوالا کون شخص ہوتا۔ صرف پلائے جانے اور جلائے جانے کا ذکر ہے۔ پس پلایا جاتا اور جلایا جاتا فعل مجہول ہیں اور جام اور چراغ اُن کے مفعول مالم یسم فاعلہ۔

مثبت و منفی

اثبات اور نفی کے لحاظ سے بھی فعل کی دو قسمیں ہیں یعنی فعل میں یا تو کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جاتا ہے یا عدم ثبوت یعنی نہ ہونا۔ پہلی صورت میں فعل کو مثبت کہتے ہیں دوسری میں منفی جیسے میں نے سبق پڑھا۔ یہ فعل مثبت ہے "احمد نے کھانا نہیں کھایا" یہ منفی ہے۔ لیکن جب کسی کو کام کے نہ کرنے کے لیئے کہیں یعنی منع کریں تو اس صورت میں فعل کو نہی کہتے ہیں جیسے شعر

---

[1] معروف کے لغوی معنی ہیں جانا پہچانا ہوا۔ چونکہ فعل معروف میں فاعل معلوم ہوتا ہے اس لیے اسکو معروف یعنی معروف الفاعل کہتے ہیں۔

[2] مجہول لغت میں اُس کو کہتے ہیں جو معلوم نہ ہو۔ چونکہ فعل مجہول میں فاعل معلوم نہیں ہوتا اس لیے اُس کو مجہول یعنی مجہول الفاعل کہتے ہیں۔

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو　　　تجکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ فعل کی چھیوں قسموں میں جس میں ماضی کی اقسام شش گانہ ملا کر گیارہ ہوتی ہیں کتنے کتنے صیغے ہوتے ہیں۔ سو صیغوں کا شمار فاعل کی حالت کے

اُردو میں صیغوں کی تعداد

شمار پر منحصر ہے اور وہ تین حالتیں ہیں۔

ایک حالت تذکیر و تانیث ہے یعنی فاعل فعل دو حال سے خالی نہیں مرد اور نر ہی تو مذکر

تذکیر و تانیث فاعل

ہے عورت اور مادہ ہے تو مونث۔ مرد کو کہتے ہیں لایا۔ عورت کو لائی مرد کو بھیجا گیا۔ عورت کو بھیجی گئی۔

وحدت وجمعیت فاعل

دوسری حالت وحدت و جمع ہے یعنی فاعل ایک ہے یا ایک سے زیادہ۔ ایک ہو تو اس کو واحد کہتے ہیں ایک سے زیادہ ہو تو جمع جیسے وہ لایا وہ لائے۔ عربی میں واحد اور جمع کے علاوہ دو کے واسطے تثنیہ کا صیغہ بھی ہوتا ہے لیکن فارسی اور اردو میں ایک سے زیادہ داخل جمع ہیں۔

غائب۔ حاضر۔ متکلم

تیسری حالت اُس کے غائب یا حاضر یا متکلم ہونے کی ہے یعنی فاعل تین حال سے خالی نہیں یا تو خود بات کرنے والا ہوتا ہے اُسکو متکلم کہتے ہیں جیسے میں کرتا ہوں یا وہ ہوتا ہے جس سے خطاب کریں اُس کو حاضر کہتے ہیں اور مخاطب بھی جیسے تم لاتے ہو۔ تیسرا جو نہ متکلم ہو اور نہ مخاطب بلکہ مخاطب سے اُس کا ذکر کیا جائے اُس کو غائب کہتے ہیں جیسے زید لایا یہاں زید نہ متکلم ہے نہ مخاطب بلکہ غائب ہے۔

قیاس اس امر کا مقتضی تھا کہ فاعل کی ان حالتوں کے لحاظ سے گیارہ افعال مذکورۂ بالا کے بارہ بارہ صیغے ہوتے۔ واحد مذکّر غائب۔ جمع مذکّر غائب۔ واحد مونث غائب۔ جمع مونث غائب۔ واحد مذکّر حاضر۔ جمع مذکّر حاضر۔ واحد مونث حاضر۔ جمع مونث حاضر۔ واحد مذکر متکلم۔ جمع مذکّر متکلم۔ واحد مونث متکلم۔ جمع مونث متکلم۔ اس حساب سے کُل صیغے ایکسو بتیس [۱۳۲] ہوتے تھے۔ یعنی بہتر صیغے ماضی کی چھیوں قسموں کے اور ساٹھ صیغے مضارع اور حال اور مستقبل اور امر اور نہی کے۔

مگر امر و نہی میں متکلّم کے صیغے بالکل نہیں آتے۔ اِس لیے کہ متکلم اپنے اوپر آپ کیا حکم کریگا یا اپنے آپ کو کیا منع کریگا۔ تو چار صیغے امر میں سے اور چار نہی میں سے کم ہو کر ایکسو چوبیس ۱۲۴ صیغے رہ گئے یہ ایکسو چوبیس صیغے فعل لازم میں آتے ہیں۔ فعل متعدی میں اس کا دوچند یعنی دوسو اڑتالیس ۲۴۸ آنے چاہئیں۔ اِس لیے کہ فعل متعدی میں جب مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے تو صیغے کی صورت بدل جاتی ہے مثلاً لایا ماضی مطلق معروف کا صیغہ ہے تو لایا گیا مجہول کا پس فعل متعدی میں معروف و مجہول کے اعتبار سے صیغوں کی تعداد دُگنی ہونی چاہیے لیکن مجہول میں امر حاضر اور نہی حاضر کے پورے صیغے نہیں آتے۔ صرف چار چار صیغے غائب کے آتے ہیں۔ اِس لیے امر حاضر مجہول اور نہی حاضر مجہول کے آٹھ صیغے کم ہو کر کُل دوسو چالیس ۲۴۰ صیغے رہے۔ یعنی ایک سو چوبیس ۱۲۴ معروف کے اور ایک سو سولہ ۱۱۶ مجہول کے فعل منفی میں معروف ہو یا مجہول صرف ایک سو اٹھ ۱۰۸ آٹھ صیغے آتے ہیں۔ کیونکہ اس میں امر و نہی کے صیغے نہیں آتے۔

فائدہ جس طرح عموماً صیغوں کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع فاعل کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی فعل اِس لیئے مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہوتا ہے کہ فاعل مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہوتا ہے جیسے زید لایا، حمیدہ بولی، مرد دوڑے، عورتیں ہنسیں یا جیسے بادل گرجا، بجلی چمکی، اولے پڑے، بوندیں برسیں، اِسی طرح افعال متعدی کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہے یعنی متعدی بیک مفعول میں بہ لحاظ پہلے مفعول کے اور متعدی بدو مفعول میں باعتبار دوسرے مفعول کے جیسے کھانا کھایا، روٹی کھائی، کھانے کھائے۔ روٹیاں کھائیں، پانی پلایا، روپیہ دلوایا، روٹی کھلائی، روپے دلوائے، کتاب پڑھائی، کتابیں پڑھائیں اشرفی دلوائی، اشرفیاں دلوائیں۔ لیکن جب علامت مفعول (کو) مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد اور مذکر آتا ہے جیسے گھوڑے کو دیکھا، گھوڑوں کو دیکھا، گھوڑی کو دیکھا، گھوڑیوں کو دیکھا۔ [۱]
مگر یاد رکھو کہ ایسے افعال میں ہرچند صیغے کی صورت بہ لحاظ تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت

---

[۱] یہ فائدہ علم نحو سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ صرف سے جو اس کا تعلق ہے وہ زیادہ تر گردانوں سے معلوم ہوگا

مفعول بدل جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اُن میں فاعل مذکور ہوتا ہے۔ اِس لیے جب صیغے کو واحد یا جمع یا مذکر یا مؤنث کہیں گے تو باعتبارِ فاعل کہیں گے مثلاً اُس نے کتابیں پڑھیں۔ یہاں پڑھیں واحد مذکر غائب کا صیغہ بھی ہے اور واحد مؤنث غائب کا بھی۔ کیونکہ اس نے مرد کو بھی کہہ سکتے ہیں عورت کو بھی۔ اِسی طرح تم نے گھوڑے دیکھے جمع مذکر حاضر کا صیغہ بھی ہے اور جمع مؤنث حاضر کا بھی۔

یہ بھی معلوم رہے کہ جن افعال متعدی میں تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہے ان کے متعدی المتعدی اور متعدی بالواسطہ میں دوسرے مفعول کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جیسے میں نے خالد کو پانی پلوایا۔ حامد نے محمود کو روپے دلوائے۔ زید نے عمرو کو کتاب پڑھائی۔ احمد نے نصیر کو اشرفیاں دلوائیں۔

ماضی مطلق

جس میں بلالحاظ قرب و بعد مطلق زمانے کا گزرنا پایا جائے۔

قاعدہ۔ صیغہ ماضی مطلق مصدر سے بنتا ہے اِس طرح سے کہ علامتِ مصدر (نا) گرا کر اگر الف یا واو رہے تو لفظ یا (بیائے مثناۃِ تحتانی والف) زیادہ کرتے ہیں ورنہ صرف الف جیسے آیا لایا کھایا آنا لانا کھانا سے رویا دھویا کھویا رونا دھونا کھونا سے۔ اُٹھا بیٹھا لیٹا۔ اُٹھنا بیٹھنا لیٹنا سے۔ لیکن تین چار صیغے خلاف قاعدہ بنائے گئے ہیں جیسے کرنا سے کیا، ہونا سے ہوا۔ چھونے سے چھوا۔ مرنا سے مُوا[1] اگرچہ قاعدے کے مطابق مرا بھی آتا ہے ہوا اور چھوا اور مُوا میں واو کے ساتھ بولنے میں ہمزے کی آواز شامل کر دیتے ہیں۔

ماضی بنانے کا قاعدہ جو بیان کیا گیا ہے صرف واحد مذکر کے لیے ہے۔ دوسرے صیغے صیغہ واحد مذکر میں کسی قدر تصرف کرنے سے بنائے جاتے ہیں۔ جمع مذکر اور

---

[1] شعر

مُوا نہیں ہے مرے صیت شعر کو سن کر
زمیں میں شرم سے اب گڑ گیا ہے خاقانی

جمع مؤنث متکلم[1] کے لیے دوسری صورت میں یعنی اگر واحد مذکر میں الف زیادہ کیا گیا ہو تو الف کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں جیسے اُٹھا بیٹھا لیٹا سے اُٹھے بیٹھے لیٹے اور واحد مؤنث کے لیئے الف کو یائے معروف سے بدلتے ہیں جیسے اُٹھی بیٹھی لیٹی۔ لیکن اگر الف سے پہلے ی ہو تو صرف الف کو گرا دینے سے واحد مؤنث کا صیغہ بن جاتا ہے جیسے کی[2] لی دی کیا لیا دیا سے اور جمع مؤنث غائب وحاضر کے لیئے واحد مؤنث کے آخر میں نون غنہ بڑھا دیتے ہیں جیسے اُٹھیں بیٹھیں۔ اور اگر واحد مذکر میں لفظ یا زیادہ کیا گیا ہو تو جمع مذکر اور جمع مونث متکلم کے لیے یا کو ئے (یعنی ہمزے اور یائے مجہول) سے بدلتے ہیں۔ جیسے روئے اور واحد مؤنث میں یا کو ئی (یعنی ہمزے اور یائے معروف) سے بدلتے ہیں جیسے آئی، لائی۔ اور جمع مؤنث غائب وحاضر کے لیے واحد مؤنث میں نون غنہ بڑھاتے ہیں جیسے آئیں لائیں۔

اور اگر ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آئے تو کسی صیغے میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا جاتا۔

ذیل کے نقشے میں تینوں قسم کی گردانیں دیکھو۔ ایک چوتھی گردان اُن صیغوں کی ہے جن کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے لیکن فاعل کی تذکیر و تانیث یا وحدت و جمع کے اعتبار سے اُن کو مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ فعل خواہ فاعل کے اعتبار سے مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہو خواہ مفعول کے لحاظ سے دونوں کے بنانے کا قاعدہ ایک ہی ہے۔

---

[1] اس کتاب میں یہ بات دیگر تمام کتب قواعد کے خلاف نظر آئیگی کہ افعال ماضی و حال و مستقبل میں صیغہائے جمع مؤنث متکلم کے بنانے کے وہی قاعدے لکھے گئے ہیں جو جمع مذکر متکلم کے بنانے کے ہیں اور ایسا کرنا اس لیے ضرور سمجھا گیا کہ ان صیغوں میں امتیاز خلاف محاورہ اہل دہلی و لکھنؤ ہے دلّی اور لکھنؤ میں جس طرح مرد ہم آئے ہم آتے ہیں ہم آئیں گے بولتے ہیں اسی طرح عورتیں بولتی ہیں۔

[2] اکثر لوگ خصوصاً کچہری کے منشی بجائے کی کری بولتے اور لکھتے ہیں جیسے درخواست کری اور غلطی کری یہ صحیح نہیں

گردانیں

فعل / صیغہ	ماضی مطلق مثبت معروف	ایضاً	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لایا	وہ بیٹھا	اُس نے کہا	اُس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر غائب	وہ لائے	وہ بیٹھے	اُنھوں نے کہا	اُنھوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مونث غائب	وہ لائی	وہ بیٹھی	اُس نے کہا	اُس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مونث غائب	وہ لائیں	وہ بیٹھیں	اُنھوں نے کہا	اُنھوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مذکر حاضر	تو لایا	تو بیٹھا	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر حاضر	تم لائے	تم بیٹھے	تو نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مونث حاضر	تو لائی	تو بیٹھی	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مونث حاضر	تم لائیں	تم بیٹھیں	تم نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مذکر متکلم	میں لایا	میں بیٹھا	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مؤنث متکلم	میں لائی	میں بیٹھی	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مونث متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں

مصدر متعدی المتعدی یا متعدی بالواسطہ کی ماضی مطلق بنانے کے لیے علامت مصدر حذف کر کے لفظ یا لگاتے ہیں جیسے کرایا لکھایا دلایا اُٹھوایا ڈلوایا بچھوایا وغیرہ اور باقی صیغوں میں اُسی طرح تصرف کیا جاتا ہے جس طرح ماضی لازم یا متعدی بنفسہٖ یا بلا واسطہ میں جس میں لفظ یا زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کھلایا کھلوایا وغیرہ۔

بعض مقامات میں ماضی مطلق فعل مستقبل کا کام دیتی ہے جیسے حالی

رہرو تشنہ لب نہ گھبرانا　　　اب لیا چشمۂ بقا تو نے

شعر

دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا　　　اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

کبھی ماضی مصدر کے معنے دیتی ہے. ناسخ

انتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں　　　ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے

یعنی بستر کو جھاڑنا چاہیے۔

کبھی اسم مفعول کے معنی دیتی ہے جیسے اُس کا کیا اس کے آگے آیا. حامد پڑھا لکھا آدمی ہے۔

شعر

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج　　　حالی اپنا کہا سُنا تو نے

کبھی مکرر ہو کر بھی اسم کا کام دیتی ہے جیسے وہ صبح کا بیٹھا بیٹھا شام کو اُٹھا.

کبھی ماضی بعید کی جگہ مستعمل ہوتی ہے مدوجزر اسلام

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا　　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

کبھی حال کے موقع پر استعمال کرتے ہیں ناسخ

خانۂ عاریتی میں جو درم بھرتے ہیں　　　عقل سے مجھ کو نظر آئے وہ انسان خالی

یعنی ایسے لوگ مجھ کو عقل سے خالی نظر آتے ہیں۔

کبھی مکرر لا کر اور بیچ میں کا یا کے یا کی زیادہ کر کے اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنے

Sh Jaiz ahmad Zahid Batalvi

لیتے ہیں (اسم فاعل کی مثال) بیت

یہ بوسیدہ محراب گرا کا گرا ہے
ستوں مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

(اسم مفعول کی مثال) بیت

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی
کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی

کبھی دعا کے موقع پر ماضی کے آخر لفظ ہو زیادہ کیا جاتا ہے جیسے " خدا اگر وہ تندرست ہو گیا ہو۔

ماضی قریب

جس سے تھوڑی مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

قاعدہ۔ اِس کے صیغے ماضی مطلق سے بنتے ہیں۔ اس طرح سے کہ واحد غائب اور واحد حاضر پر لفظ ہے اور واحد متکلم پر ہوں بواو معروف اور جمع غائب اور جمع متکلم پر ہیں اور جمع حاضر پر ہو بواو مجہول زیادہ کیا جاتا ہے جمع مؤنث غائب اور حاضر کے صیغوں میں فعل ماضی مطلق کا صیغہ بدستور واحد ہی رہتا ہے۔ یعنی جس طرح ماضی مطلق میں جمع مؤنث غائب اور حاضر بنانے کے لیئے واحد مؤنث پر نون غنّہ زیادہ کیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں ماضی مطلق پر یہ زیادتی نہیں کی جاتی جیسے لائی ہیں، لائی ہو۔ اور جن صیغوں سے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے اُن سے ماضی قریب بنانے میں سب صیغوں میں صرف لفظ ہے زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کیا ہے اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث سے بدلتی ہے اُن میں اگر مفعول واحد ہے تو صیغے میں ہے زیادہ کرو اور جمع میں ہے تو ہیں۔ گردانیں دیکھو۔

گردانیں

فعل / صیغہ	ماضی قریب مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہے یا لایا ہے	اُس نے کہا ہے	اُس نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں -
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہیں یا لائے ہیں	اُنھوں نے کہا ہے	اُنھوں نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئی ہے یا لائی ہے	اُس نے کہا ہے	اُس نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث غائب	وہ آئی ہیں یا لائی ہیں	اُنھوں نے کہا ہے	اُنھوں نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہے یا لایا ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یا لائے ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث حاضر	تو آئی ہے یا لائی ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے - کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث حاضر	تم آئی ہو یا لائی ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یا لایا ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہیں یا لائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث متکلم	میں آئی ہوں یا لائی ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے ہیں یا لائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے کھانے کھائے ہیں - کتاب پڑھی ہے - کتابیں پڑھی ہیں

قدما جمع مؤنث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے جیسے تاباں

سُن فصل گُل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں

کیا بُلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

کبھی ماضی قریب ماضی بعید کے معنے دیتی ہے جیسے "داناؤں نے کہا ہے"۔

ماضی بعید

جس سے مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

قاعدہ۔ بنانے کا یہ ہے کہ ماضی مطلق کے صیغۂ واحد مذکر پر لفظ تھا اور جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم پر تھے اور واحد مؤنث غائب و حاضر پر صیغۂ واحد کے لیئے تھی اور صیغہ جمع کے لیے تھیں زیادہ کرتے ہیں یعنی صیغہ ماضی مطلق جمع مؤنث غائب و حاضر میں واحد مؤنث کی طرح واحد ہی رہتا ہے اور جن صیغہائے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے اُن پر لفظ تھا بڑھاتے ہیں۔ اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے اُن میں اگر مفعول واحد مذکر ہے تو صیغے میں تھا زیادہ کرتے ہیں جمع مذکر ہے تو تھے واحد مؤنث ہے تو تھی جمع مؤنث ہے تو تھیں۔

گردانیں

فعل / صیغہ	ماضی بعید مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا تھا۔ لایا تھا	اُس نے کہا تھا	اُس نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مذکر غائب	وہ آئے تھے۔ لائے تھے	اُنھوں نے کہا تھا	اُنھوں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
واحد مونث غائب	وہ آئی تھی۔ لائی تھی	اُس نے کہا تھا	اُس نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مونث غائب	وہ آئی تھیں۔ لائی تھیں	اُنھوں نے کہا تھا	اُنھوں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
واحد مذکر حاضر	تو آیا تھا۔ لایا تھا	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مذکر حاضر	تم آئے تھے۔ لائے تھے	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
واحد مونث حاضر	تو آئی تھی۔ لائی تھی	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مونث حاضر	تم آئی تھیں۔ لائی تھیں	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
واحد مذکر متکلم	میں آیا تھا۔ لایا تھا	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے تھے۔ لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
واحد مونث متکلم	میں آئی تھی۔ لائی تھی	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں
جمع مونث متکلم	ہم آئے تھے۔ لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھی تھیں

کہنے کو تو یہ ماضی بعید ہی مگر بعض اوقات اس میں نہایت قریب کا زمانہ پایا جاتا ہے مثلاً "احمد ابھی ابھی یہاں آیا تھا" "میں نے ابھی میز پر کتاب رکھی تھی"

ماضی استمراری یا ناتمام

جس سے زمانہ گزشتہ میں کام کی تکرار یا اس کا پورا نہ ہونا سمجھا جائے۔

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استمراری اور ناتمام حقیقت میں ماضی کی دو جدا جدا قسمیں ہیں۔ اگر گزرے ہوئے زمانے میں کام کی تکرار سمجھی جائے تو استمراری ہی اور اگر کام کا پورا نہ ہونا پایا جائے تو ناتمام۔

یہ ماضی ماضیِ مطلق سے نہیں بنتی بلکہ مصدر سے تا (علامتِ مصدر) گرا کر لفظ "تا تھا" زیادہ کرتے ہیں اور جس طرح ماضی مطلق کے واحد مذکر کا الف جمع مذکر میں اور جمع مؤنث متکلم میں یائے مجہول سے اور واحد مؤنث میں یائے معروف سے اور جمع مؤنث غائب و حاضر میں یائے معروف اور نون غنہ سے بدل جاتا ہی اسی طرح "تا تھا" کے الف بدل جاتے ہیں لیکن جمع مؤنث غائب و حاضر میں تا کا الف صرف یائے معروف سے اور تھا کا الف یائے معروف اور نون غنہ سے بدلتا ہی۔

اس ماضی میں مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے صیغے کی صورت نہیں بدلتی۔ یعنی مفعول مذکر ہو یا مؤنث واحد ہو یا جمع سب کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہی جیسے وہ کھانا کھاتا تھا۔ وہ کھانے کھاتا تھا۔ وہ کتاب پڑھتا تھا۔ وہ کتابیں پڑھتا تھا۔

گردان

فعل / صیغہ	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لاتا تھا	وہ کہتا تھا	وہ کھانا کھاتا تھا- کھانے کھاتا تھا- کتاب پڑھتا تھا- کتابیں پڑھتا تھا-
جمع مذکر غائب	وہ لاتے تھے	وہ کہتے تھے	وہ کھانا کھاتے تھے- کھانے کھاتے تھے- کتاب پڑھتے تھے- کتابیں پڑھتے تھے-
واحد مؤنث غائب	وہ لاتی تھی	وہ کہتی تھی	وہ کھانا کھاتی تھی- کھانے کھاتی تھی- کتاب پڑھتی تھی- کتابیں پڑھتی تھی
جمع مؤنث غائب	وہ لاتی تھیں	وہ کہتی تھیں	وہ کھانا کھاتی تھیں- کھانے کھاتی تھیں- کتاب پڑھتی تھیں- کتابیں پڑھتی تھیں-
واحد مذکر حاضر	تو لاتا تھا	تو کہتا تھا	تو کھانا کھاتا تھا- کھانے کھاتا تھا- کتاب پڑھتا تھا- کتابیں پڑھتا تھا-
جمع مذکر حاضر	تم لاتے تھے	تم کہتے تھے	تم کھانا کھاتے تھے- کھانے کھاتے تھے کتاب پڑھتے تھے- کتابیں پڑھتے تھے-
واحد مؤنث حاضر	تو لاتی تھی	تو کہتی تھی	تو کھانا کھاتی تھی- کھانے کھاتی تھی- کتاب پڑھتی تھی- کتابیں پڑھتی تھی-
جمع مؤنث حاضر	تم لاتی تھیں	تم کہتی تھیں	تم کھانا کھاتی تھیں- کھانے کھاتی تھیں- کتاب پڑھتی تھیں- کتابیں پڑھتی تھیں-
واحد مذکر متکلم	میں لاتا تھا	میں کہتا تھا	میں کھانا کھاتا تھا- کھانے کھاتا تھا- کتاب پڑھتا تھا- کتابیں پڑھتا تھا-
جمع مذکر متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے- کھانے کھاتے تھے- کتاب پڑھتے تھے- کتابیں پڑھتے تھے-
واحد مؤنث متکلم	میں لاتی تھی	میں کہتی تھی	میں کھانا کھاتی تھی- کھانے کھاتی تھی- کتاب پڑھتی تھی- کتابیں پڑھتی تھی-
جمع مؤنث متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے کھانے کھاتے تھے- کتاب پڑھتے تھے- کتابیں پڑھتے تھے-

فائدہ۔ بعض شعرائے متاخرین بجائے آتا تھا جاتا تھا کے آتے تھا جاتے تھا بولتے تھے مثلاً مومن خاں کہتے ہیں **شعر**

سُن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا — کیا بُرا لگتا تھا جبدم سامنے آجائے تھا

مگر ہمارے زمانے کے شاعر اس قسم کے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے۔

فائدہ۔ پہلے زمانے میں ماضی استمراری کے صیغہ جمع مونث میں دونوں فعل جمع لاتے تھے مثلاً لڑکیاں جاتیاں تھیں اور پڑھتیاں تھیں۔ اب صرف پہلے فعل کو واحد لاتے ہیں جیسے لڑکیاں جاتی تھیں اور پڑھتی تھیں۔

ماضی شکی یا احتمالی

جس میں کام کے ہونے یا نہ ہونے میں شک و احتمال پایا جائے۔

قاعدہ۔ یہ ماضی دو طریق سے بنائی جاتی ہے۔ ایک ماضی مطلق سے، دوسرے ماضی استمراری سے تھا، تھے، تھی، تھیں دور کرنے سے دونوں صورتوں میں صیغہائے مذکر کے لیے دونوں ماضیوں کے صیغہ واحد مذکر غائب اور حاضر پر لفظ ہوگا اور واحد مذکر متکلم پر ہونگا اور جمع مذکر غائب اور جمع مذکر و مونث متکلم پر ہوں گے (بیائے مجہول) اور جمع مذکر حاضر پر ہوگے (بیائے مجہول) اور واحد مؤنث غائب و حاضر اور جمع مؤنث حاضر پر ہوگی (بیائے معروف) اور واحد متکلم مونث پر ہوں گی (بواؤ معروف و یائے معروف) اور جمع غائب مؤنث پر لفظ ہوں گی (بواؤ مجہول و یائے معروف) زیادہ کرو۔ لیکن جب ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے اُس پر صرف لفظ ہوگا بڑھاؤ۔ اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے اُن میں اگر مفعول واحد مذکر ہے تو صیغے میں ہوگا زیادہ کرو جمع مذکر ہے تو ہوں گے (بواؤ مجہول و یائے مجہول) واحد مؤنث ہے تو ہوگی (بیائے معروف)، جمع مؤنث ہے تو ہوں گی (بواؤ مجہول و یائے معروف)

گردانیں

فعل / صیغہ	ماضی شکی یا احتمالی ثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لایا ہوگا یا لاتا ہوگا -	اُس نے کہا ہوگا	اُس نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
جمع مذکر غائب	وہ لائے ہونگے یا لاتے ہونگے	اُنھوں نے کہا ہوگا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
واحد مؤنث غائب	وہ لائی ہوگی یا لاتی ہوگی	اُس نے کہا ہوگا	اُس نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
جمع مؤنث غائب	وہ لائی ہونگی یا لاتی ہونگی	اُنھوں نے کہا ہوگا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوگا کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
واحد مذکر حاضر	تو لایا ہوگا یا لاتا ہوگا -	تو نے کہا ہوگا	تو نے کھانا کھایا ہوگا - کھانے کھائے ہونگے کتاب پڑھی ہوگی - کتابیں پڑھی ہوں گی-
جمع مذکر حاضر	تم لائے ہوگے یا لاتے ہوگے	تم نے کہا ہوگا	تم نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
واحد مؤنث حاضر	تو لائی ہوگی یا لاتی ہوگی	تو نے کہا ہوگا	تو نے کھانا کھایا ہوگا - کھانے کھائے ہونگے کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
جمع مؤنث حاضر	تم لائی ہوگی یا لاتی ہوگی	تم نے کہا ہوگا	تم نے کھانا کھایا ہوگا - کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
واحد مذکر متکلم	میں لایا ہونگا یا لاتا ہوں گا	میں نے کہا ہوگا	میں نے کھانا کھایا ہوگا - کھانے کھائے ہونگے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی
جمع مذکر متکلم	ہم لائے ہونگے یا لاتے ہونگے	ہم نے کہا ہوگا	ہم نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہوں گے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-
واحد مؤنث متکلم	میں لائی ہونگی یا لاتی ہونگی	میں نے کہا ہوگا	میں نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہوں گے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی
جمع مؤنث متکلم	ہم لائے ہونگے یا لاتے ہونگے	ہم نے کہا ہوگا	ہم نے کھانا کھایا ہوگا- کھانے کھائے ہوں گے- کتاب پڑھی ہوگی- کتابیں پڑھی ہوں گی-

ماضی شرطی یا تمنائی

جس سے شرط یا آرزو سمجھی جائے اگر شرط کے معنی پائے جائیں تو شرطی کہو تمنا سمجھی جائے تو تمنائی

یہ ماضی تین طریق سے بنائی جاتی ہے۔

طریق اوّل۔ مصدر سے نا ساقط کرکے تا (تائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرتے اور صیغہائے جمع اور مؤنث میں تا کے الف کو اُسی طرح بدل دیتے ہیں جس طرح ماضی مطلق کا الف بدل جاتا ہے۔

گردان

جمع مؤنث متکلم	واحد مؤنث متکلم	جمع مذکر متکلم	واحد مذکر متکلم	جمع مؤنث حاضر	واحد مؤنث حاضر	جمع مذکر حاضر	واحد مذکر حاضر	جمع مؤنث غائب	واحد مؤنث غائب	جمع مذکر غائب	واحد مذکر غائب	
ہم آتے یا لاتے	میں آتی یا لاتی	ہم آتے یا لاتے	میں آتا یا لاتا	تم آتیں یا لاتیں	تو آتی یا لاتی	تم آتے یا لاتے	تو آتا یا لاتا	وہ آتیں یا لاتیں	وہ آتی یا لاتی	وہ آتے یا لاتے	وہ آتا یا لاتا	ماضی شرطی یا تمنائی کی گردان معروف

طریق دوم۔ ماضی مطلق پر ہوتا لگانے سے۔ مرزا غالبؔ فرماتے ہیں **شعر**

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

حالی

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح
کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

تانیث اور جمع میں ہوتا کا الف بدلتا رہتا ہے جیسا گردانوں سے معلوم ہوگا۔

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہوتا یا لایا ہوتا	اُس نے کہا ہوتا	اُس نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوتے یا لائے ہوتے	اُنھوں نے کہا ہوتا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
واحد مؤنث غائب	وہ آئی ہوتی یا لائی ہوتی	اُس نے کہا ہوتا	اُس نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مؤنث غائب	وہ آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	اُنھوں نے کہا ہوتا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہوتا یا لایا ہوتا -	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
واحد مؤنث حاضر	تو آئی ہوتی یا لائی ہوتی	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مؤنث حاضر	تم آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوتا یا لایا ہوتا	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
واحد مؤنث متکلم	میں آئی ہوتی یا لائی ہوتی	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا - کھانے کھائے ہوتے - کتاب پڑھی ہوتی - کتابیں پڑھی ہوتیں -

طریق سوم - ماضی شکی سے گا-گے-گی- حذف کرنے سے -

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہو یا لایا ہو	اُس نے کہا ہو	اُس نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوں یا لائے ہوں	اُنھوں نے کہا ہو	اُنھوں نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
واحد مونث غائب	وہ آئی ہو یا لائی ہو	اُس نے کہا ہو	اُس نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مونث غائب	وہ آئی ہوں یا لائی ہوں	اُنھوں نے کہا ہو	اُنھوں نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہو یا لایا ہو-	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں - کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یا لائے ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
واحد مونث حاضر	تو آئی ہو یا لائی ہو	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں - کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مونث حاضر	تم آئی ہو یا لائی ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یا لایا ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
واحد مونث متکلم	میں آئی ہوں یا لائی ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں- کتاب پڑھی ہو- کتابیں پڑھی ہوں-
جمع مونث متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں-	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو- کھانے کھائے ہوں - کتاب پڑھی ہو - کتابیں پڑھی ہوں-

فائدہ۔ ماضی شرطی یا تمنائی بااوقات ماضی استمراری کا کام دیتی ہے۔
کبھی یہ ماضی مستقبل کی جگہ آتی ہے جیسے مومن۔

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روز جزا ہوتا

یعنی تم مجھ سے وفا کیے جاؤ۔ دشمن اگر جلتے ہیں تو جلنے دو اور یوں سمجھو کہ ان کم بختوں کے ساتھ جو قیامت کے دن ہونا ہے کہ پڑے آگ میں جلیں گے وہ آج ہو رہا ہے۔

فعل مضارع

جس میں حال اور استقبال دونوں زمانے پائے جائیں۔

قاعدہ۔ مضارع مصدر سے بنتا ہے اس طرح سے کہ علامت مصدر گرا کر حرف اخیر کو دیکھو اگر الف یا واؤ ہو تو ہمزہ اور یائے مجہول آخر میں زیادہ کرو جیسے لائے سوئے۔ متقدمین ہمزے کی جگہ واو زیادہ کر کے لاوے اور سووے کہتے تھے مگر متاخرین لاوے اور سووے نہیں بولتے اور حقیقت میں لاوے اور سووے کی نسبت لائے اور سوئے فصیح ہے۔ لیکن ہونا کے مضارع میں بجائے ہمزہ واو ہی زیادہ کرتے ہیں اور ہووے کہتے ہیں وہ بھی صرف نظم میں اور بہت کم یعنی بضرورت شعری۔ ورنہ عموماً بحذف واؤ و یا ہو لیتے ہیں۔ ذوق ایک قصیدے میں کہتے ہیں

ہو تری کلک کرم جبکہ شہا گوہر بار ✤ جیب محتاج کے دامن میں ہو نقطا گوہر
سینہ صافی سے تری ہووے صفا ایسی عام ✤ دل کافر میں بھی ہو خال سویدا گوہر

دیکھ لو ان دو شعروں میں ہووے ایک دفعہ آیا ہے تو ہو تین دفعہ

اور اگر حرف اخیر یائے مجہول ہو تو بس اسی لفظ کو مضارع سمجھو جیسے دے اور لے "خدا دے اور بندہ لے" مگر جس طرح متقدمین الف اور واؤ کی حالت میں واؤ اور یائے مجہول بھی بڑھاتے تھے اسی طرح یائے مجہول کی حالت میں بھی یہ حروف بڑھا کر دے کو دیوے اور لے کو لیوے کہتے تھے ع

خدا دیوے تو بندہ کیوں نہ لیوے

متاخرین نے بھی بہ ضرورت ایسے صیغے استعمال کیے ہیں۔ ذوق ایک قصیدے میں لکھتے ہیں۔ شعر

تقویت دیوے اگر پاسِ حفاظت تیرا　　شعلہ شمع کو صرصر سے نہ ہو اضمحلال

اور اگر ان حرفوں میں سے کوئی حرف نہ ہو تو صرف یائے مجہول بڑھاؤ۔ جیسے پڑھنا سے پڑھے۔ کرنا سے کرے۔ یہ واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغے بنے۔ جمع غائب و متکلم میں نون غنہ زیادہ کرو۔ واحد متکلم میں واؤ معروف اور نون غنہ۔ یعنی اگر علامت مصدر کے حذف کرنے کے بعد حرف صحیح یا یائے معروف رہے تو اُس پر ضمہ دے کر واؤ معروف اور نون غنہ زیادہ کرو جیسے کرنا سے کروں پینا سے پیوں۔ اور اگر الف یا واؤ باقی رہے تو ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو جیسے لاؤں کھوؤں۔ اور اگر یائے مجہول رہے تو اُسے حذف کرو جیسے دینا سے دوں لینا سے لوں صیغہائے جمع حاضر میں حرف صحیح اور یائے معروف کی حالت میں صرف واو مجہول زیادہ کرو جیسے کرو۔ پیو۔ الف یا واؤ کی حالت میں ایک ہمزہ اور واو مجہول جیسے کھاؤ۔ سوؤ۔ اور اگر یائے مجہول باقی رہے تو اُس کو واو مجہول سے بدل دو۔ جیسے دو۔ لو۔

گردانیں

صیغہ / ضمیر	مضارع بعلامت معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آئے یا لائے	وہ لے
جمع مذکر غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ لیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئے یا لائے	وہ لے
جمع مؤنث غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ لیں
واحد مذکر حاضر	تو آئے یا لائے	تو لے
جمع مذکر حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم لو
واحد مؤنث حاضر	تو آئے یا لائے	تو لے
جمع مؤنث حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم لو
واحد مذکر متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں لوں
جمع مذکر متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم لیں
واحد مؤنث متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں لوں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم لیں۔

فعل مضارع کبھی خالص حال کے معنی دیتا ہی اور کبھی خالص استقبال کے۔ دونوں کی مثالیں نیچے کے دونوں شعروں میں دیکھو ؎

چوٹ دل کو جو لگے آہِ رسا پیدا ہو
صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو

یعنی جب دل کو چوٹ لگتی ہی تو آہِ رسا پیدا ہوتی ہی اور شیشے کو صدمہ پہنچتا ہی تو صدا پیدا ہوتی ہی ؎ شعر

کشتۂ تیغِ جدائی ہوں یقیں ہی مجکو
عضو سے عضو قیامت کو جدا پیدا ہو

یعنی پیدا ہوگا۔

فعل حال

اِس سے بالفعل کے زمانے میں کام کا ہونا سمجھا جاتا ہی۔

قاعدہ پہلے مصدر سے نا حذف کرکے تا (بتائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرو اور جمع مذکر اور جمع مونث متکلم کے لیے تا کے الف کو یائے مجہول سے اور باقی صیغہائے مونث کے لیے یائے معروف سے بدل دو۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ صیغہائے واحد مذکر غائب اور واحد مذکر حاضر میں ہے اور واحد متکلم میں ہوں (بواؤ معروف) اور جمع غائب اور جمع متکلم میں ہیں اور جمع حاضر میں ہو زیادہ کرو۔

گردان

صیغہ / فعل	حال مثبت معروف
واحد مذکر غائب	وہ آتا ہی یا لاتا ہے
جمع مذکر غائب	وہ آتے ہیں یا لاتے ہیں
واحد مونث غائب	وہ آتی ہی یا لاتی ہے
جمع مونث غائب	وہ آتی ہیں یا لاتی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو آتا ہی یا لاتا ہے
جمع مذکر حاضر	تم آتے ہو یا لاتے ہو
واحد مونث حاضر	تو آتی ہی یا لاتی ہی
جمع مونث حاضر	تم آتی ہو یا لاتی ہو
واحد مذکر متکلم	میں آتا ہوں یا لاتا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں
واحد مونث متکلم	میں آتی ہوں یا لاتی ہوں
جمع مونث متکلم	ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں

پہلے جمع مونث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے جیسے **شعر**

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اب متروک ہی۔

فعل حال مضارع سے بھی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح سے کہ فعل مضارع پر واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغوں کے لیے لفظ ہی اور جمع غائب اور جمع متکلم کے لیے ہیں اور جمع حاضر کے لیے ہو اور واحد متکلم کے لیے ہوں زیادہ کر دیتے ہیں **ذوق**

دانہ خرمن ہی ہمیں، قطرہ ہے دریا ہم کو — آئے ہی جزمیں نظر کُل کا تماشا ہم کو

غالب

اُدھر وہ بدگمانی ہی اِدھر یہ ناتوانی ہے — نہ پوچھا جائے ہی اُس سے نہ بولا جائے ہی مجھ سے

مصحفی

سمجھوں ہوں اُسے مُہرۂ بازیچہ طفلاں — کس کام کا ہی گنبدِ گردوں مرے آگے

ع مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال

لیکن مولوی محمد حسین صاحب نے آبحیات میں لکھا ہی کہ "اساتذہ دہلی کے کلام میں آئے ہی اور جائے ہی اکثر ہی۔ مگر اخیر کی غزلوں میں اُنھوں نے بھی بچاؤ کیا ہی" اور حال کے شعرا تو ایسے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے۔

فعل حال ایک اور طریقے سے بھی بناتے ہیں کہ مصدر سے علامتِ مصدر یعنی نا دور کر کے واحد مذکر غائب اور حاضر کے لیے رہا ہی اور جمع مذکر غائب اور جمع مذکر و مونث متکلم کے لیے رہے ہیں اور واحد مونث غائب اور حاضر کے لیے رہی ہی اور جمع مونث غائب کے لیے رہی ہیں اور جمع مذکر حاضر کے لیے رہے ہو اور جمع مونث حاضر کے لیے رہی ہو اور واحد متکلم مذکر کے لیے رہا ہوں اور واحد مونث متکلم کے لیے رہی ہوں زیادہ کرتے ہیں جیسے وہ کر رہا ہی وہ کر رہے ہیں وہ کر رہی ہی وہ کر رہی ہیں تو کر رہا ہی تم کر رہے ہو تو کر رہی ہی تم

کر رہی ہو میں کر رہا ہوں ہم کر رہے ہیں میں کر رہی ہوں ہم کر رہے ہیں۔

لیکن بعض مصادر مزید فیہ ایسے ہیں جن کی ماضی قریب اور اس طرح کے فعل حال کے صیغوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا جیسے آ رہا ہے۔ یہ آنا کا فعل حال بھی ہے اور آ رہنا کی ماضی قریب بھی ہے۔

فعل حال کبھی مستقبل کا کام دیتا ہے مثلاً حامد! خالد سے کہو ہم ابھی آتے ہیں **شعر**

ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

کبھی ماضی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جیسے "حکما کہتے ہیں" شیخ سعدی فرماتے ہیں"

فعل مستقبل

اس سے زمانہ آئندہ مفہوم ہوتا ہے۔

قاعدہ۔ مضارع پر گا زیادہ کرو۔ اور گا کے الف کو صیغہائے جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم میں یائے مجہول سے باقی مؤنثوں میں یائے معروف سے بدل دو مستقبل بن جائیگا۔

گردان

صیغہ / فعل	جمع مؤنث متکلم	واحد مؤنث متکلم	جمع مذکر متکلم	واحد مذکر متکلم	جمع مؤنث حاضر	واحد مؤنث حاضر	جمع مذکر حاضر	واحد مذکر حاضر	جمع مؤنث غائب	واحد مؤنث غائب	جمع مذکر غائب	واحد مذکر غائب
مستقبل قریب معروف	ہم آئیں گے یا لائیں گے	میں آؤں گی یا لاؤں گی	ہم آئیں گے یا لائیں گے	میں آؤں گا یا لاؤں گا	تم آؤ گی یا لاؤ گی	تو آئے گی یا لائے گی	تم آؤ گے یا لاؤ گے	تو آئے گا یا لائے گا	وہ آئیں گی یا لائیں گی	وہ آئے گی یا لائے گی	وہ آئیں گے یا لائیں گے	وہ آئے گا یا لائے گا

تم کو یاد ہوگا ہم نے مضارع کے بیان میں لکھا ہے کہ ہونا کا مضارع ہووے اور ہو دو طرح سے آتا ہے جن میں سے ہو کثیر الاستعمال ہے۔ مستقبل بھی عموماً ہو ہی سے بناتے ہیں مگر جب ہووے

سے استقبال بناتے ہیں تو اکثر ہوے کے واؤ کو ہمزے سے بدل کر ہوئے گا کہتے ہیں **مومن**

روشن ہے جو ہے آلِ عبا کا پایہ ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایا

قندیل ہے عرش کی جو ہر جانِ شہید کیا ہوئے گا شاہِ شہدا کا پایہ

ہو گا کبھی ہے کے معنی دیتا ہے۔ مگر شک بدستور قائم رہتا ہی **رباعی**

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا

دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا

کبھی فعل مستقبل سے علامت استقبال حذف کر دیتے ہیں **شعر**

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یوں ہی عمر ساری گزر جائے گی

یعنی اُمیدیں نہ پوری ہوئی ہیں نہ ہوں گی۔

فعل امر

اس میں مخاطب کو کسی کام کا حکم ہوتا ہی۔ یہاں حکم سے مراد لغوی حکم نہیں ہی کیونکہ بندہ خدا کو، محکوم حاکم کو، بیٹا باپ کو، شاگرد اُستاد کو کیا حکم دے سکتا ہی لیکن بندہ خدا سے یا محکوم حاکم سے یا بیٹا باپ سے یا شاگرد اُستاد سے جو دعا یا سوال یا درخواست کرتا ہی اُس کو بھی اصطلاحِ صَرف میں امر کہتے ہیں۔ ایک بندۂ خدا خدا سے التجا کرتا ہوا کہتا ہی **مصرع**

کر رحم خدایا تو رحیم الرحما ہے

قاعدہ۔ مصدر سے علامتِ مصدر حذف کر دو واحد مذکر کا صیغہ بن جائے گا اور واو مجہول زیادہ کرنے سے صیغہ جمع۔ اور اگر واحد میں پچھلا حرف الف یا واؤ مجہول ہو تو جمع میں واو مجہول سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو۔ جیسے آؤ سوؤ اور اگر یائے مجہول ہو تو اُسے حذف کر دو جیسے لو دو۔ مگر بعض صیغے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

امر کا صحیح مفہوم تو یہی ہی کہ مخاطب کو حکم کیا جائے اور اسی لیے اُردو میں امر کے چار سے زیادہ

صیغے نہیں ہونے چاہئیں یعنی دو مذکر حاضر کے اور دو مونث حاضر کے۔ مگر بعض اہل قواعد نے اس کے بارہ صیغے پیدا کیے ہیں۔ تعجب ہے کہ اُنھوں نے اِس بات کو نہیں سمجھا کہ ایک زبان کو دوسری زبان پر قیاس نہیں کرتے اور یہ کہ ایک زبان دوسری زبان کے قواعد کی محکوم نہیں ہوسکتی اور یہ کہ قواعد محکومِ زبان ہیں نہ زبان محکومِ قواعد اگر عربی میں امر حاضر اور امر غائب کے مل کر چودہ صیغے ہیں تو ہم اہل عرب کی تقلید کیوں کریں! اُردو کا اہل زبان کبھی اپنے اوپر آپ حکم نہیں کرسکتا۔ اِن وجوہ سے امر میں سے متکلم کے چار صیغے تو قطعاً نکل گئے۔ مگر اب بحث اس میں ہے کہ اُردو میں امر غائب کے صیغے ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے نزدیک غائب کا ایسا کوئی صیغہ نہیں جس میں امر حاضر کی طرح حکم واقع ہوسکے جو افعال امر غائب کے صیغے قرار دیے جاتے ہیں وہ پورا جملہ بننے کے سوا کبھی کام نہیں دے سکتے۔ مثلاً احمد سے کہو کہ میز پر سے کتاب اُٹھالائے۔ اس فقرے میں اُٹھالانے کو امر قرار دینا تکلف سے خالی نہیں اس میں وہ صیغہ جو امر کا صحیح اور اصلی مصداق ہوسکتا ہے کہو ہے اور میز پر سے اُٹھالائے۔ اس کا بیان۔ کیونکہ جب تک یہ بیان نہ کیا جائے کہ کیا کہنا چاہیے کہو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ مگر چونکہ غائب کے صیغوں میں بھی امر کی جھلک پائی جاتی ہے اس لیے چار صیغے امر غائب کے اور بڑھا دو تو امر کے کل آٹھ صیغے ہوئے۔

امر غائب کے صیغوں کے بنانے کا کوئی جُدا قاعدہ نہیں۔ یہ مضارع غائب ہی کے صیغے ہیں جن سے امر غائب کا کام لیا جاتا ہے۔

گردان

صیغہ / نمونہ	واحد مذکر غائب	جمع مذکر غائب	واحد مونث غائب	جمع مونث غائب	واحد مذکر حاضر	جمع مذکر حاضر	واحد مونث حاضر	جمع مونث حاضر
امر معروف	وہ لائے یا لاوے	وہ لائیں یا لاویں	وہ لائے یا لاوے	وہ لائیں یا لاویں	تُو لا	تُم لاؤ یا لاوو	تُو لا	تُم لاؤ یا لاوو

کبھی امر حاضر کے آخر میں یائے تحتانی اور واؤ مجہول زیادہ کرتے ہیں جیسے دوڑیو۔ بچیو۔ لیکن کرنا سے اس طرح کا امر کریو نہیں آتا۔ کیجو آتا ہے۔

جن امروں کے آخر الف یا واؤ مجہول ہوتا ہے اُن میں یائے مضموم کے پہلے ہمزہ مکسور بھی زیادہ کر دیتے ہیں جیسے کھائیو سوئیو۔ **شعر**

یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو — بلبل بہت ہی دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

اور جب امر کے آخر یائے معروف یا مجہول ہو اس میں یو زائد پر ایک جیم بھی بڑھا دیتے اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں جیسے پیجیو۔ لیجیو۔ دیجیو وغیرہ لیکن ہر ایک امر پر تم حروف مذکورہ بڑھا کر اس صورت کے امر نہیں بنا سکتے۔

کیجیو پیجیو لیجیو وغیرہ میں سے یائے مضموم کو حذف کر کے کیجو پیجو لیجو وغیرہ بھی بولتے ہیں اس قسم کے امر سے (یعنی جن میں اصل پر حروف زیادہ کیے جاتے ہیں) مقام دعا میں مضارع کا کام بھی لیتے ہیں جیسے حالی۔

دلِ احباب پر نہیں چلتا — سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
اے چشمۂ آبِ زندگانی — گھٹیو نہ کبھی تری روانی

کبھی جمع حاضر کے صیغے اس طریقے سے بھی بناتے ہیں کہ صیغہ واحد حاضر کے آخر اگر حرف صحیح رہے تو لفظ یے بیائے مثناۃ تحتانی و یائے مجہول بڑھاتے ہیں جیسے دیکھیے لکھیے کیجیے مگر کیجیے میں زیادہ تصرف کیا گیا ہے۔ **مصرع**

دیکھیے تقدیر آگے اور دکھلاتی ہے کیا

یعنی دیکھیں کہ تقدیر آگے اور کیا دکھاتی ہے۔

غالب

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

یعنی کیا لکھیں اور کیا کہیں۔

اور اگر الف یا واو مجہول ہو تو ایک ہمزہ مکسور بھی زیادہ کرتے ہیں جیسے لائیے سوئیے۔ مگر
ہوئیے ف۱ میں بجائے ہمزہ جیم بڑھایا گیا ہے اور واوٗ مجہول کو معروف کیا گیا ہُدہُد ف۲

جُز ترے شاہنشہا کہہ کس کے آگے روئیے
کِس سے جا کے کہیئے یہ غم کو ہمارے کھوئیے

سنگلاخ ایسی زمیں ہے سوچ اے دل تا کجا
فکر کیجے صَرف اس میں اور تپھڑ دھوئیے

ف۱ شعر ہی ہے اصل اکتساب ہو جیسے سب سے مستفید
زک ملے یا سزا ملے درس ملے ادب ملے

ف۲ ہُدہُد کا تھوڑا سا حال بیان کر دینا خالی از لطف نہ ہوگا۔ یہ ایک عجیب شخص تھے اِن کے حالات پڑھ کر اور اِن کا کلام سُنکر ظرافت بے ساختہ ہنس پڑتی ہے۔ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ طبقۂ پنجم کے شعرا یعنی غالب و ذوق و مومن وغیرہ کے زمانے میں (جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے لکھا ہے) پورب سے دلی میں آئے اور ایک مکتب میں لڑکے پڑھانے لگے یہ مکتب حکیم آغا جان عیشؔ کے مکان میں تھا جو بادشاہی اور خاندانی طبیب زیور علم اور لباس کمال سے آراستہ نہایت خوش مزاج شیریں کلام شگفتہ صورت اور شاعر لطیفہ سنج تھے حکیم صاحب کے خویش و اقارب میں سے بھی بعض لڑکے وہاں پڑھتے تھے ان میں ایک لڑکا سکندر نامہ پڑھا کرتا تھا حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن رات کو ایک لڑکے کا سبق سنا کرتے تھے۔ سکندر نامے کا سبق جو سُنا تو عجائب و غرائب مضامین سننے میں آئے فرمایا کہ اپنے مولوی صاحب کو کسی وقت ہمارے پاس بھیجنا۔ وہ دوسرے ہی دن تشریف لائے حکیم صاحب آخر حکیم تھے ملاقات ہوئی تو اول قیافے سے پھر گفتگو سے نبض دیکھی تو معلوم ہوا کہ شُد بُد سے زیادہ نہیں مگر یہ طرفہ معجون انسان تھوڑی سی ترکیب میں رونق محفل ہو سکتا ہے پوچھا کہ آپ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل بات ہے۔ ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے آٹھ نو دن باقی ہیں یہ طرح کا مصرع ہے آپ بھی غزل کہیے تو مشاعرہ میں لے چلیں وہ مشاعرے کو بھی نہ جانتے تھے اُس کی صورت بیان کی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اس عرصے میں بہت کچھ ہو سکتا ہے غزل لکھکر لائے تو سبحان اللہ اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلے کو ایسا اُلّو خدا دے بہت تعریف کی۔ غزل کو جا بجا اصلاحیں دے کر خوب نون مرچ چھڑکا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے یہ دیکھ کر حکیم صاحب کو اطمینان ہوا مولوی صاحب کی چگی ڈاڑھی اسپر لمبی اور نکیلی سر منڈا ہوا اُس پر نکو عمامہ فقط گھٹ بڑھئی نظر آتے تھے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی ایسا چاہیے کہ ظریفانہ و لطیفانہ اور خوشنما ہو اور شان و شکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو بہتر ہے کہ آپ ہُدہُد تخلص کریں کہ حضرت سلیمان کا راز دار تھا اور قاصد خجستہ کام وغیرہ وغیرہ مولوی صاحب نے اس تخلص کو خوشی سے منظور کیا۔

مشاعرے کے دن جلسے میں گئے جب اُن کے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے اُن کی تعریف میں چند فقرے

باقی بر صفحہ اکیاسی

اور اگر یائے معروف یا مجہول لجے ہے تو ہو بجیے کی طرح (یے زاید پر) ایک جیم بڑھاتے اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں جیسے پیجیے دیجیے لیجیے۔

کبھی بجائے جیے کے جے یعنی جیم اور صرف یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں اور پیجے دیجے لیجے کیجے وغیرہ بولتے ہیں۔ لیکن ہو بجیے بدستور رہتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰۔ مناسب وقت فرمائے۔ سب متوجہ ہوئے جب اُنھوں نے غزل پڑھی تو تمسخر نے تالیاں بجائیں ظرافت نے ٹوپیاں اُچھالیں اور قہقہوں نے اتنا شور و غل مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا جوش نہ ہوا تھا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ چند روز اس طرح مشاعرے کو اور بعض امرا کے جلسوں کو رونق دیتے رہے مگر مکتب کے کام سے جاتے رہے حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گزارے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کرنا چاہیے۔ ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو تو تمھیں دربار میں لے چلیں دیکھو رزاق مطلق کیا سامان کرتا ہے قصیدہ طیار ہوا تو حکیم صاحب نے ہدہد کو اُڑا کر دربار میں پہنچا دیا۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے؎

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کر دوں ٭ تو رشکِ باغِ ارم اپنا گھونسلا کر دوں

بادشاہوں اور امیروں کو مسخرا پن بلکہ زمانے کی طبیعت کو یہ غذا مرغوب و موافق ہے ظفر تو خود شاعر تھے خطاب عطا فرمایا۔ طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا۔ منقار جنگ بہادر۔ اور سات روپیہ مہینا بھی کر دیا۔ یوں ان کی شاعری کی بنیاد قائم ہو گئی۔

حکیم صاحب کے اشارے پر ہدہد بلبلانِ سخن کے ٹھونگیں بھی مارتا تھا۔ چنانچہ بعض غزلیں سرِ مشاعرہ پڑھتا جس کے الفاظ نہایت شستہ اور رنگین ہوتے۔ لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا کہ غالب کے انداز میں غزل لکھی ہے۔ غالب مرحوم تو بیٹھے دریا تھے۔ سنتے تھے اور ہنستے تھے۔ غالب کے انداز کا بھی ایک مطلع سنو؎

مرکزِ محورِ گردوں بلبِ آب نہیں ٭ ناخنِ قوسِ قزح شبہۂ مضراب نہیں

ظریف الطبع شعرا نے ہدہد کے شکار کو ایک باز طیار کیا اور مشاعرے میں خوب خوب جھپٹے ہوئے اس مشاعرے کی غزل کے تین شعر یہ ہیں؎

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیروں کا دادا ہے ٭ مقابل تیرے کیا ہو تو تو اک جھیرے کی مادہ ہے
گر اب کے باز ڑی میدان میں آئی سامنے میرے ٭ تو دُم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے
ادب اے بے ادب اب تک نہیں تجھکو خبر اتنی ٭ کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

چند روز کے بعد باز اُڑ گیا تو لوگوں نے ایک کوا طیار کیا اور زاغ تخلص رکھا اُنھوں نے اُس کے بھی

باقی بر صفحہ ۸۲

کبھی ان پر گا بھی زیادہ کیا جاتا ہی جیسے آئیے گا بیٹھیے گا جائیے گا کیجیے گا بیجیے گا کیجے گا۔ دیجے گا۔ لیجے گا **شعر**۔

خوش خرامی ادھر بھی کیجیے گا — میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ

اس قسم کے صیغے عموماً مقام تعظیم میں بولے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہی۔

کبھی اِن کو جبکہ ان پر گا نہ ہو بجائے صیغہ جمع متکلم فعل مضارع استعمال کر لیتے ہیں مگر وہاں اُن کا فاعل ہمیشہ مقدر ہوتا ہی۔ حالی۔

یاد اس کی یہاں ورد مدام اپنا ہی — خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہی
کس طرح نہ لیجیے کہ ہی نام اُس کا — کس طرح نہ کیجیے کہ کام اپنا ہی

یعنی ہم کس طرح نہ لیں اور کس طرح نہ کریں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱۔ پر نوچے۔

جون آیا ہے بدل اب کے عدو کوتے کی — اُس کی ہی پاؤں سے تا سر وہی خو کوتے کی
وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹاں ٹاں اُسکی — بات چھوڑی نہیں ہاں اک سر مو کوتے کی

مقطع میں کہتا ہی ؎

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ — دُم کترو دینے کو کچھ کم نہیں تو کوتے کی

عیش چونکہ شاعر تھے ہمیشہ فکر سخن میں رہتے۔ اس میں جو ظرافت کے مضامین خیال میں آتے اُن کو موزوں کر کے ہدہد کی چونچ میں دے دیتے اُن کے بھی دو چار شعر سنو۔ **رباعی**

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے — انداز ہے اِک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیماں ہے یہ — اُڑتا بھی ہے دیکھو بالا بالا سب سے

راست آئینوں کو نفرت ہی کج آئینوں سے — تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا — غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

(ابِ حیات بہ اختصار و تصرف یسیر)

ہم نے ہدہد کے کلام سے اس ہے استناد کیا ہی کہ وہ یا تو خود عیش کا نتیجہ طبع ہوتا تھا یا اُنکا اصلاح کیا ہوا ہوتا تھا۔

اسی طرح محل ادب میں صیغۂ غائب فعل امر کو استعمال کرتے ہیں۔ مگر ان صیغوں کے ساتھ تم کا لفظ نہیں بولتے آپ کا لفظ بولتے ہیں۔ جیسے آپ بیٹھیں۔ آپ تشریف لائیں۔

ہندوستان میں مقام تعظیم و ادب میں تم سے خطاب نہیں کرتے۔ آپ بولتے ہیں یہی جو ہی کہ کیجیے گا اور لیجیے گا وغیرہ صیغوں کے ساتھ آپ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہی تم کیجیے گا اور تم لیجیے گا نہیں بولتے اور زیادہ ادب ملحوظ ہو تو جناب کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہو تو حضور۔

ضرور نہیں کہ مخاطب آنکھ کے سامنے موجود ہو یا موجود فی الخارج ہو۔ مولوی حالی نا اُمیدی اور امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

بس اے نا امیدی نہ یوں دل بجھا تو — جھلک اے اُمید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نا اُمیدوں کی ڈھارس بندھا تو — فسردہ دلوں کے دل آ کر بڑھا تو
ترے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں،،

کبھی مخاطب غیر معین ہوتا ہی شعر

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح — لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

غالب

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہی — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

کبھی امر مرکب سے جزو ثانی حذف کر دیتے ہیں شعر

ڈہی دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں — اے آسیائے گردش لیل و نہار بس

یعنی بس کر ؎

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں — ہو چکا کام توانائی کا،،

یعنی مدد کر۔

امر کے بعض صیغے تنبیہ کے مقام پر بھی استعمال کیے جاتے ہیں جیسے دیکھ دیکھو

سُن یسنو۔

فعل نہی

قاعدہ۔ امر کے اوّل میں نہ یا مت لگاؤ صیغہ نہی بن جائے گا۔

گردان

صیغہ	نہی معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مذکر غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مؤنث غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مذکر حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ
واحد مؤنث حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مؤنث حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ

مت جس طرح فعل کے آغاز میں آتا ہے اسی طرح بعد میں بھی آتا ہے جیسے بولو مت نہیں جو ایک نفی کا حرف ہے فعل امر کے بعد واقع ہو کر نہی کے معنی پیدا کرتا ہے جیسے جھگڑو نہیں۔

ظفر

ہمدمو تم میری حالت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں　　دیکھ لو چہرے کی رنگت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کبھی کلام میں فعل کو حذف کر دیتے اور صرف نہیں سے فعل نہی کا کام لیتے ہیں جیسے "کھیلو مگر ہر وقت نہیں"۔

مصدر پر بھی نہ اور مت واقع ہو کر افادہ فعل نہی کرتے ہیں۔ الاسلام میں ہے۔

مری[1] قبر کو تم نہ مسجد بنانا — نہ تربت پہ میری کبھی سر جھکانا
مری منزلت سے نہ مجھ کو بڑھانا — خدا سے نہ ہرگز کہیں جا بھڑانا
کہ مجھ میں نہیں کوئی شانِ خدائی
بشر ہوں تمھاری طرح ایک میں بھی

فائدہ۔ جب مصدر افادۂ امر حاضر یا نہی حاضر کرتا ہے تو ضمیر فاعلی (تم) اُس کے ساتھ بہت کم استعمال کرتے ہیں اور جب کرتے ہیں تو ضمیر کے ساتھ نے علامتِ فاعل ہرگز استعمال نہیں کرتے شعر

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

پنجاب میں اکثر لوگ تم نے کرنا اور تم نے مت کرنا بولتے ہیں یہ غلط ہے۔

فعل مجہول

تم پڑھ چکے ہو کہ فعل مجہول میں فاعل مذکور نہیں ہوتا۔ اور مفعول قائم مقام فاعل آتا ہے اسی لیے مجہول فعل متعدی سے آتا ہے فعل لازم کا مجہول نہیں ہوتا۔

بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل معروف کو مجہول بنانا چاہو اُس کی ماضی مطلق کے ساتھ مصدر جانا کا وہی صیغہ بڑھا دو جو بنانا مطلوب ہے اور اس بات کا خیال رکھو کہ معروف کی ماضی مطلق اور جانا کے مشتقات میں وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مطابقت رہے۔ یعنی اگر صیغۂ واحد بنانا ہو تو دونوں واحد ہوں اور جمع بنانا ہو تو دونوں جمع مذکر میں مذکر اور مونث میں بہ استثنائے جمع مونث متکلم[2] مونث۔ البتہ صیغہائے ماضی کی مونثات میں متعدی کے معروف کو جمع

---

[1] یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔

[2] یہ ہم پہلے فعل معروف کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ جمع مونث متکلم کا صیغہ محاورہ دہلی و لکھنؤ میں وہی ہوتا ہے جو جمع مذکر متکلم کا ہوتا ہے تو جہاں مونثات کا ذکر ہو وہاں صیغہ جمع مونث متکلم کو اُس سے خارج سمجھنا چاہیے

نہیں کرتے اور علامت جمع صرف مشتقات جآنا میں لگاتے ہیں جیسے پالا گیا پالے گئے پالی
گئی پالی گئیں اور صیغہائے مضارع وحال واستقبال وامر ونہی میں چونکہ صیغے کی حالت
بدل جاتی ہے یعنی متعدی کے معروف میں ماضی ہوتی ہے اور جانا کا مشتق مضارع وحال وغیرہ
اس لیے جمع مذکر کے صیغوں میں بھی علامت جمع لگاتے ہیں جیسے پالے جائیں باقی سب باتیں
صیغہائے ماضی کی طرح بدستور رہتی ہیں۔ مصدر مجہول بنانا چاہو تو فعل ماضی مطلق پر جآنا لگادو
مصدر بن جائے گا جیسے پالا جانا کیا جانا وغیرہ نقشہ ذیل میں تمام افعال مثبت مجہول کی گردانیں
لکھی جاتی ہیں۔

گردانیں

نوٹ:۔ چونکہ اس صفحے میں تمام گردانوں کی گنجایش نہ تھی اس لیے صفحات آیندہ
میں لکھی گئیں۔

صیغہ / فعل	ماضی مطلق مثبت مجہول	ماضی قریب مثبت مجہول	ماضی بعید مثبت مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت مجہول	ماضی شکی یا احتمالی مثبت مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت مجہول۔
واحد مذکر غائب	وہ لایا گیا	وہ لایا گیا ہے	وہ لایا گیا تھا	وہ لایا جاتا تھا	وہ لایا گیا ہوگا یا لایا جاتا ہوگا	وہ لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہو
جمع مذکر غائب	وہ لائے گئے	ولائے گئے ہیں	وہ لائے گئے تھے	وہ لائے جاتے تھے	وہ لائے گئے ہونگے یا لائے جاتے ہوں گے	وہ لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں
واحد مونث غائب	وہ لائی گئی	وہ لائی گئی ہے	وہ لائی گئی تھی	وہ لائی جاتی تھی	وہ لائی گئی ہوگی یا لائی جاتی ہوگی	وہ لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہو۔
جمع مونث غائب	وہ لائی گئیں	وہ لائی گئی ہیں	وہ لائی گئی تھیں	وہ لائی جاتی تھیں	وہ لائی گئی ہونگی یا لائی جاتی ہونگی	وہ لائی جاتیں۔ لائی گئی ہوتیں۔ لائی گئی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو لایا گیا	تو لایا گیا ہے	تو لایا گیا تھا	تو لایا جاتا تھا	تو لایا گیا ہوگا یا لایا جاتا ہوگا	تو لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہو
جمع مذکر حاضر	تم لائے گئے	تم لائے گئے ہو	تم لائے گئے تھے	تم لائے جاتے تھے	تم لائے گئے ہوگے یا لائے جاتے ہوگے	تم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہو
واحد مونث حاضر	تو لائی گئی	تو لائی گئی ہے	تو لائی گئی تھی	تو لائی جاتی تھی	تو لائی گئی ہوگی یا لائی جاتی ہوگی	تو لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہو۔
جمع مونث حاضر	تم لائی گئیں	تم لائی گئی ہو	تم لائی گئی تھیں	تم لائی جاتی تھیں	تم لائی گئی ہوگی یا لائی جاتی ہوگی	تم لائی جاتیں۔ لائی گئی ہوتیں۔ لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں لایا گیا	میں لایا گیا ہوں	میں لایا گیا تھا	میں لایا جاتا تھا	میں لایا گیا ہونگا یا لایا جاتا ہوں گا	میں لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہوں۔
جمع مذکر متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے گئے ہونگے یا لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں
واحد مونث متکلم	میں لائی گئی	میں لائی گئی ہوں	میں لائی گئی تھی	میں لائی جاتی تھی	میں لائی گئی ہونگی یا لائی جاتی ہونگی	میں لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہوں
جمع مونث متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے گئے ہونگے یا لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں

صیغہ / فعل	مضارع مثبت مجہول	حال مثبت مجہول	مستقبل مثبت مجہول	امر مجہول	نہی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ لایا جائے	وہ لایا جاتا ہے	وہ لایا جائے گا	وہ لایا جائے	وہ نہ لایا جائے یا مت لایا جائے
جمع مذکر غائب	وہ لائے جائیں	وہ لائے جاتے ہیں	وہ لائے جائیں گے	وہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جائیں یا مت لائے جائیں
واحد مونث غائب	وہ لائی جائے	وہ لائی جاتی ہے	وہ لائی جائے گی	وہ لائی جائے	وہ نہ لائی جائے یا مت لائی جائے
جمع مونث غائب	وہ لائی جائیں	وہ لائی جاتی ہیں	وہ لائی جائیں گی	وہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جائیں یا مت لائی جائیں
واحد مذکر حاضر	تو لایا جائے	تو لایا جاتا ہے	تو لایا جائے گا		
جمع مذکر حاضر	تم لائے جاؤ	تم لائے جاتے ہو	تم لائے جاؤ گے		
واحد مونث حاضر	تو لائی جائے	تو لائی جاتی ہے	تو لائی جائے گی		
جمع مونث حاضر	تم لائی جاؤ	تم لائی جاتی ہو	تم لائی جاؤ گی		
واحد مذکر متکلم	میں لایا جاؤں	میں لایا جاتا ہوں	میں لایا جاؤں گا		
جمع مذکر متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	ہم لائے جائیں گے		
واحد مونث متکلم	میں لائی جاؤں	میں لائی جاتی ہوں	میں لائی جاؤں گی		
جمع مونث متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	ہم لائے جائیں گے		

حقیقت میں اُردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہے ایک لفظی، ایک معنوی۔ لفظی وہ جس میں علامتِ مجہول جو بیان کی گئی ہے ظاہر ہو جیسے لوٹا جانا مارا جانا پوجا جانا وغیرہ معنوی وہ جس میں علامتِ مذکورہ ظاہر نہو جیسے لُٹنا پٹنا پُجنا وغیرہ اور کچھ شک نہیں کہ جس طرح لوٹا جانا

لوٹا جانا مارا جانا پوچا جانا - بغیر لوٹنے والے اور مارنے والے اور پوچھنے والے کے وقوع میں نہیں آسکتا - اسی طرح لٹنا اور پٹنا اور پچا لوٹنے والے پیٹنے والے اور پوچھنے والے کے سوا وقوع میں نہیں آسکتا - مگر چونکہ بدون علامت ہر ایک شخص کو معروف اور مجہول معنوی میں امتیاز کرنا دشوار ہے - اس لیے ہم مجہول کی دو قسمیں قرار نہیں دیتے - لیکن اگر کوئی فعل مجہول معنوی کو مجہول معنوی کہے اور ترکیب میں اس کے فاعل کا مفعول مالم یسم فاعلہ نام رکھے تو اس کا کہنا صحیح ہوگا -

بحث نفی

اقسام فعل کے بیان میں یہ لکھدیا گیا ہی کہ فعل یا مثبت ہوتا ہی یا منفی اس سے کام کا اثبات یعنی ہونا سمجھا جاتا ہی یا نفی یعنی نہ ہونا - سو جو کچھ تم اوپر پڑھ چکے ہو یہ فعل مثبت کی بحثیں تھیں - اب منفی کا بیان سنو -

جب فعل میں اظہار نفی مقصود ہو یعنی یہ کہنا ہو کہ کام نہیں ہوا یا نہیں کیا - تو اُس کا قاعدہ یہ ہی کہ فعل مثبت کے اول میں نہ یا نہیں لگا دو - مگر مضارع اور ماضی شرطی یا تمنائی پر نہیں [لہ] نہیں لگتا صرف نہ لگتا ہی - گردانیں دیکھو -

[لہ] - مضارع پر کبھی محاورے میں نہیں بھی آجاتا ہی - مگر فعل کے پہلے نہیں بلکہ بعد جیسے حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کیا تھا کہ "مجھے ڈر ہی کہ یہ لوگ یعنی فرعون اور اُس کے درباری مجھے جھٹلائیں نہیں" (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

افعال منفی معروف کی گردانیں [1]

صیغہ / نفی	ماضی مطلق منفی معروف	ماضی قریب منفی معروف	ماضی بعید منفی معروف	ماضی استمراری یا ناتمام منفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا یا نہیں لایا	وہ نہ لایا ہی یا نہیں لایا ہی	وہ نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	وہ نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے یا نہیں لائے	وہ نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	وہ نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	وہ نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی یا نہیں لائی	وہ نہ لائی ہی یا نہیں لائی ہے	وہ نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	وہ نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائیں یا نہیں لائیں	وہ نہ لائی ہیں یا نہیں لائی ہیں	وہ نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	وہ نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا یا نہیں لایا	تو نہ لایا ہی یا نہیں لایا ہے	تو نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	تو نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے یا نہیں لائے	تم نہ لائے ہو یا نہیں لائے ہو	تم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	تم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی یا نہیں لائی	تو نہ لائی ہی یا نہیں لائی ہے	تو نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	تو نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائیں یا نہیں لائیں	تم نہ لائی ہو یا نہیں لائی ہو	تم نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	تم نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا یا نہیں لایا	میں نہ لایا ہوں یا نہیں لایا ہوں	میں نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	میں نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی یا نہیں لائی	میں نہ لائی ہوں یا نہیں لائی ہوں	میں نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	میں نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے

[1] ان گردانوں میں ہم نے طوالت کے خیال سے وہ فعل نہیں لکھے جن کی ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہی یا مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع کے سبب صیغے کی حالت بدل جاتی ہی۔

صیغہ / نفی	ماضی شکی یا احتمالی منفی معروف	ماضی شرطی یا تمنائی منفی معروف	مضارع منفی معروف	حال منفی معروف	مستقبل منفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	وہ نہ لاتا - وہ نہ لایا ہوتا - وہ نہ لایا ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	وہ نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	وہ نہ لاتے - وہ نہ لائے ہوتے - وہ نہ لائے ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	وہ نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	وہ نہ لاتی - وہ نہ لائی ہوتی - وہ نہ لائی ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	وہ نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہوں گی	وہ نہ لاتیں - وہ نہ لائی ہوتیں - وہ نہ لائی ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتی ہیں یا نہیں لاتی ہیں	وہ نہ لائیں گی یا نہیں لائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	تو نہ لاتا - تو نہ لایا ہوتا - تو نہ لایا ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	تو نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے ہوگے یا نہیں لائے ہوگے	تم نہ لاتے - تم نہ لائے ہوتے - تم نہ لائے ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتے ہو یا نہیں لاتے ہو	تم نہ لاؤ گے یا نہیں لاؤ گے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تو نہ لاتی - تو نہ لائی ہوتی - تو نہ لائی ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	تو نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تم نہ لاتیں - تم نہ لائی ہوتیں - تم نہ لائی ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتی ہو یا نہیں لاتی ہو	تم نہ لاؤ گی یا نہیں لاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا ہوں گا یا نہیں لایا ہوں گا	میں نہ لاتا - میں نہ لایا ہوتا - میں نہ لایا ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتا ہوں یا نہیں لاتا ہوں	میں نہ لاؤں گا یا نہیں لاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	ہم نہ لاتے - ہم نہ لائے ہوتے - ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہوں گی	میں نہ لاتی - میں نہ لائی ہوتی - میں نہ لائی ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتی ہوں یا نہیں لاتی ہوں	میں نہ لاؤں گی یا نہیں لاؤں گی
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے ہوں گے یا نہیں لائے ہوں گے	ہم نہ لاتے - ہم نہ لائے ہوتے - ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے

تم کو یاد ہوگا ہم صیغوں کے شمار میں لکھ چکے ہیں کہ فعل منفی میں نہ امر آتا ہے نہ نہی اس لیے اس کے صرف ایک سو آٹھ صیغے ہیں۔

فائدہ۔ محاورے میں کبھی فعل مثبت بھی منفی کا کام دیتا ہے۔ خواجہ حالی ایک قصیدۂ نعتیہ کی تشبیب میں کہتے ہیں شعر

میں بھی ہوں حسنِ طبیعت پر مغرور — مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور

یعنی مجھ سے اُن کے ناز نہیں اُٹھنے کے۔

افعال منفی مجہول کی گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی مطلق منفی مجہول	ماضی قریب منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	وہ نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	وہ نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	وہ نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	وہ نہ لائی گئی ہیں یا نہیں لائی گئی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	تو نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	تم نہ لائے گئے ہو یا نہیں لائے گئے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	تو نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	تم نہ لائی گئی ہو یا نہیں لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	میں نہ لایا گیا ہوں یا نہیں لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	میں نہ لائی گئی ہوں یا نہیں لائی گئی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں

صیغہ / نفی	ماضی بعید منفی مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام منفی مجہول	ماضی شکی یا احتمالی منفی مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	وہ نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	وہ نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	وہ نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہو
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	وہ نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	وہ نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	وہ نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	وہ نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	وہ نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	وہ نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہو
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	وہ نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	وہ نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	وہ نہ لائی جاتیں - نہ لائی گئی ہوتیں - نہ لائی گئی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	تو نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	تو نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	تو نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہو
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	تم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	تم نہ لائے جاتے ہوگے یا نہیں لائے جاتے ہوگے	تم نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہو
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	تو نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	تو نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	تو نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہو
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	تم نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	تم نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	تم نہ لائی جاتیں - نہ لائی گئی ہوتیں - نہ لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	میں نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	میں نہ لایا جاتا ہونگا یا نہیں لایا جاتا ہوں گا	میں نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	میں نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	میں نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	میں نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہوں
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے - ہم نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں

صیغہ / فعل	مضارع منفی مجہول	حال منفی مجہول	مستقبل منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا جائے	وہ نہ لایا جاتا ہی یا نہیں لایا جاتا ہی	وہ نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	وہ نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی جائے	وہ نہ لائی جاتی ہی یا نہیں لائی جاتی ہی	وہ نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جاتی ہیں یا نہیں لائی جاتی ہیں	وہ نہ لائی جائیں گی یا نہیں لائی جائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا جائے	تو نہ لایا جاتا ہی یا نہیں لایا جاتا ہی	تو نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے جاؤ	تم نہ لائے جاتے ہو یا نہیں لائے جاتے ہو	تم نہ لائے جاؤ گے یا نہیں لائے جاؤ گے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی جائے	تو نہ لائی جاتی ہی یا نہیں لائی جاتی ہے	تو نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی جاؤ	تم نہ لائی جاتی ہو یا نہیں لائی جاتی ہو	تم نہ لائی جاؤ گی یا نہیں لائی جاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا جاؤں	میں نہ لایا جاتا ہوں یا نہیں لایا جاتا ہوں	میں نہ لایا جاؤنگا یا نہیں لایا جاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی جاؤں	میں نہ لائی جاتی ہوں یا نہیں لائی جاتی ہوں	میں نہ لائی جاؤنگی یا نہیں لائی جاؤں گی
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے

فائدہ - افعال معروف و مجہول اور مثبت و منفی کے تمام صیغے نثر میں عموماً اسی طرح استعمال کیے جاتے ہیں جس طرح ہم نے گردانوں میں لکھے ہیں یعنی بلا فصل اجزاء و تقدیم و تاخیر - مگر نظم میں بسا اوقات ماضی قریب اور حال کا ہے اور ہیں اور ماضی بعید اور ماضی استمراری کا تھا اور تھے اور علامات نفی و نہی فعل سے جدا ہو کر آگے پیچھے ہو جاتے ہیں - بلکہ منفی صیغوں میں جن میں منجملہ حروف نفی کے نہیں آتا ہی ہے اور ہیں حذف بھی ہو جاتے ہیں - نثر میں بھی نہیں موخر آجاتا ہی اور ہے اور ہیں حذف ہو جاتے ہیں - چند مثالیں سنو - حالی -

تھے اُسے نعمائے سلطانی سے بہتر جانتے　　اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم

جی چراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی　　اور خلافِ چرخ و دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر　　نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز　　کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں　　قیدِ ہستی میں مری جان! فراغت کیسی

اسم فعل

بعض کلمات ایسے ہیں کہ مصدر سے تو مشتق نہیں مگر ان میں کام کا ہونا مع انضمام وقت پایا جاتا ہے جیسے ہے[1] تھا سہی- ان کو ہم اسم فعل کہتے ہیں- اس لیے کہ لفظ کے رو سے تو یہ اسم ہیں اور معنی کے اعتبار سے فعل- رہی یہ بات کہ یہ کس قسم کے فعل ہیں؟ یہ کہیں آگے بیان کریں گے- ہے جمع میں ہیں ہو جاتا ہے اور واحد متکلم میں ہوں- تذکیر و تانیث کا اس میں کچھ امتیاز نہیں- تھا جمع مذکر میں تھے اور واحد مونث میں تھی اور جمع مونث میں تھیں- سہی ایک ایسا لفظ ہے کہ کبھی تو خود فعل کا کام دیتا ہے کبھی فعل کے ساتھ زائد آتا ہے- اس کی نہ جمع ہوتی ہے نہ تذکیر و تانیث ذیل کے اشعار و فقرات سے مقامات استعمال معلوم ہو سکتے ہیں[2]

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے　　کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

---

[1] ہے کو اہل قواعد نے حرف ربط لکھا ہے فعل نہیں لکھا- ہم اس کی تحقیق علم نحو میں افعال ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے

[2] یہ وہ سہی نہیں جو سہنا کی ماضی ہے جیسے مصرع یہ سب سہا پر ایک نہیں کی نہیں سہی-

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف — آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا — گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

"دیکھو تو سہی" "سنو تو سہی"۔

فائدہ۔ ہے کبھی ہوتا ہے کے معنوں میں آتا ہے جیسے ع

کبھی اس طرح بھی ہے دَورِ زماں

یعنی زمانے کا دَور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے۔

افعال ناقصہ

بعض فعل ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو فعل لازم ہیں مگر جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم یا صفت ان کے ساتھ نہ ملے پورا مطلب نہیں دیتے اُن کو افعالِ ناقصہ[لے] کہتے ہیں ان کا مفصل بیان علم نحو میں لکھیں گے۔ افعال مجرد میں ہونا اور بننا اور نکلنا (یعنی ظاہر ہونا) اور لگنا اور رہنا اور پڑنا اور مزید فیہ میں ہو جانا اور بن جانا کے مشتقات اور تمام اسم فعل یعنی ہے کے تینوں صیغے اور تھا کے چاروں اور تھی یہ سب فعل ناقص ہیں لیکن جب اِن افعال میں سے کوئی فعل ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے تو وہ فعل ناقص نہیں رہتا فعل تام ہو جاتا ہے یہی ایک ایسا کلمہ ہے کہ لازم و متعدی معروف و مجہول ناقص و تام سب قسم کے فعلوں کا کام دیتا ہے۔ اسم فعل جب کسی فعل کا جز ہو جاتا ہے تو فعل ناقص نہیں رہتا جیسے کیا ہے۔ پالا تھا وغیرہ۔

فعل معطوف

فعل معطوف میں دو فعل ہوتے ہیں پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے، دوسرا معطوف۔ اِن دو

لے۔ ان افعال کا فاعل، اسم کہلاتا ہے اور اسم یا صفت جو فاعل کے علاوہ ملے خبر۔

فعلوں کے درمیان کریا کے واقع ہوتا ہے۔ پہلا فعل اگرچہ ہمیشہ امر کا صیغہ ہوتا ہے لیکن فائدہ وہی دیتا ہے جو دوسرا فعل دیتا ہے یعنی دوسرا فعل اگر ماضی یا مضارع یا مستقبل یا امر وغیرہ ہوگا تو پہلا فعل بھی وہی فائدہ دے گا۔ یوں سمجھو کہ پہلا فعل دوسرے فعل کے تابع ہوتا ہے جیسے زید کتاب پڑھ کر سو رہا۔ حامد کھانا کھا کر پڑھے گا۔ یہاں آکر بیٹھو کبھی پہلا فعل دو امر ہوتے ہیں جیسے حالی

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں ٭ گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اُس کی باری ٭ بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

فعلِ معطوف میں عموماً پہلے فعل کے واقع ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ کبھی محاورے میں فعل کے واقع ہونے کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا جیسے شعر

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ٭ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کبھی کریا کے حذف کر دیا جاتا ہے شعر

وہ عجائب اب نظر آتے نہیں ٭ دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

فعل معطوف ایک اور صورت سے بھی آتا ہے یعنی ماضی شرطی پر ہوا ہوتے ہوئی لگانے سے

مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں "شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب (لاٹ صاحب) آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آوازہ بلند ہے کہ فروری میں کلکتے سے چلیں گے بنارس اِلٰہ آباد۔ اکبر آباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے پہنچیں گے" یعنی بنارس وغیرہ ہو کر مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔

فعل معطوف کی تیسری صورت ایک اور بھی ہے یعنی ماضی شرطی کے صیغہ جمع مذکر پر تی (بیائے معروف) بڑھانے سے اس قسم کا فعل معطوف وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایک

کام کے وقوع میں آتے ہی دوسرا کام واقع ہو جیسے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔

چاہیے

بعض ایسے فعل ہیں کہ ظاہر میں تو مشتق معلوم ہوتے ہیں مگر جس مصدر سے مشتق معلوم ہوتے ہیں اُس کے معنوں سے سب جگہ مناسبت نہیں رکھتے اور نہ اُن کا فاعل کون یا کس کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے جواب میں آتا ہے جو مفعول کی شناخت کے لیے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی تنہا استعمال کیے جاتے ہیں کبھی دوسرے الفاظ مثلاً تھا اور فعل ماضی مطلق اور مصدر کے ساتھ جیسے "چاہیے"۔ یہ لفظ ظاہر میں چاہنا سے مشتق یعنی اُس کے مضارع "چاہے" سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر کہاں چاہیے اور کہاں چاہے "چاہیے تو یہ" "یوں چاہیے تھا"، یوں نہ چاہیے"، یعنی یوں مناسب ہے۔ یا یوں مناسب تھا یا یوں مناسب نہیں **شعر**۔

اب جیسے اِک حُسن سے ہنستے تھے تو ہنس لیے ۔۔۔ پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیے

چاہیے مصدر اور ماضی کے ساتھ مل کر اکثر امر کے معنے دیتا ہے جیسے غالب

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید ۔۔۔ نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

کبھی ماضی کے ساتھ مل کر مضارع کے اور مصدر کے ساتھ مل کر حال کے معنی دیتا ہے جیسے شعر

لگ گئی چُپ حالِ رنجور کو ۔۔۔ حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیے

"اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیے" یعنی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔

چاہیے درکار ہے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ مصرعہ

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

کبھی چاہیے کے ساتھ ہے بھی آجاتا ہے جیسے **شعر**

حشر کو کوئی وسیلہ نہیں اس سے بہتر ۔۔۔ اے ظفر دوستیِ آلِ نبی چاہیے ہے

محل استقبال میں چاہیے کے ساتھ گا گی آتا ہی حالی
یقیں جانو کہ آیندہ ملے گی درس گاہوں میں   گر آٹا پیسنے کو چاہیے گی اِک پسنہاری

اسم فاعل

فاعل اور اسم فاعل میں فرق قبل اس کے کہ ہم اسم فاعل کی تعریف لکھیں یہ بیان کرنا ضرور ہی ہے کہ ایک فاعل ہوتا ہی ایک اسم فاعل اور دونوں میں بہت بڑا فرق ہی فاعل تو اُس کو کہتے ہیں جس سے فعل سرزد ہو جیسے زید نے کھانا کھایا۔ اس جملے میں کھانے کا فعل زید سے وقوع میں آیا ہی۔ اور وہ اُس فعل کا فاعل ہی تو ہم زید کو فاعل کہیں گے۔ اسم فاعل نہیں کہیں گے لیکن اس فعل کے تعلق سے جو نام لیکر فاعل کو پکاریں اُس کو اسم فاعل کہتے ہیں مثلاً "زید نے کھانا کھایا" میں زید کو کھانے والے کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس کھانیوالا اسم فاعل ہی اسی طرح پڑھنے والا۔ لکھنے والا۔ آنے والا۔ جانے والا۔ سب اسم فاعل ہیں۔

اہل قواعد اسم فاعل کی تعریف عموماً اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ایک اسم مشتق ہوتا ہی اور اُس ذات پر دلالت کرتا ہی جس سے وہ فعل صادر ہو۔

قاعدہ۔ اسم فاعل مصدر سے بنایا جاتا ہی اس طرح سے کہ علامت مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر لفظ والا زیادہ کرتے ہیں۔ جمع مذکر میں والا کا الف یائے مجہول سے اور واحد مؤنث میں یائے معروف سے بدل دیا جاتا ہی۔ جمع مؤنث میں واحد مؤنث پر الف اور نون غنہ زیادہ کیا جاتا ہی جیسے کرنے والا کرنے والے کرنے والی کرنے والیاں اور بعض صورتوں میں صرف نون غنہ زیادہ کرتے ہیں جیسے توبۃ النصوح میں نعیمہ اپنی ماں سے کہتی ہی "سچ کہنا بڑی بیچاری مارنے والیں۔ ما۔ واہ اپنی چہیتی کو مارو اپنی لاڈو کو"

فائدہ عربی کے سیکڑوں اسم فاعل اُردو میں مستعمل ہیں جیسے حاضر۔ ناظر۔ قادر۔ نادر۔ حاکم سالم ناظم ظالم عابد زاہد شاہد غائب غالب واقف۔ عارف۔ لائق شائق فائق

ناصر بالغ عالم عامل شامل کامل خائن ضامن خالق رازق واثق وارث والد قاہر ناشر صابر شاکر حاصل باطل ثابت خادم جائز جابر طالب صادر وارد کافر قاتل حائل تائب ناطق واقع دافع قائم دائم کافی حامی وغیرہ

عربی کا جو لفظ فاعل کے وزن پر آئے اُسے اسم فاعل سمجھو مگر چونکہ عربی میں مصدر کئی طرح کے ہیں اس لیے اُن کے اسم فاعل بھی کئی طرح کے ہیں اور سب میں (باستثنائے وزن فاعل) پہلا حرف ہمیشہ میم مضموم اور ماقبل آخر مکسور ہوتا ہی جیسے مُظہر مُحسن منعم مشفق مومن مسلم مشرک مرشد موجد منصف مشکل متکبر متحمل متوجہ متصرف مترصد متوقف متواضع متساوی متعارف معاہد مقابل مناسب موافق مطابق متصل مشتہر معترض محترز مجتنب ملتجی ملتمس معتقد مستعد منفعل منجمد مدبر محرک مؤید موحد اور اگر ماقبل آخر حرف علت ہو تو اُس سے پہلا حرف مکسور ہوتا ہی جیسے مشیر۔ مرید منیب مطیع مقیم مفید مستفید مستفیض مستقیم مستطیل وغیرہ۔ اور اگر حرف اخیر مشدد ہو تو اُس سے پہلا حرف مفتوح ہوتا ہی جیسے منجر منضم ۔منفک۔

تنبیہ۔بعض لوگ بعض عربی اسم فاعل کے تلفظ میں نہایت مکروہ غلطی کرتے ہیں یعنی جن مصادر کا حرف ماقبل آخر مضموم ہوتا ہی اُن کے اسم فاعل کے حرفِ آخر کو بھی مضموم بولتے ہیں مثلاً توجُّہ اور تواضُع کہ جیم اور ضاد کے پیش سے ہیں اِن کے اسم فاعل بھی بضم جیم وضاد یعنی متوجُّہ اور متواضُع بولتے ہیں۔حالانکہ یہ لفظ متوجِہ اور متواضِع ہیں۔

بعض فارسی اسم فاعل بھی اُردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔جیسے چرندہ و پرندہ فارسی کے اسم فاعل ترکیبی تو بہت سے اُردو میں مستعمل ہیں ان کی بحث علٰحدہ لکھی جائے گی

فائدہ۔عربی میں پیشے کے تعلق سے جو لقب پیشہ وروں کو دیے جاتے ہیں وہ مشتق ہوتے ہیں اور اکثر عربی کے اسم مبالغہ کے وزن پر آتے ہیں جیسے خیّاط (درزی)، نجّار (بڑھئی)، صبّاغ (رنگریز)، بزّاز (پارچہ فروش)، اسی طرح دلّال حجّام فصّاد جرّاح خواجہ خانی

چند پیشہ وروں کے نام اس بند میں جمع کیے ہیں سے

حکومت ملی اُن کو صفار[1] تھے جو　　امامت کو پہنچے وہ قصار[2] تھے جو
وہ قطبِ زماں ٹھیرے عطار تھے جو　　بنے مرجع خلق نجّار تھے جو
ابو الفضل یاں اُٹھے سرّاج[3] کتنے
ابو الوقت ہو گزرے حلاج[4] کتنے

مگر اُردو میں پیشے کا نام اور ہوتا ہی پیشہ ور کا لقب کچھ اور۔ مثلاً حجامت بنانے والے کو نائی کہتے ہیں کپڑا سینے والے کو درزی۔ سبزی بیچنے والے کو کنجڑا۔ کپڑا بُننے والے کو جُلاہا لکڑی کا کام کرنے والے کو بڑھئی۔ مٹی کے باسن بنانے والے کو کمہار علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ دھوبی میں کپڑے دھونے کی علامت پائی جاتی ہی لُہار اور سُنار بھی کسی قدر اپنے اپنے پیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

اسم مفعول

مفعول اور اسم مفعول میں فرق | جس طرح فاعل اور اسم فاعل میں فرق بیان ہوا اسی طرح مفعول اور اسم مفعول میں فرق ہی۔ یعنی مفعول تو وہ ہی جس پر فعل واقع ہو جیسے زید نے عمرو کو مارا۔ اس جملے میں عمرو مفعول ہے کیونکہ اس پر فعل واقع ہوا۔ مگر اس فعل کے تعلق سے جو نام لے کر مفعول کو پکاریں اُس کو اسم مفعول کہتے ہیں جیسے "زید نے عمرو کو مارا" میں عمرو کو مار کھایا ہوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تو مار کھایا ہوا اسم مفعول ہی۔ اسی طرح دیا ہوا۔ لیا ہوا کھایا

[1] ٹھٹیرا [2] دھوبی [3] زین ساز (فائدہ) اس مقام پر یہ بیان کر دینا مناسب ہی کہ پنجاب کے بعض اضلاع میں جو ایک قوم کا نام سراج (بہ تخفیف را) مشہور ہی اور جو عموماً جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں وہ یہی سرّاج ہی ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ان لوگوں کے بزرگ زین سازی کا کام کرتے ہوں گے اسی سے وہ سرّاج کہلائے بعد میں یہ لوگ جوتا بنانے کا کام کرنے لگے چونکہ زین سازی کے سبب سرّاج کا لقب مشہور ہو چکا تھا اِس لیے اب بھی سراج کہلاتے ہیں۔ گو جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں۔ اور اب بھی بہت سے لوگ اپنا آبائی پیشہ زین سازی کا کرتے ہیں۔ [4] دھنیا۔

ہوا - پیسا ہوا -

عام طور پر اسم مفعول کی تعریف یوں کیجاتی ہے کہ اسم مفعول ایک اسم مشتق ہوتا ہے اور اُس ذات پر دلالت کرتا ہی جس پر فعل واقع ہو -

قاعدہ - صیغہ ماضی مطلق پر لفظ ہوا لگا دو اسم مفعول بن جائے گا جیسے پالا ہوا - لیا ہوا - جمع اور مؤنث کے صیغوں میں ہوا کا الف بھی اسم فاعل کے الف کی طرح بدل جاتا ہی یعنی جمع مذکر میں یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے معروف سے جمع مؤنث میں واحد مؤنث پر نونِ غنہ بھی زیادہ کیا جاتا ہی جیسے پالے ہوئے پالی ہوئی پالی ہوئیں -

کبھی ہوا کی جگہ گیا لگاتے ہیں جیسے لایا گیا - مارا گیا -

عربی کے بہت سے اسم مفعول بھی اُردو میں مستعمل ہیں جیسے معلوم مقتول مجروح مظلوم معبود محمود مشہور منظور - محبوب مرغوب مردود مقبول مشغول مغموم محزون - موقوف - معقول - موصوف - مصروف مرحوم مرقوم مخدوم -

جو عربی لفظ مفعول کے وزن پر آئے اُسے اسم مفعول سمجھنا چاہیے مگر اسم فاعل کی طرح اسم مفعول کی بھی بہت سی صورتیں ہیں اور سب میں بہ استثنائے وزن مفعول پہلا حرف ہمیشہ میم مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہی جیسے مُکرم معظم مسلم مقدم مستحکم - ملزم مدعیٰ مستثنیٰ - متبنیٰ وغیرہ اور اگر ماقبل آخر حرف علت ہو تو اُس سے پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جیسے مدام مراد وغیرہ -

فارسی اسم مفعول بھی اُردو میں استعمال کیے جاتے ہیں جیسے آشفتہ - آزردہ - کشتہ رنجیدہ - شیفتہ - فریفتہ - گرویدہ وغیرہ -

اسم مفعول فعل متعدی سے آتا ہی کبھی فعل لازم سے بھی آجاتا ہی جیسے آیا ہوا - گیا ہوا اُٹھا ہوا بیٹھا ہوا وغیرہ بعضوں نے اس خیال سے کہ اسم مفعول فعل لازم سے نہیں آنا چاہیے اس قسم کے صیغوں کو صفت مشبّہہ قرار دیا ہی - مگر ہمارے نزدیک یہ تکلف اور تحکم ہے - کیونکہ

صفت مشبّہ[1] ایک قسم کا اسم فاعل ہوتا ہے اور یہ اسم مفعول کے صیغے ہیں مع ہٰذا صفت مشبہ میں وصف ذاتی پایا جاتا ہی آیا ہوا اور گیا ہوا سے وصف ذاتی نہیں سمجھا جاتا۔ پس چونکہ ان پر صفت مشبہ کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے ان کو اسم مفعول ہی کہنا چاہیے۔ جب بعض لازم فعلوں کے مفعول ہوتے ہیں اور ان کو مفعول تسلیم کیا جاتا ہی جیسا کہ فعل کی بحث میں بیان ہوا تو ایسے افعال کے اسم مفعول کیوں نہ ہوں اور اُن کو اسم مفعول کہنے میں کیوں تامل ہو

فائدہ۔ بعض اسم مفعول اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی دیتے ہیں جیسے پڑھا لکھا مرد۔ پڑھی ہوئی عورت۔

اسم فاعل سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ اسم فاعل کے صیغوں کے وزن پر نہیں ہیں لیکن اسم فاعل کے معنی دیتے ہیں۔ ان کو اسم فاعل سماعی کہتے ہیں جیسے چور۔ چوٹا (چوری کرنے والا) لٹیرا (لوٹنے والا) چرواہا (چرانے والا) جوتار بواوٗ مجہول جوتنے وال لیوا (لینے والا۔ یہ لفظ عموماً لفظ نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہی۔ جیسے "نام لیوا"

میر انشاء اللہ خاں

پھبن۔ اکڑ۔ چھب۔ نگاہ۔ سج۔ دھج۔ چال۔ طرز خرام۔ آٹھوں

نہ ویں اُس بُت کے گر پُجاری تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھوں

کبھی دو لفظ مل کر فاعلی معنے دیتے ہیں جیسے راہ چلتا (راہ چلنے والا) دودھ پیتا (دودھ پینے والا یعنی شیر خوار) بے چین بے قرار بے جوڑ بے سمجھ۔ ایسے الفاظ اسم فاعل ترکیبی کہلاتے ہیں۔ لفظ ہار بھی اسم فاعل کے معنوں کا افادہ کرتا ہی یہ لفظ مصدر کے ساتھ آتا ہی اور علامت مصدر کا الف حذف ہو جاتا ہی جیسے ہون ہار۔ مرن ہار۔

---

[1] صفت مشبہ اور اسم فاعل میں جو فرق ہی صفت مشبہ کی بحث میں بیان کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ اسم فاعل ترکیبی کو سماعی کہہ سکتے ہیں۔ سماعی کو ترکیبی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سماعی کا اطلاق مفرد اور مرکب دونوں طرح کے اسم فاعل پر ہو سکتا ہے۔ ترکیبی کا صرف اس پر جو مرکب ہو۔

فارسی کے بہت سے اسم فاعل ترکیبی اور سماعی اُردو میں بے تکلّف بولے جاتے ہیں مثلاً راہ گیر راہ رو کارساز بندہ نواز دل کشا روح افزا دانا بینا مالامال زنگارنگ پرہیزگار خدمت گار عقلمند خداوند زور آور جانور سخنور نامور مزدور غمناک ساربان خریدار مشعلچی خزانچی سردفتر سرگروہ سرسبز ناکارہ خدادوست جواں مرد عالی ہمت سیرچشم نیک خصال بدشکل بدوضع بدقسمت بدنصیب خوبصورت خوش طبع گمراہ ناہنجار ناگوار نابکار ناپاک ناروا بے دین بے ایمان بے عقل بے شعور بے خبر بے پروا بے نیاز بے چارہ۔ بے انصاف ہمعمر ہمراز ہمراہ ہم وطن۔ ہم مکتب ہمسایہ ہمپایہ خودغرض خود مطلب۔ ان میں کوئی اسم فاعل کے معنے دیتا ہے کوئی صفت مشبہہ کے۔

اسم مفعول سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ صیغہ اسم مفعول کے وزن پر نہیں ہیں۔ لیکن اسم مفعول کے معنے دیتے ہیں ان کو اسم مفعول سماعی کہتے ہیں جیسے بیاہتا عورت۔

جس طرح اُردو میں فارسی اسم فاعل ترکیبی اور سماعی کے صیغے مستعمل ہیں اسی طرح اسم مفعول ترکیبی کے صیغے بھی استعمال کیے جاتے ہیں جیسے خداساز شاہ نواز پا انداز گرفتار دل پذیر شاہزادہ ناز پروردہ وغیرہ۔

اسم مُعاوَضَہ

جو کسی خدمت یا محنت کے معاوضے کا نام ہو۔

قاعدہ ۔ مصدر متعدی بلا واسطہ اور متعدی المتعدی سے علامت مصدر حذف کر کے لفظی ائی (بہ ہمزہ مکسور و یائے معروف) لگاتے ہیں جیسے رنگائی دھلائی سلائی پکوائی وغیرہ فسانہ آزاد میں ایک ظریف کتا ہی قطعہ

حجامت بنانے کو آیا نھا نائی حجامت بناتے ہی مانگی رضائی
مثل مجکو اُس وقت یہ یاد آئی کہ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی

مصدر متعدی بالواسطہ سے بھی بطریق مذکور اسم معاوضہ آتا ہے لیکن کم اور مصادر لازم اور مصادر متعدی بنفسہ سے کبھی بھی نہیں آتا۔

حاصل مصدر

جو لفظ کسی ایسی کیفیت کو ظاہر کرے جو کسی چیز کا اثر و نتیجہ ہو تو اُس کو حاصل مصدر کہتے ہیں جیسے جلنا سے جلن تڑپنا سے تڑپ۔

معلوم رہے کہ ہر ایک مصدر کا حاصل مصدر نہیں ہوتا اور نہ حاصل مصدر بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے عموماً مصدر میں بعد حذف علامت مصدر کچھ تغیر کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں جیسے گھومنا بچنا بہنا چڑھنا سے گھماؤ بچاؤ بہاؤ چڑھاؤ۔ گھبرانا سے گھبراہٹ۔ ملنا سے ملاپ تھکنا سے تھکن۔ جلنا سے جلن اور جلاپا۔ بکنا سے بکواس ہنسنا سے ہنسی بگڑنا سے بگڑ بننا رکنا لگنا ملنا سے بناوٹ بناؤ رکاوٹ لگاؤ۔ لاگ۔ لگاوٹ ملاوٹ بہلنا پہننا سے بہلاوا پہناوا۔ سمانا سے سمائی لوٹنا سے لوٹ اور لتّس۔

کبھی ماضی حاصل مصدر کا کام دیتی ہے جیسے جھگڑا اور پوجا۔ ”اس سے جھگڑا مت کرو“ ”پوجا صرف خدا کی کرو“

کبھی امر سے حاصل مصدر کا کام لیتے ہیں جیسے تڑپنا سے تڑپ۔ چمکنا سے چمک۔ بولنا سے بول۔ مارنا سے مار۔ پہچاننا سے پہچان۔ پہنچنا سے پہنچ۔ بگاڑنا سے بگاڑ۔ سنوارنا سے سنوار

اونگھنا سے اونگھ۔ دوڑنا سے دوڑ۔ بھاگنا سے بھاگ۔

کبھی تکرار امر (یعنی دو امروں) سے جیسے بک بک (بکنا سے)

کبھی دو مختلف امروں سے جیسے جان پہچان (جاننا اور پہچاننا سے)

کبھی مصدر کچھ ہوتا ہی حاصل مصدر کچھ جیسے سونا سے نیند۔

کبھی مصدر کے آخر سے الف حذف کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں جیسے دینا سے

دین لینا سے لین شعر

خدا کی دین کا موسیٰ سی پوچھے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

شعر

میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کی لین دین سے کیا کام

غرض تمام حاصل مصدر سماعی ہیں قیاسی نہیں اور اسی لئے انکے بنانے کا کوئی قاعدۂ

کلیہ نہیں۔

کبھی اسم پر پن لگا کر جیسے احمق پن بیہودہ پن گنوار پن۔ کبھی لفظ پت لگا کر

جیسے کنوارپت۔ مگر حقیقت میں یہ الفاظ اسموں پر زیادہ نہیں کیے گئے بلکہ احمق ہونا۔ بیہودہ

ہونا گنوار ہونا سے ہونا کو حذف کر کے زیادہ کیے گیے ہیں۔ کنوارپت میں ہونا کے علاوہ ایک

اور حرف بھی گرایا گیا ہی یعنی کنوارا ہونے کی حالت میں الف اور کنواری ہونے کی حالت

میں یاے معروف۔

فارسی کے بہت سے حاصل مصدر اردو میں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے دانش

بنیش سازش نازش گزارش بخشش آمیزش آزمایش سوزش جوش

خروش۔ دانائی بینائی رسائی توانائی ناز انداز پرواز پندار شکن شگاف گریہ

زلیست دریافت برداشت۔ بازگشت پیش رفت فروگزاشت جستجو گفتگو آمد و رفت

خرید و فروخت نشست و برخاست زود کوب پیچ و تاب سوز و گداز کشمکش خواہ مخواہ

کشاکش دسترس قدم بوس دیدار رفتار گفتار وغیرہ

بہت سے حاصل مصدر ہیں کہ مرزا رفیع سودا کی طبع جدت طراز کا نتیجہ ہیں اور بہت کم مستعمل ہیں جیسے پڑھنت اکڑنت لڑنت پھڑکنت لپٹنت وغیرہ

اسم حالیہ

وہ اسم ہی جو فاعل یا مفعول کی حالت ظاہر کرے۔

قاعدہ ۔ مصدر کی علامت نا تا سے بدل دیتے ہیں یا یوں کہو کہ اسم حالیہ کا صیغہ ماضی شرطی کے صورت پر آتا ہی جیسے حامد مسکراتا جاتا تھا یعنی مسکرانے کی حالت میں جا رہا تھا

جمع مذکر میں اسم حالیہ کے آخر کا الف یاے مجہول سے اور واحد مونث میں یاے معروف سے بدل جاتا ہی۔ جمع مونث میں یاے معروف کے ساتھ نون غنہ بھی زیادہ کیا جاتا ہی جیسے مسکراتے مسکراتی مسکراتیں۔

کبھی لفظ ہوا بھی زیادہ کر دیتے ہیں جیسے خالد مسکراتا ہوا جاتا تھا جمع اور مونثات میں ہوا کا الف بھی صیغے کے آخر میں الف کی طرح یاے مجہول اور معروف سے بدل جاتا ہی لیکن صیغہ جمع مونث میں نون غنہ لفظ ہوئیں میں ہوتا ہی اصل صیغے میں نہیں ہوتا۔ جیسے مسکراتے ہوئے مسکراتی ہوئی مسکراتی ہوئیں۔

فائدہ ۔ جب اسم حالیہ فعل لازم کے فاعل واحد سے حال پڑے تو اسمیں کچھ تغیر نہیں ہوتا جیسے زید ہنستا جاتا تھا یا ہنستا ہوا جاتا تھا۔ اور جب مکرر ہو تو ہوا کا لفظ نہیں آتا جیسے **بیت**

یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

اور اگر متعدی فعل کے فاعل سے حال واقع ہو تو مکرر ہوگا اور آخر کا الف یاے مجہول سے بدل جائے گا جیسے **شعر**

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہگاروں کو رو دیا دیکھ کے جلاد نے زنداں خالی

لیکن اگر ہوا کا لفظ ساتھ ہو تو مکرر نہیں ہوگا - اور ہوا کا الف بھی یاے مجہول سے بدل جائیگا جیسے زید نے عمرو سے ہنستے ہوے کہا اور اگر مفعول سے حال ٹہرے تو الف یاے مجہول سے بدل جاتا ہی لیکن مکرر نہیں آتا جیسے شعر

کدورت کب جگہ پاتی ہی دل میں صاف طینت کے ‏ نہ دیکھا گرد کو جتے کبھی دریا کے دامن پر

فارسی اسم حالیہ بھی اُردو میں مستعمل ہیں جیسے اُفتاں خیزاں گریاں خنداں بیت

گرا اُفتاں و خیزاں سدھائے بھی اب ہم ‏ تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مشتقات کی بحث ختم ہوئی - لیکن طلبہ کی مشق کے لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِس مقام پر مشہور اور کثیر الاستعمال مصادر اور اُن کے افعال ماضی مطلق اور مضارع اور حال اور مستقبل اور امر اور نہی کا ایک ایک صیغہ بھی لکھ دیں۔

الف

مصدر	ماضی مطلق	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
آنا	آیا	آئے	آتا ہے	آئے گا	آ	نہ آ - مت آ
آزمانا	آزمایا	آزمائے	آزماتا ہے	آزمائے گا	آزما	نہ آزما - مت آزما
اُبلنا	اُبلا	اُبلے	اُبلتا ہے	ابلے گا	ابل	نہ ابل - مت ابل
ابھرنا	ابھرا	ابھرے	اُبھرتا ہے	ابھرے گا	ابھر	نہ ابھر - مت ابھر
ابھرنا	ابھرا	ابھرے	ابھرتا ہے	ابھرے گا	ابھر	نہ ابھر - مت ابھر
اُبھارنا	ابھارا	ابھارے	ابھارتا ہی	ابھارے گا	ابھار	نہ ابھار - مت ابھار
اپھرنا	اپھرا	اپھرے	اپھرتا ہی	اپھرے گا	اپھر	نہ اپھر - مت اپھر
اُترنا	اترا	اترے	اترتا ہی	اترے گا	اتر	نہ اتر - مت اتر
اُتارنا	اتارا	اتارے	اتارتا ہی	اتارے گا	اتار	نہ اتار - مت اتار
اتروانا	اتروایا	اتروائے	اترواتا ہی	اتروائے گا	اتروا	نہ اتروا - مت اتروا

مصدر	ماضی مطلق	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
اترانا	اترایا	اترائے	اتراتا ہی	اترائے گا	اترا	نہ اترا - مت اترا
اَٹنا	اٹا	اٹے	اٹتا ہی	اٹے گا	اٹ	نہ اٹ - مت اٹ
اٹکنا	اٹکا	اٹکے	اٹکتا ہی	اٹکے گا	اٹک	نہ اٹک - مت اٹک
اٹکانا	اٹکایا	اٹکائے	اٹکاتا ہی	اٹکائے گا	اٹکا	نہ اٹکا - مت اٹکا
اُٹھنا	اٹھا	اٹھے	اٹھتا ہی	اُٹھے گا	اٹھ	نہ اٹھ - مت اُٹھ
اُٹھانا	اُٹھایا	اٹھائے	اٹھاتا ہی	اٹھائے گا	اٹھا	نہ اٹھا - مت اٹھا
اٹھوانا	اٹھوایا	اٹھوائے	اٹھواتا ہی	اٹھوائے گا	اٹھوا	نہ اٹھوا - مت اٹھوا
اُڑنا	اڑا	اڑے	اڑتا ہی	اڑے گا	اڑ	نہ اڑ - مت اڑ
اُڑانا	اڑایا	اڑائے	اڑاتا ہی	اڑائے گا	اڑا	نہ اڑا - مت اڑا
اڑنا	اڑا	اڑے	اڑتا ہی	اڑے گا	اڑ	نہ اڑ - مت اڑ
اکتانا	اکتایا	اکتائے	اکتاتا ہی	اکتائے گا	اکتا	نہ اکتا - مت اکتا
اکسانا	اکسایا	اکسائے	اکساتا ہی	اکسائے گا	اکسا	نہ اکسا - مت اکسا
اُگنا	اگا	اُگے	اگتا ہی	اُگے گا	اگ	نہ اگ - مت اُگ
اُگانا	اگایا	اگائے	اگاتا ہی	اگائے گا	اگا	نہ اگا - مت اگا
الجھنا	الجھا	الجھے	الجھتا ہی	الجھے گا	الجھ	نہ الجھ - مت الجھ
الجھانا	الجھایا	الجھائے	الجھاتا ہی	الجھائے گا	الجھا	نہ الجھا - مت الجھا
اونگھنا	اونگھا	اونگھے	اونگھتا ہی	اونگھے گا	اونگھ	نہ اونگھ - مت اونگھ
اینٹھنا	اینٹھا	اینٹھے	اینٹھتا ہی	اینٹھے گا	اینٹھ	نہ اینٹھ - مت اینٹھ
ب						
باندھنا[1]	باندھا	باندھے	باندھتا ہی	باندھے گا	باندھ	نہ باندھ - مت باندھ

[1] ان مصادر کی ترکیب بہ لحاظ ترتیب حروف تہجی ہی اسی واسطے لازم کہیں ہی اور متعدی کہیں اور متعدی المتعدی کہیں - باندھنا متعدی ہی اور ردیف ب میں سب سے پہلے آیا ہی بندھنا جو اس کا لازم ہی وہ ردیف کے آخر میں بنتا وغیرہ کے ساتھ ہی اسی طرح بکنا کہیں ہی اور بیچنا کہیں اور بکوانا کہیں اور بھیجنا کہیں۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بانٹنا	بانٹ	بانٹے	بانٹتا ہی	بانٹے گا	بانٹ	نہ بانٹ - مت بانٹ
بتانا	بتایا	بتاے	بتاتا ہی	بتاے گا	بتا	نہ بتا - مت بتا
بٹھانا	بٹھایا	بٹھاے	بٹھاتا ہی	بٹھاے گا	بٹھا	نہ بٹھا - مت بٹھا
بجنا	بجا	بجے	بجتا ہے	بجے گا	بج	نہ بج - مت بج
بجانا	بجایا	بجاے	بجاتا ہی	بجاے گا	بجا	نہ بجا - مت بجا
بجھنا	بجھا	بجھے	بجھتا ہی	بجھے گا	بجھ	نہ بجھ - مت بجھ
بجھانا	بجھایا	بجھاے	بجھاتا ہی	بجھاے گا	بجھا	نہ بجھا - مت بجھا
بچنا	بچا	بچے	بچتا ہی	بچے گا	بچ	نہ بچ - مت بچ
بچانا	بچایا	بچاے	بچاتا ہی	بچاے گا	بچا	نہ بچا - مت بچا
بچھنا	بچھا	بچھے	بچھتا ہی	بچھے	بچھ	نہ بچھ - مت بچھ
بچھانا	بچھایا	بچھائے	بچھاتا ہی	بچھاے گا	بچھا	نہ بچھا - مت بچھا
بجثنا	بجثا	بجثے	بجثتا ہی	بجثے گا	بجث	نہ بجث - مت بجث
بخشنا	بخشا	بخشے	بخشتا ہی	بخشے گا	بخش	نہ بخش - مت بخش
بخشوانا	بخشوایا	بخشواے	بخشواتا ہی	بخشواے گا	بخشوا	نہ بخشوا - مت بخشوا
بدلنا	بدلا	بدلے	بدلتا ہی	بدلے گا	بدل	نہ بدل - مت بدل
بدلوانا	بدلوایا	بدلوائے	بدلواتا ہی	بدلوائے گا	بدلوا	نہ بدلوا - مت بدلوا
برتنا	برتا	برتے	برتتا ہی	برتے گا	برت	نہ برت - مت برت
برسنا	برسا	برسے	برستا ہی	برسے گا	برس	نہ برس - مت برس
برسانا	برسایا	برسائے	برساتا ہی	برسائے گا	برسا	نہ برسا - مت برسا
بڑھنا	بڑھا	بڑھے	بڑھتا ہی	بڑھے گا	بڑھ	نہ بڑھ - مت بڑھ
بڑھانا	بڑھایا	بڑھائے	بڑھاتا ہی	ھاے گا	بڑھا	نہ بڑھا - مت بڑھا
بڑبڑانا	بڑبڑایا	بڑبڑائے	بڑبڑاتا ہی	بڑبڑائے گا	بڑبڑا	نہ بڑبڑا - مت بڑبڑا
بسنا	بسا	بسے	بستا ہی	بسے گا	بس	نہ بس - مت بس

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بسانا	بسایا	بسائے	بساتا ہی	بسائے گا	بسا	نہ بسا۔ مت بسا
بکھرنا	بکھرا	بکھرے	بکھرتا ہی	بکھرے گا	بکھر	نہ بکھر۔ مت بکھر
بکھیرنا	بکھیرا	بکھیرے	بکھیرتا ہی	بکھیرے گا	بکھیر	نہ بکھیر۔ مت بکھیر
بَکنا	بَکا	بَکے	بَکتا ہی	بَکے گا	بَک	نہ بَک۔ مت بَک
بِکنا	بِکا	بِکے	بِکتا ہی	بِکے گا	بِک	نہ بِک۔ مت بِک
بکوانا	بکوایا	بکوائے	بکواتا ہی	بکوائے گا	بکوا	نہ بکوا۔ مت بکوا
بِگڑنا	بِگڑا	بِگڑے	بِگڑتا ہی	بِگڑے گا	بِگڑ	نہ بِگڑ۔ مت بِگڑ
بگاڑنا	بگاڑا	بگاڑے	بگاڑتا ہی	بگاڑے گا	بگاڑ	نہ بگاڑ۔ مت بگاڑ
بلانا	بلایا	بلائے	بلاتا ہی	بلائے گا	بلا	نہ بلا۔ مت بلا
بِلکنا	بلکا	بلکے	بلکتا ہی	بلکے گا	بلک	نہ بلک۔ مت بلک
بلوانا	بلوایا	بلوائے	بلواتا ہی	بلوائے گا	بلوا	نہ بلوا۔ مت بلوا
بلونا[۱]	بلویا	بلوئے	بلوتا ہی	بلوئے گا	بلو	نہ بلو۔ مت بلو
بلبلانا	بلبلایا	بلبلائے	بلبلاتا ہی	بلبلائے گا	بلبلا	نہ بلبلا۔ مت بلبلا
بَننا	بنا	بنے	بنتا ہی	بنے گا	بن	نہ بن۔ مت بن
بنانا	بنایا	بنائے	بناتا ہی	بنائے گا	بنا	نہ بنا۔ مت بنا
بنوانا	بنوایا	بنوائے	بنواتا ہی	بنوائے گا	بنوا	نہ بنوا۔ مت بنوا
بُننا	بُنا	بُنے	بُنتا ہی	بُنے گا	بن	نہ بن۔ مت بن
بنوانا	بنوایا	بنوائے	بنواتا ہی	بنوائے گا	بنوا	نہ بنوا۔ مت بنوا
بندھنا	بندھا	بندھے	بندھتا ہی	بندھتا ہی	بندھ	نہ بندھ۔ مت بندھ
بندھوانا	بندھوایا	بندھوائے	بندھواتا ہی	بندھوائیگا	بندھوا	نہ بندھوا۔ مت بندھوا
بونا	بویا	بوئے	بوتا ہی	بوئے گا	بو	نہ بو۔ مت بو
بوانا	بوایا	بوائے	بواتا ہی	بوائے گا	بوا	نہ بوا۔ مت بوا

[۱] پنجابی رڑکنا۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بوجھنا	بوجھا	بوجھے	بوجھتا ہی	بوجھے گا	بوجھ	نہ بوجھ - مت بوجھ
بولنا	بولا	بولے	بولتا ہی	بولے گا	بول	نہ بول - مت بول
بہکنا	بہکا	بہکے	بہکتا ہی	بہکے گا	بہک	نہ بہک - مت بہک
بہکانا	بہکایا	بہکائے	بہکاتا ہی	بہکائے گا	بہکا	نہ بہکا - مت بہکا
بہنا	بہا	بہے	بہتا ہی	بہے گا	بہہ	نہ بہہ - مت بہہ
بہلنا	بہلا	بہلے	بہلتا ہی	بہلے گا	بہل	نہ بہل - مت بہل
بہلانا	بہلایا	بہلائے	بہلاتا ہی	بہلائے گا	بہلا	نہ بہلا - مت بہلا
بیٹھنا	بیٹھا	بیٹھے	بیٹھتا ہی	بیٹھے گا	بیٹھ	نہ بیٹھ - مت بیٹھ
بیچنا	بیچا	بیچے	بیچتا ہی	بیچے گا	بیچ	نہ بیچ - مت بیچ
بیلنا	بیلا	بیلے	بیلتا ہی	بیلے گا	بیل	نہ بیل - مت بیل
			بھ			
بھاگنا	بھاگا	بھاگے	بھاگتا ہی	بھاگے گا	بھاگ	نہ بھاگ - مت بھاگ
بھجوانا	بھجوایا	بھجوائے	بھجواتا ہی	بھجوائے گا	بھجوا	نہ بھجوا - مت بھجوا
بھرنا	بھرا	بھرے	بھرتا ہی	بھرے گا	بھر	نہ بھر - مت بھر
بھروانا	بھروایا	بھروائے	بھرواتا ہی	بھروائے گا	بھروا	نہ بھروا - مت بھروا
بھڑکنا	بھڑکا	بھڑکے	بھڑکتا ہی	بھڑکے گا	بھڑک	نہ بھڑک - مت بھڑک
بھگانا	بھگایا	بھگائے	بھگاتا ہی	بھگائے گا	بھگا	نہ بھگا - مت بھگا
بھگونا	بھگویا	بھگوئے	بھگوتا ہی	بھگوئے گا	بھگو	نہ بھگو - مت بھگو
بھلانا	بھلایا	بھلائے	بھلاتا ہی	بھلائے گا	بھلا	نہ بھلا - مت بھلا
بھنانا	بھنایا	بھنائے	بھناتا ہی	بھنائے گا	بھنا	نہ بھنا - مت بھنا
بھولنا	بھولا	بھولے	بھولتا ہی	بھولے گا	بھول	نہ بھول - مت بھول
بھونکنا	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہی	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک - مت بھونک

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بھونکنا[1]	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہی	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک۔ مت بھونک
بھیگنا	بھیگا	بھیگے	بھیگتا ہی	بھیگے گا	بھیگ	نہ بھیگ۔ مت بھیگ
بھیجنا	بھیجا	بھیجے	بھیجتا ہی	بھیجے گا	بھیج	نہ بھیج۔ مت بھیج
			پ			
پانا	پایا	پائے	پاتا ہی	پائے گا	پا	نہ پا۔ مت پا
پاٹنا	پاٹا	پاٹے	پاٹتا ہی	پاٹے گا	پاٹ	نہ پاٹ۔ مت پاٹ
پالنا	پالا	پالے	پالتا ہی	پالے گا	پال	نہ پال۔ مت پال
پتھرانا	پتھرایا	پتھرائے	پتھراتا ہی	پتھرائے گا	پتھرا	نہ پتھرا۔ مت پتھرا
پچنا	پچا	پچے	پچتا ہی	پچے گا	پچ	نہ پچ۔ مت پچ
پچپنا	پچپا	پچپے	پچپتا ہی	پچپے گا	پچپ	نہ پچپ۔ مت پچپ
پچانا	پچایا	پچائے	پچاتا ہی	پچائے گا	پچا	نہ پچا۔ مت پچا
پرونا	پرویا	پروئے	پروتا ہی	پروئے گا	پرو	نہ پرو۔ مت پرو
پڑنا	پڑا	پڑے	پڑتا ہی	پڑے گا	پڑ	نہ پڑ۔ مت پڑ
پڑھنا	پڑھا	پڑھے	پڑھتا ہی	پڑھے گا	پڑھ	نہ پڑھ۔ مت پڑھ
پڑھانا	پڑھایا	پڑھائے	پڑھاتا ہی	پڑھائے گا	پڑھا	نہ پڑھا۔ مت پڑھا
پڑھوانا	پڑھوایا	پڑھوائے	پڑھواتا ہی	پڑھوائے گا	پڑھوا	نہ پڑھوا۔ مت پڑھوا
پسیجنا	پسیجا	پسیجے	پسیجتا ہی	پسیجے گا	پسیج	نہ پسیج۔ مت پسیج
پسنا	پسا	پسے	پستا ہی	پسے گا	پس	نہ پس۔ مت پس
پسوانا	پسوایا	پسوائے	پسواتا ہی	پسوائے گا	پسوا	نہ پسوا۔ مت پسوا
پکنا	پکا	پکے	پکتا ہی	پکے گا	پک	نہ پک۔ مت پک
پکانا	پکایا	پکائے	پکاتا ہی	پکائے گا	پکا	نہ پکا۔ مت پکا

[1] بھونکنا بالضم چبھونا گھونپنا یہ لفظ چھری وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہی جیسے چھری بھونکنا۔ بھالا بھونکنا۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پکوانا	پکوایا	پکوائے	پکواتا ہے	پکوائیگا	پکوا	نہ پکوا - مت پکوا
پکڑنا	پکڑا	پکڑے	پکڑتا ہے	پکڑے گا	پکڑ	نہ پکڑ - مت پکڑ
پکڑانا	پکڑایا	پکڑائے	پکڑاتا ہے	پکڑائیگا	پکڑا	نہ پکڑا - مت پکڑا
پکڑوانا	پکڑوایا	پکڑوائے	پکڑواتا ہے	پکڑوائیگا	پکڑوا	نہ پکڑوا - مت پکڑوا
پگھلنا	پگھلا	پگھلے	پگھلتا ہے	پگھلے گا	پگھل	نہ پگھل - مت پگھل
پگھلانا	پگھلایا	پگھلائے	پگھلاتا ہے	پگھلائیگا	پگھلا	نہ پگھلا - مت پگھلا
پلانا	پلایا	پلائے	پلاتا ہے	پلائے گا	پلا	نہ پلا - مت پلا
پلوانا	پلوایا	پلوائے	پلواتا ہے	پلوائیگا	پلوا	نہ پلوا - مت پلوا
پلنا	پلا	پلے	پلتا ہے	پلے گا	پل	نہ پل - مت پل
پیٹنا	پیٹا	پیٹے	پیٹتا ہے	پیٹے گا	پیٹ	نہ پیٹ - مت پیٹ
پوجنا	پوجا	پوجے	پوجتا ہے	پوجے گا	پوج	نہ پوج - مت پوج
پوچھنا	پوچھا	پوچھے	پوچھتا ہے	پوچھے گا	پوچھ	نہ پوچھ - مت پوچھ
پہچاننا	پہچانا	پہچانے	پہچانتا ہے	پہچانے گا	پہچان	نہ پہچان - مت پہچان
پہنچوانا	پہنچوایا	پہنچوائے	پہنچواتا ہے	پہنچوائے گا	پہنچوا	نہ پہنچوا - مت پہنچوا
پہنچنا	پہنچا	پہنچے	پہنچتا ہے	پہنچے گا	پہنچ	نہ پہنچ - مت پہنچ
پہنچانا	پہنچایا	پہنچائے	پہنچاتا ہے	پہنچائیگا	پہنچا	نہ پہنچا - مت پہنچا
پہننا	پہنا	پہنے	پہنتا ہے	پہنے گا	پہن	نہ پہن - مت پہن
پہنانا	پہنایا	پہنائے	پہناتا ہے	پہنائیگا	پہنا	نہ پہنا - مت پہنا
پیسنا	پیسا	پیسے	پیستا ہے	پیسے گا	پیس	نہ پیس - مت پیس
پینا	پیا	پیے	پیتا ہے	پیے گا	پی	نہ پی - مت پی
پیلنا	پیلا	پیلے	پیلتا ہے	پیلے گا	پیل	نہ پیل - مت پیل
			پھ			
پھاڑنا	پھاڑا	پھاڑے	پھاڑتا ہے	پھاڑے گا	پھاڑ	نہ پھاڑ - مت پھاڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پھبنا	پھبا	پھبے	پھبتا ہی	پھبے گا	پھب	نہ پھب ۔ مت پھب
پھٹنا	پھٹا	پھٹے	پھٹتا ہی	پھٹے گا	پھٹ	نہ پھٹ ۔ مت پھٹ
پھرنا	پھرا	پھرے	پھرتا ہی	پھرے گا	پھر	نہ پھر ۔ مت پھر
پھرانا	پھرایا	پھرائے	پھراتا ہی	پھرائے گا	پھرا	نہ پھرا ۔ مت پھرا
پھسلنا	پھسلا	پھسلے	پھسلتا ہی	پھسلے گا	پھسل	نہ پھسل ۔ مت پھسل
پھسلانا	پھسلایا	پھسلائے	پھسلاتا ہی	پھسلائے گا	پھسلا	نہ پھسلا ۔ مت پھسلا
پھکوانا	پھکوایا	پھکوائے	پھکواتا ہی	پھکوائے گا	پھکوا	نہ پھکوا ۔ مت پھکوا
پھنسنا	پھنسا	پھنسے	پھنستا ہی	پھنسے گا	پھنس	نہ پھنس ۔ مت پھنس
پھنسانا	پھنسایا	پھنسائے	پھنساتا ہی	پھنسائیگا	پھنسا	نہ پھنسا ۔ مت پھنسا
پھوڑنا	پھوڑا	پھوڑے	پھوڑتا ہی	پھوڑے گا	پھوڑ	نہ پھوڑ ۔ مت پھوڑ
پھولنا	پھولا	پھولے	پھولتا ہی	پھولے گا	پھول	نہ پھول ۔ مت پھول
پھونکنا	پھونکا	پھونکے	پھونکتا ہی	پھونکے گا	پھونک	نہ پھونک ۔ مت پھونک
پھیرنا	پھیرا	پھیرے	پھیرتا ہی	پھیرے گا	پھیر	نہ پھیر ۔ مت پھیر
پھینکنا	پھینکا	پھینکے	پھینکتا ہی	پھینکے گا	پھینک	نہ پھینک ۔ مت پھینک
پھیلنا	پھیلا	پھیلے	پھیلتا ہی	پھیلے گا	پھیل	نہ پھیل ۔ مت پھیل
پھیلانا	پھیلایا	پھیلائے	پھیلاتا ہی	پھیلائیگا	پھیلا	نہ پھیلا ۔ مت پھیلا

ت

تاپنا	تاپا	تاپے	تاپتا ہی	تاپے گا	تاپ	نہ تاپ ۔ مت تاپ
تاکنا	تاکا	تاکے	تاکتا ہی	تاکے گا	تاک	نہ تاک ۔ مت تاک
تاننا	تانا	تانے	تانتا ہی	تانے گا	تان	نہ تان ۔ مت تان
تپنا	تپا	تپے	تپتا ہی	تپے گا	تپ	نہ تپ ۔ مت تپ
تڑپنا	تڑپا	تڑپے	تڑپتا ہی	تڑپے گا	تڑپ	نہ تڑپ ۔ مت تڑپ
تڑپانا	تڑپایا	تڑپائے	تڑپاتا ہی	تڑپائیگا	تڑپا	نہ تڑپا ۔ مت تڑپا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
تڑانا	تڑایا	تڑائے	تڑاتا ہی	تڑائے گا	تڑا	نہ تڑا - مت تڑا
تڑوانا	تڑوایا	تڑوائے	تڑواتا ہی	تڑوائے گا	تڑوا	نہ تڑوا - مت تڑوا
تکنا	تکا	تکے	تکتا ہی	تکے گا	تک	نہ تک - مت تک
تلنا	تلا	تلے	تلتا ہی	تلے گا	تل	نہ تل - مت تل
تلملانا	تلملایا	تلملائے	تلملاتا ہی	تلملائے گا	تلملا	نہ تلملا - مت تلملا
تلوانا	تلوایا	تلولے	تلواتا ہی	تلوائے گا	تلوا	نہ تلوا - مت تلوا
تننا	تنا	تنے	تنتا ہی	تنے گا	تن	نہ تن - مت تن
توڑنا	توڑا	توڑے	توڑتا ہی	توڑے گا	توڑ	نہ توڑ - مت توڑ
تولنا	تولا	تولے	تولتا ہی	تولے گا	تول	نہ تول - مت تول
تیرنا	تیرا	تیرے	تیرتا ہی	تیرے گا	تیر	نہ تیر - مت تیر
			تھ			
تھامنا	تھاما	تھامے	تھامتا ہی	تھامے گا	تھام	نہ تھام - مت تھام
تھکنا	تھکا	تھکے	تھکتا ہی	تھکے گا	تھک	نہ تھک - مت تھک
تھکانا	تھکایا	تھکائے	تھکاتا ہی	تھکائے گا	تھکا	نہ تھکا - مت تھکا
تھمنا	تھما	تھمے	تھمتا ہی	تھمے گا	تھم	نہ تھم - مت تھم
			ٹ			
ٹالنا	ٹالا	ٹالے	ٹالتا ہی	ٹالے گا	ٹال	نہ ٹال - مت ٹال
ٹانکنا	ٹانکا	ٹانکے	ٹانکتا ہی	ٹانکے گا	ٹانک	نہ ٹانک - مت ٹانک
ٹپکنا	ٹپکا	ٹپکے	ٹپکتا ہی	ٹپکے گا	ٹپک	نہ ٹپک - مت ٹپک
ٹپکانا	ٹپکایا	ٹپکائے	ٹپکاتا ہی	ٹپکائیگا	ٹپکا	نہ ٹپکا - مت ٹپکا
ٹٹولنا	ٹٹولا	ٹٹولے	ٹٹولتا ہی	ٹٹولے گا	ٹٹول	نہ ٹٹول - مت ٹٹول

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ٹرانا	ٹرایا	ٹرائے	ٹراتا ہی	ٹرائے گا	ٹرا	نہ ٹرا۔ مت ٹرا
ٹوٹنا	ٹوٹا	ٹوٹے	ٹوٹتا ہے	ٹوٹے گا	ٹوٹ	نہ ٹوٹ۔ مت ٹوٹ
ٹوکنا	ٹوکا	ٹوکے	ٹوکتا ہی	ٹوکے گا	ٹوک	نہ ٹوک۔ مت ٹوک
ٹہلنا	ٹہلا	ٹہلے	ٹہلتا ہی	ٹہلے گا	ٹہل	نہ ٹہل۔ مت ٹہل
ٹیکنا	ٹیکا	ٹیکے	ٹیکتا ہی	ٹیکے گا	ٹیک	نہ ٹیک۔ مت ٹیک

ٹھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ٹھاننا	ٹھانا	ٹھانے	ٹھانتا ہی	ٹھانے گا	ٹھان	نہ ٹھان۔ مت ٹھان
ٹھرنا	ٹھرا	ٹھرے	ٹھرتا ہی	ٹھرے گا	ٹھر	نہ ٹھر۔ مت ٹھر
ٹھکرانا	ٹھکرایا	ٹھکرائے	ٹھکراتا ہی	ٹھکرائیگا	ٹھکرا	نہ ٹھکرا۔ مت ٹھکرا
ٹھونکنا	ٹھونکا	ٹھونکے	ٹھونکتا ہی	ٹھونکے گا	ٹھونک	نہ ٹھونک۔ مت ٹھونک
ٹھیرنا یا ٹھہرنا	ٹھیرا یا ٹھہرا	ٹھیرے یا ٹھہرے	ٹھیرتا ہی یا ٹھہرتا ہی	ٹھیرے گا یا ٹھہرے گا	ٹھیر یا ٹھہر	نہ ٹھیر۔ مت ٹھیر یا نہ ٹھہر۔ مت ٹھہر
ٹھیرانا یا ٹھہرانا	ٹھیرایا یا ٹھہرایا	ٹھیرائے یا ٹھہراتے	ٹھیراتا ہی یا ٹھہراتا ہی	ٹھیرائے گا یا ٹھہرائے گا	ٹھیرا یا ٹھہرا	نہ ٹھیرا۔ مت ٹھیرا یا نہ ٹھہرا۔ مت ٹھہرا

ج

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
جانا	گیا	جائے	جاتا ہی	جائے گا	جا	نہ جا۔ مت جا
جاننا	جانا	جانے	جانتا ہی	جانے گا	جان	نہ جان۔ مت جان
جانچنا	جانچا	جانچے	جانچتا ہی	جانچے گا	جانچ	نہ جانچ۔ مت جانچ
جتانا	جتایا	جتائے	جتاتا ہی	جتائے گا	جتا	نہ جتا۔ مت جتا
جچنا	جچا	جچے	جچتا ہی	جچے گا	جچ	نہ جچ۔ مت جچ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
جڑنا	جڑا	جڑے	جڑتا ہی	جڑے گا	جڑ	نہ جڑ۔ مت جڑ
جڑوانا	جڑوایا	جڑوائے	جڑواتا ہی	جڑوائے گا	جڑوا	نہ جڑوا۔ مت جڑوا
جُڑنا	جڑا	جڑے	جڑتا ہی	جڑے گا	جڑ	نہ جڑ۔ مت جڑ
جُڑوانا	جڑوایا	جڑوائے	جڑواتا ہی	جڑوائے گا	جڑوا	نہ جڑوا۔ مت جڑوا
جلنا	جلا	جلے	جلتا ہی	جلے گا	جل	نہ جل۔ مت جل
جلانا	جلایا	جلائے	جلاتا ہی	جلائے گا	جلا	نہ جلا۔ مت جلا
جلوانا	جلوایا	جلوائے	جلواتا ہی	جلوائے گا	جلوا	نہ جلوا۔ مت جلوا
جِلانا	جلایا	جلائے	جلاتا ہی	جلائے گا	جلا	نہ جلا۔ مت جلا
جمنا	جما	جمے	جمتا ہی	جمے گا	جم	نہ جم۔ مت جم
جوڑنا	جوڑا	جوڑے	جوڑتا ہی	جوڑے	جوڑ	نہ جوڑ۔ مت جوڑ
جیتنا	جیتا	جیتے	جیتتا ہی	جیتے گا	جیت	نہ جیت۔ مت جیت
جینا	جیا	جیے	جیتا ہی	جیے گا	جی	نہ جی۔ مت جی
			جھ			
جھاڑنا	جھاڑا	جھاڑے	جھاڑتا ہی	جھاڑے گا	جھاڑ	نہ جھاڑ۔ مت جھاڑ
جھانکنا	جھانکا	جھانکے	جھانکتا ہی	جھانکے گا	جھانک	نہ جھانک۔ مت جھانک
جھپکنا	جھپکا	جھپکے	جھپکتا ہی	جھپکیگا	جھپک	نہ جھپک۔ مت جھپک
جھڑنا	جھڑا	جھڑے	جھڑتا ہی	جھڑے گا	جھڑ	نہ جھڑ۔ مت جھڑ
جھکنا	جھکا	جھکے	جھکتا ہی	جھکے گا	جھک	نہ جھک۔ مت جھک
جھکانا	جھکانا	جھکائے	جھکاتا ہی	جھکائیگا	جھکا	نہ جھکا۔ مت جھکا
جھلسنا	جھلسا	جھلسے	جھلستا ہی	جھلسے گا	جھلس	نہ جھلس۔ مت جھلس
جھلّانا	جھلانا	جھلائے	جھلاتا ہی	جھلائیگا	جھلا	نہ جھلا۔ مت جھلا
جھنجلانا	جھنجلایا	جھنجلائے	جھنجلاتا ہی	جھنجلائیگا	جھنجلا	نہ جھنجلا۔ مت جھنجلا
جھونکنا	جھونکا	جھونکے	جھونکتا ہی	جھونکے گا	جھونک	نہ جھونک۔ مت جھونک

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
جھیلنا	جھیلا	جھیلے	جھیلتا ہی	جھیلے گا	جھیل	نہ جھیل مت جھیل
چھینکنا	چھینکا	چھینکے	چھینکتا ہی	چھینکے گا	چھینک	نہ چھینک۔ مت چھینک
			چ			
چاٹنا	چاٹا	چاٹے	چاٹتا ہی	چاٹے گا	چاٹ	نہ چاٹ۔ مت چاٹ
چاہنا	چاہا	چاہے	چاہتا ہی	چاہے گا	چاہ	نہ چاہ مت چاہ
چبانا	چبایا	چباے	چباتا ہی	چباے گا	چبا	نہ چبا۔ مت چبا
چبھنا	چبھا	چبھے	چبھتا ہی	چبھے گا	چبھ	نہ چبھ۔ مت چبھ
چبھونا	چبھویا	چبھوے	چبھوتا ہی	چبھوئیگا	چبھو	نہ چبھو۔ مت چبھو
چپکنا	چپکا	چپکے	چپکتا ہی	چپکے گا	چپک	نہ چپک۔ مت چپک
چپکانا	چپکایا	چپکاے	چپکاتا ہی	چپکاے گا	چپکا	نہ چپکا۔ مت چپکا
چٹکنا	چٹکا	چٹکے	چٹکتا ہی	چٹکے گا	چٹک	نہ چٹک مت چٹک
چٹانا	چٹایا	چٹاے	چٹاتا ہی	چٹاے گا	چٹا	نہ چٹا۔ مت چٹا
چچوڑنا	چچوڑا	چچوڑے	چچوڑتا ہی	چچوڑے گا	چچوڑ	نہ چچوڑ۔ مت چچوڑ
چرنا	چرا	چرے	چرتا ہی	چرے گا	چر	نہ چر۔ مت چر
چرانا	چرایا	چراے	چراتا ہی	چراے گا	چرا	نہ چرا۔ مت چرا
چُرانا	چرایا	چراے	چراتا ہی	چراے گا	چرا	نہ چرا۔ مت چرا
چڑھنا	چڑھا	چڑھے	چڑھتا ہی	چڑھے گا	چڑھ	نہ چڑھ مت چڑھ
چڑھوانا	چڑھوایا	چڑھواے	چڑھواتا ہی	چڑھوائیگا	چڑھوا	نہ چڑھوا۔ مت چڑھوا
چڑھانا	چڑھایا	چڑھاے	چڑھاتا ہی	چڑھائے گا	چڑھا	نہ چڑھا۔ مت چڑھا
چکرانا	چکرایا	چکراے	چکراتا ہی	چکراے گا	چکرا	نہ چکرا۔ مت چکرا
چکھنا	چکھا	چکھے	چکھتا ہی	چکھے گا	چکھ	نہ چکھ۔ مت چکھ
چکھانا	چکھایا	چکھاے	چکھاتا ہی	چکھائیگا	چکھا	نہ چکھا۔ مت چکھا
چلنا	چلا	چلے	چلتا ہی	چلے گا	چل	نہ چل۔ مت چل

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چلانا	چلایا	چلائے	چلاتا ہے	چلائے گا	چلا	نہ چلا۔ مت چلا
چلّانا	چلایا	چلائے	چلاتا ہے	چلائے گا	چلا	نہ چلا۔ مت چلا
چمٹنا	چمٹا	چمٹے	چمٹتا ہے	چمٹے گا	چمٹ	نہ چمٹ۔ مت چمٹ
چمکنا	چمکا	چمکے	چمکتا ہے	چمکے گا	چمک	نہ چمک۔ مت چمک
چمکانا	چمکایا	چمکائے	چمکاتا ہے	چمکائے گا	چمکا	نہ چمکا۔ مت چمکا
چمکارنا	چمکارا	چمکارے	چمکارتا ہے	چمکارے گا	چمکار	نہ چمکار۔ مت چمکار
چنگھاڑنا	چنگھاڑا	چنگھاڑے	چنگھاڑتا ہے	چنگھاڑے گا	چنگھاڑ	نہ چنگھاڑ۔ مت چنگھاڑ
چننا	چنا	چنے	چنتا ہے	چنے گا	چن	نہ چن۔ مت چن
چوسنا	چوسا	چوسے	چوستا ہے	چوسے گا	چوس	نہ چوس۔ مت چوس
چومنا	چوما	چومے	چومتا ہے	چومے گا	چوم	نہ چوم۔ مت چوم
چہچہانا	چہچہایا	چہچہائے	چہچہاتا ہے	چہچہائے گا	چہچہا	نہ چہچہا۔ مت چہچہا
چیخنا	چیخا	چیخے	چیختا ہے	چیخے گا	چیخ	نہ چیخ۔ مت چیخ
چیرنا	چیرا	چیرے	چیرتا ہے	چیرے گا	چیر	نہ چیر۔ مت چیر
			چھ			
چھانا	چھایا	چھائے	چھاتا ہے	چھائے گا	چھا	نہ چھا۔ مت چھا
چھاپنا	چھاپا	چھاپے	چھاپتا ہے	چھاپے گا	چھاپ	نہ چھاپ۔ مت چھاپ
چھاننا	چھانا	چھانے	چھانتا ہے	چھانے گا	چھان	نہ چھان۔ مت چھان
چھپنا	چھپا	چھپے	چھپتا ہے	چھپے گا	چھپ	نہ چھپ۔ مت چھپ
چھپوانا	چھپوایا	چھپوائے	چھپواتا ہے	چھپوائے گا	چھپوا	نہ چھپوا۔ مت چھپوا
چھُپنا	چھپایا	چھپائے	چھپاتا ہے	چھپائے گا	چھپا	نہ چھپا۔ مت چھپا
چھٹنا	چھٹا	چھٹے	چھٹتا ہے	چھٹے گا	چھٹ	نہ چھٹ۔ مت چھٹ
چھپانا	چھپایا	چھپائے	چھپاتا ہے	چھپائے گا	چھپا	نہ چھپا۔ مت چھپا

چھونکا | چھونکے | چھونتا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چھدوانا	چھدوایا	چھدوائے	چھدواتا ہی	چھدوائے گا	چھدوا	نہ چھدوا ۔ مت چھدوا
چھڑنا	چھڑا	چھڑے	چھڑتا ہی	چھڑے گا	چھڑ	نہ چھڑ ۔ مت چھڑ
چھڑانا	چھڑایا	چھڑائے	چھڑاتا ہی	چھڑائے گا	چھڑا	نہ چھڑا ۔ مت چھڑا
چھڑکنا	چھڑکا	چھڑکے	چھڑکتا ہی	چھڑکے گا	چھڑک	نہ چھڑک ۔ مت چھڑک
چھڑکوانا	چھڑکوایا	چھڑکوائے	چھڑکواتا ہی	چھڑکوائیگا	چھڑکوا	نہ چھڑکوا ۔ مت چھڑکوا
چھنا	چھنا	چھنے	چھنتا ہی	چھنے گا	چھن	نہ چھن ۔ مت چھن
چھوٹنا	چھوٹا	چھوٹے	چھوٹتا ہی	چھوٹے گا	چھوٹ	نہ چھوٹ ۔ مت چھوٹ
چھوڑنا	چھوڑا	چھوڑے	چھوڑتا ہی	چھوڑے گا	چھوڑ	نہ چھوڑ ۔ مت چھوڑ
چھیدنا	چھیدا	چھیدے	چھیدتا ہی	چھیدے گا	چھید	نہ چھید ۔ مت چھید
چھیڑنا	چھیڑا	چھیڑے	چھیڑتا ہی	چھیڑے گا	چھیڑ	نہ چھیڑ ۔ مت چھیڑ
چھیلنا	چھیلا	چھیلے	چھیلتا ہی	چھیلے گا	چھیل	نہ چھیل ۔ مت چھیل
چھیننا	چھینا	چھینے	چھینتا ہی	چھینے گا	چھین	نہ چھین ۔ مت چھین
			خ			
خرادنا	خرادا	خرادے	خرادتا ہی	خرادے گا	خراد	نہ خراد ۔ مت خراد
خرچنا	خرچا	خرچے	خرچتا ہی	خرچے گا	خرچ	نہ خرچ ۔ مت خرچ
خریدنا	خریدا	خریدے	خریدتا ہی	خریدے گا	خرید	نہ خرید ۔ مت خرید
			د			
دابنا	دابا	دابے	دابتا ہی	دابے گا	داب	نہ داب ۔ مت داب
دبنا	دبا	دبے	دبتا ہی	دبے گا	دب	نہ دب ۔ مت دب
دبانا	دبایا	دبائے	دباتا ہی	دبائے گا	دبا	نہ دبا ۔ مت دبا
دکھنا	دکھا	دکھے	دکھتا ہی	دکھے گا	دکھ	نہ دکھ ۔ مت دکھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
دکھانا	دکھایا	دکھائے	دکھاتا ہی	دکھائے گا	دکھا	نہ دکھا۔ مت دکھا
دِکھانا	دِکھایا	دکھائے	دکھاتا ہی	دکھائے گا	دکھا	نہ دکھا۔ مت دکھا
دلانا	دلایا	دلائے	دلاتا ہی	دلائے گا	دلا	نہ دلا۔ مت دلا
دلنا	دلا	دلے	دلتا ہی	دلے گا	دل	نہ دل۔ مت دل
دوڑنا	دوڑا	دوڑے	دوڑتا ہی	دوڑے گا	دوڑ	نہ دوڑ۔ مت دوڑ
دوڑانا	دوڑایا	دوڑائے	دوڑاتا ہی	دوڑائے گا	دوڑا	نہ دوڑ۔ مت دوڑ
دہاڑنا	دہاڑا	دہاڑے	دہاڑتا ہی	دہاڑے گا	دہاڑ	نہ دہاڑ۔ مت دہاڑ
دہکنا	دہکا	دہکے	دہکتا ہی	دہکے گا	دہک	نہ دہک۔ مت دہک
دیکھنا	دیکھا	دیکھے	دیکھتا ہی	دیکھے گا	دیکھ	نہ دیکھ۔ مت دیکھ
دینا	دیا	دے	دیتا ہی	دے گا	دے	نہ دے۔ مت دے
			دھ			
دھرنا	دھرا	دھرے	دھرتا ہی	دھرے گا	دھر	نہ دھر۔ مت دھر
دھکیلنا	دھکیلا	دھکیلے	دھکیلتا ہی	دھکیلے گا	دھکیل	نہ دھکیل۔ مت دھکیل
دُھلوانا	دھلوایا	دھلوائے	دھلواتا ہی	دھلوائیگا	دھلوا	نہ دھلوا۔ مت دھلوا
دھنسنا	دھنسا	دھنسے	دھنستا ہی	دھنسے گا	دھنس	نہ دھنس۔ مت دھنس
دھونا	دھویا	دھوئے	دھوتا ہی	دھوئے گا	دھو	نہ دھو۔ مت دھو
			ڈ			
ڈالنا	ڈالا	ڈالے	ڈالتا ہی	ڈالے گا	ڈال	نہ ڈال۔ مت ڈال
ڈانٹنا	ڈانٹا	ڈانٹے	ڈانٹتا ہی	ڈانٹے گا	ڈانٹ	نہ ڈانٹ۔ مت ڈانٹ
ڈرنا	ڈرا	ڈرے	ڈرتا ہی	ڈرے گا	ڈر	نہ ڈر۔ مت ڈر
ڈرانا	ڈرایا	ڈرائے	ڈراتا ہی	ڈرائے گا	ڈرا	نہ ڈرا۔ مت ڈرا

جھونکا | جھونکے | جھونس

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ڈسنا	ڈسا	ڈسے	ڈستا ہی	ڈسے گا	ڈس	نہ ڈس۔ مت ڈس
ڈگمگانا	ڈگمگایا	ڈگمگائے	ڈگمگاتا ہی	ڈگمگائے گا	ڈگمگا	نہ ڈگمگا۔ مت ڈگمگا
ڈوبنا	ڈوبا	ڈوبے	ڈوبتا ہی	ڈوبے گا	ڈوب	نہ ڈوب۔ مت ڈوب
			ڈھ			
ڈھانپنا	ڈھانپا	ڈھانپے	ڈھانپتا ہی	ڈھانپے گا	ڈھانپ	نہ ڈھانپ۔ مت ڈھانپ
ڈھانکنا	ڈھانکا	ڈھانکے	ڈھانکتا ہی	ڈھانکے گا	ڈھانک	نہ ڈھانک۔ مت ڈھانک
ڈھلنا	ڈھلا	ڈھلے	ڈھلتا ہی	ڈھلے گا	ڈھل	نہ ڈھل۔ مت ڈھل
ڈھلکنا	ڈھلکا	ڈھلکے	ڈھلکتا ہی	ڈھلکے گا	ڈھلک	نہ ڈھلک۔ مت ڈھلک
ڈھونڈنا	ڈھونڈا	ڈھونڈے	ڈھونڈتا ہی	ڈھونڈے گا	ڈھونڈ	نہ ڈھونڈ۔ مت ڈھونڈ
ڈھونا	ڈھویا	ڈھوئے	ڈھوتا ہی	ڈھوئے گا	ڈھو	نہ ڈھو۔ مت ڈھو
			ر			
رٹنا	رٹا	رٹے	رٹتا ہی	رٹے گا	رٹ	نہ رٹ۔ مت رٹ
رکھنا	رکھا	رکھے	رکھتا ہی	رکھے گا	رکھ	نہ رکھ۔ مت رکھ
رکھوانا	رکھوایا	رکھوائے	رکھواتا ہی	رکھوائے گا	رکھوا	نہ رکھوا۔ مت رکھوا
رلانا	رلایا	رلائے	رلاتا ہی	رلائے گا	رلا	نہ رلا۔ مت رلا
رونا	رویا	روئے	روتا ہی	روئے گا	رو	نہ رو۔ مت رو
روٹھنا	روٹھا	روٹھے	روٹھتا ہی	روٹھے گا	روٹھ	نہ روٹھ۔ مت روٹھ
رہنا	رہا	رہے	رہتا ہی	رہے گا	رہ	نہ رہ۔ مت رہ
ریجھنا	ریجھا	ریجھے	ریجھتا ہی	ریجھے گا	ریجھ	نہ ریجھ۔ مت ریجھ
			س			
ستانا	ستایا	ستائے	ستاتا ہی	ستائیگا	ستا	نہ ستا۔ مت ستا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
سجنا	سجا	سجے	سجتا ہے	سجے گا	سج	نہ سج - مت سج
سجھانا	سجھایا	سجھاے	سجھاتا ہے	سجھاے گا	سجھا	نہ سجھا - مت سجھا
سکھانا	سکھایا	سکھاے	سکھاتا ہے	سکھاے گا	سکھا	نہ سکھا - مت سکھا
سُلانا	سلایا	سلاے	سلاتا ہے	سلاے گا	سلا	نہ سلا - مت سلا
سِلانا	سِلایا	سلاے	سلاتا ہے	سلاے گا	سلا	نہ سلا - مت سلا
سِلوانا	سلوایا	سلواے	سلواتا ہے	سلوایگا	سلوا	نہ سلوا - مت سلوا
سلجھنا	سلجھا	سلجھے	سلجھتا ہے	سلجھیگا	سلجھ	نہ سلجھ - مت سلجھ
سلجھانا	سلجھایا	سلجھاے	سلجھاتا ہے	سلجھاے گا	سلجھا	نہ سلجھا - مت سلجھا
سمانا	سمایا	سماے	سماتا ہے	سماے گا	سما	نہ سما - مت سما
سمجھنا	سمجھا	سمجھے	سمجھتا ہے	سمجھے گا	سمجھ	نہ سمجھ - مت سمجھ
سمجھانا	سمجھایا	سمجھاے	سمجھاتا ہے	سمجھائیگا	سمجھا	نہ سمجھا - مت سمجھا
سمٹنا	سمٹا	سمٹے	سمٹتا ہے	سمٹے گا	سمٹ	نہ سمٹ - مت سمٹ
سمیٹنا	سمیٹا	سمیٹے	سمیٹتا ہے	سمیٹے گا	سمیٹ	نہ سمیٹ - مت سمیٹ
سنورنا	سنورا	سنورے	سنورتا ہے	سنورے گا	سنور	نہ سنور - مت سنور
سنوارنا	سنوارا	سنوارے	سنوارتا ہے	سنوارے گا	سنوار	نہ سنوار - مت سنوار
سنبھلنا	سنبھلا	سنبھلے	سنبھلتا ہے	سنبھلیگا	سنبھل	نہ سنبھل - مت سنبھل
سنبھالنا	سنبھالا	سنبھالے	سنبھالتا ہے	سنبھالے گا	سنبھال	نہ سنبھال - مت سنبھال
سنگھانا	سنگھایا	سنگھاے	سنگھاتا ہے	سنگھاے گا	سنگھا	نہ سنگھا - مت سنگھا
سننا	سنا	سنے	سنتا ہے	سنے گا	سن	نہ سن - مت سن
سنانا	سنایا	سناے	سناتا ہے	سناے گا	سنا	نہ سنا - مت سنا
سونا	سویا	سوے	سوتا ہے	سوے	سو	نہ سو - مت سو
سوچنا	سوچا	سوچے	سوچتا ہے	سوچے گا	سوچ	نہ سوچ - مت سوچ
سوکھنا	سوکھا	سوکھے	سوکھتا ہے	سوکھے گا	سوکھ	نہ سوکھ - مت سوکھ

جھونکا	جھونکے	جھوں

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
سونپنا	سونپا	سونپے	سونپتا ہے	سونپے گا	سونپ	نہ سونپ۔ مت سونپ
سونگھنا	سونگھا	سونگھے	سونگھتا ہے	سونگھے گا	سونگھ	نہ سونگھ۔ مت سونگھ
سینا	سیا	سیئے	سیتا ہے	سیئے گا	سی	نہ سی۔ مت سی
سیکھنا	سیکھا	سیکھے	سیکھتا ہے	سیکھے گا	سیکھ	نہ سیکھ۔ مت سیکھ
			ش			
شرمانا	شرمایا	شرمائے	شرماتا ہے	شرمائے گا	شرما	نہ شرما۔ مت شرما
			غ			
غرانا	غرایا	غرائے	غراتا ہے	غرائے گا	غرا	نہ غرا۔ مت غرا
			ف			
فرمانا	فرمایا	فرمائے	فرماتا ہے	فرمائے گا	فرما	نہ فرما۔ مت فرما
			ق			
قبولنا	قبولا	قبولے	قبولتا ہے	قبولے گا	قبول	نہ قبول۔ مت قبول
			ک			
کاتنا	کاتا	کاتے	کاتتا ہے	کاتے گا	کات	نہ کات۔ مت کات
کاٹنا	کاٹا	کاٹے	کاٹتا ہے	کاٹے گا	کاٹ	نہ کاٹ۔ مت کاٹ
کانپنا	کانپا	کانپے	کانپتا ہے	کانپے گا	کانپ	نہ کانپ۔ مت کانپ
کاڑھنا	کاڑھا	کاڑھے	کاڑھتا ہے	کاڑھے گا	کاڑھ	نہ کاڑھ۔ مت کاڑھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
کتوانا	کتوایا	کتوائے	کتواتا ہی	کتوائے گا	کتوا	نہ کتوا۔ مت کتوا
کٹنا	کٹا	کٹے	کٹتا ہی	کٹے گا	کٹ	نہ کٹ۔ مت کٹ
کٹانا	کٹایا	کٹائے	کٹاتا ہی	کٹائے گا	کٹا	نہ کٹا۔ مت کٹا
کٹوانا	کٹوایا	کٹوائے	کٹواتا ہی	کٹوائے گا	کٹوا	نہ کٹوا۔ مت کٹوا
کچلنا	کچلا	کچلے	کچلتا ہی	کچلے گا	کچل	نہ کچل۔ مت کچل
کرنا	کیا	کرے	کرتا ہی	کرے گا	کر	نہ کر۔ مت کر
کرانا	کرایا	کرائے	کراتا ہی	کرائے گا	کرا	نہ کرا۔ مت کرا
کروانا	کروایا	کروائے	کرواتا ہی	کروائے گا	کروا	نہ کروا۔ مت کروا
کریدنا	کریدا	کریدے	کریدتا ہی	کریدے گا	کرید	نہ کرید۔ مت کرید
کڑکڑانا	کڑکڑایا	کڑکڑائے	کڑکڑاتا ہی	کڑکڑائے گا	کڑکڑا	نہ کڑکڑا۔ مت کڑکڑا
کسنا	کسا	کسے	کستا ہی	کسے گا	کس	نہ کس۔ مت کس
کملانا	کملایا	کملائے	کملاتا ہی	کملائے گا	کملا	نہ کملا۔ مت کملا
کودنا	کودا	کودے	کودتا ہی	کودے گا	کود	نہ کود۔ مت کود
کوٹنا	کوٹا	کوٹے	کوٹتا ہی	کوٹے گا	کوٹ	نہ کوٹ۔ مت کوٹ
کوندنا	کوندا	کوندے	کوندتا ہی	کوندے گا	کوند	نہ کوند۔ مت کوند
کہنا	کہا	کہے	کہتا ہی	کہے گا	کہہ	نہ کہہ۔ مت کہہ
			کھ			
کھانا	کھایا	کھائے	کھاتا ہی	کھائے گا	کھا	نہ کھا۔ مت کھا
کھانسنا	کھانسا	کھانسے	کھانستا ہی	کھانسے گا	کھانس	نہ کھانس۔ مت کھانس
کھبنا	کھبا	کھبے	کھبتا ہی	کھبے گا	کھب	نہ کھب۔ مت کھب
کھجلانا	کھجلایا	کھجلائے	کھجلاتا ہی	کھجلائے گا	کھجلا	نہ کھجلا۔ مت کھجلا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
کھدوانا	کھدوایا	کھدواے	کھدواتاہی	کھدواے گا	کھدوا	نہ کھدوا۔مت کھدوا
کھڑکھڑانا	کھڑکھڑایا	کھڑکھڑاے	کھڑکھڑاتاہی	کھڑکھڑائیگا	کھڑکھڑا	نہ کھڑکھڑا۔مت کھڑکھڑا
کھلنا	کھلا	کھلے	کھلتاہی	کھلے گا	کھل	نہ کھل۔مت کھل
کھلوانا	کھلوایا	کھلواے	کھلواتاہی	کھلواے گا	کھلوا	نہ کھلوا۔مت کھلوا
کِھلنا	کھلا	کھلے	کھلتاہی	کھلے گا	کھل	نہ کھل۔مت کھل
کھلکھلانا	کھلکھلایا	کھلکھلاے	کھلکھلاتاہی	کھلکھلائیگا	کھلکھلا	نہ کھلکھلا۔مت کھلکھلا
کِھلانا	کھلایا	کھلاے	کھلاتاہی	کھلاے گا	کھلا	نہ کھلا۔مت کھلا
کھودنا	کھودا	کھودے	کھودتاہی	کھودے گا	کھود	نہ کھود۔مت کھود
کھولنا	کھولا	کھولے	کھولتاہی	کھولے گا	کھول	نہ کھول۔مت کھول
کھونا	کھویا	کھوے	کھوتاہی	کھوے گا	کھو	نہ کھو۔مت کھو
کھیلنا	کھیلا	کھیلے	کھیلتاہی	کھیلے گا	کھیل	نہ کھیل۔مت کھیل
کھینچنا	کھینچا	کھینچے	کھینچتاہی	کھینچے گا	کھینچ	نہ کھینچ۔مت کھینچ
			گ			
گانا	گایا	گاے	گاتاہی	گاے گا	گا	نہ گا۔مت گا
گدگدانا	گدگدایا	گدگداے	گدگداتاہی	گدگداے گا	گدگدا	نہ گدگدمت گدگدا
گرنا	گرا	گرے	گرتاہی	گرے گا	گر	نہ گر۔مت گر
گرانا	گرایا	گراے	گراتاہی	گراے گا	گرا	نہ گرا۔مت گرا
گرجنا	گرجا	گرجے	گرجتاہی	گرجے گا	گرج	نہ گرج۔مت گرج
گرمانا	گرمایا	گرماے	گرماتاہی	گرمائیگا	گرما	نہ گرما۔مت گرما
گزرنا	گزرا	گزرے	گزرتاہی	گزرے گا	گزر	نہ گزر۔مت گزر
گزارنا	گزارا	گزارے	گزارتاہی	گزارے گا	گزار	نہ گزار۔مت گزار
گزرانا	گزرانا	گزرانے	گزرانتاہی	گزارے گا	گزران	نہ گزران۔مت گزران

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
گلنا	گلا	گلے	گلتا ہی	گلے گا	گل	نہ گل۔ مت گل
گلانا	گلایا	گلائے	گلاتا ہی	گلائے گا	گلا	نہ گلا۔ مت گلا
گننا	گنا	گنے	گنتا ہی	گنے گا	گن	نہ گن۔ مت گن
گنوانا	گنوایا	گنوائے	گنواتا ہی	گنوائے گا	گنوا	نہ گنوا۔ مت گنوا
گوندھنا	گوندھا	گوندھے	گوندھتا ہی	گوندھے گا	گوندھ	نہ گوندھ۔ مت گوندھ
			گھ			
گھبرانا	گھبرایا	گھبرائے	گھبراتا ہی	گھبرائے گا	گھبرا	نہ گھبرا۔ مت گھبرا
گھٹنا	گھٹا	گھٹے	گھٹتا ہی	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔ مت گھٹ
گھٹانا	گھٹایا	گھٹائے	گھٹاتا ہی	گھٹائے گا	گھٹا	نہ گھٹا۔ مت گھٹا
گھٹنا	گھٹا	گھٹے	گھٹتا ہی	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔ مت گھٹ
گھرنا	گھرا	گھرے	گھرتا ہی	گھرے گا	گھر	نہ گھر۔ مت گھر
گھسنا	گھسا	گھسے	گھستا ہی	گھسے گا	گھس	نہ گھس۔ مت گھس
گھسنا	گھسا	گھسے	گھستا ہی	گھسے گا	گھس	نہ گھس۔ مت گھس
گھسیٹنا	گھسیٹا	گھسیٹے	گھسیٹتا ہی	گھسیٹے گا	گھسیٹ	نہ گھسیٹ۔ مت گھسیٹ
گھلنا	گھلا	گھلے	گھلتا ہی	گھلے گا	گھل	نہ گھل۔ مت گھل
گھومنا	گھوما	گھومے	گھومتا ہی	گھومے گا	گھوم	نہ گھوم۔ مت گھوم
گھونٹنا	گھونٹا	گھونٹے	گھونٹتا ہی	گھونٹے گا	گھونٹ	نہ گھونٹ۔ مت گھونٹ
گھورنا	گھورا	گھورے	گھورتا ہی	گھورے گا	گھور	نہ گھور۔ مت گھور
گھیرنا	گھیرا	گھیرے	گھیرتا ہی	گھیرے گا	گھیر	نہ گھیر۔ مت گھیر
			ل			
لانا	لایا	لائے	لاتا ہی	لائے گا	لا	نہ لا۔ مت لا

جھونکا | جھونکے

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
لادنا	لادا	لادے	لادتا ہے	لادے گا	لاد	نہ لاد۔ مت لاد
لپٹنا	لپٹا	لپٹے	لپٹتا ہے	لپٹے گا	لپٹ	نہ لپٹ۔ مت لپٹ
لپیٹنا	لپیٹا	لپیٹے	لپیٹتا ہے	لپیٹے گا	لپیٹ	نہ لپیٹ۔ مت لپیٹ
لتاڑنا	لتاڑا	لتاڑے	لتاڑتا ہے	لتاڑے گا	لتاڑ	نہ لتاڑ۔ مت لتاڑ
لٹکنا	لٹکا	لٹکے	لٹکتا ہے	لٹکے گا	لٹک	نہ لٹک۔ مت لٹک
لٹکانا	لٹکایا	لٹکائے	لٹکاتا ہے	لٹکائے گا	لٹکا	نہ لٹکا۔ مت لٹکا
لجانا[1]	لجایا	لجائے	لجاتا ہے	لجائے گا	لجا	نہ لجا۔ مت لجا
لچکنا	لچکا	لچکے	لچکتا ہے	لچکے گا	لچک	نہ لچک۔ مت لچک
لدوانا	لدوایا	لدوائے	لدواتا ہے	لدوائیگا	لدوا	نہ لدوا۔ مت لدوا
لڑنا	لڑا	لڑے	لڑتا ہے	لڑے گا	لڑ	نہ لڑ۔ مت لڑ
لڑانا	لڑایا	لڑائے	لڑاتا ہے	لڑائے گا	لڑا	نہ لڑا۔ مت لڑا
لڑوانا	لڑوایا	لڑوائے	لڑواتا ہے	لڑوائیگا	لڑوا	نہ لڑوا۔ مت لڑوا
لڑھکنا	لڑھکا	لڑھکے	لڑھکتا ہے	لڑھکے گا	لڑھک	نہ لڑھک۔ مت لڑھک
لڑکھڑانا	لڑکھڑایا	لڑکھڑائے	لڑکھڑاتا ہے	لڑکھڑائیگا	لڑکھڑا	نہ لڑکھڑا۔ مت لڑکھڑا
لکھنا	لکھا	لکھے	لکھتا ہے	لکھے گا	لکھ	نہ لکھ۔ مت لکھ
لکھانا	لکھایا	لکھائے	لکھاتا ہے	لکھائے گا	لکھا	نہ لکھا۔ مت لکھا
لکھوانا	لکھوایا	لکھوائے	لکھواتا ہے	لکھوائے گا	لکھوا	نہ لکھوا۔ مت لکھوا
للچانا	للچایا	للچائے	للچاتا ہے	للچائے گا	للچا	نہ للچا۔ مت للچا
لوٹنا	لوٹا	لوٹے	لوٹتا ہے	لوٹے گا	لوٹ	نہ لوٹ۔ مت لوٹ
لہلہانا	لہلہایا	لہلہائے	لہلہاتا ہے	لہلہائے گا	لہلہا	نہ لہلہا۔ مت لہلہا
لینا	لیا	لے	لیتا ہے	لے گا	لے	نہ لے۔ مت لے
لیٹنا	لیٹا	لیٹے	لیٹتا ہے	لیٹے گا	لیٹ	نہ لیٹ۔ مت لیٹ

[1] لجانا شرمانے کو کہتے ہیں۔

م

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
مارنا	مارا	مارے	مارتا ہی	مارے گا	مار	نہ مار۔ مت مار
مانگنا	مانگا	مانگے	مانگتا ہی	مانگے گا	مانگ	نہ مانگ۔ مت مانگ
ماننا	مانا	مانے	مانتا ہی	مانے گا	مان	نہ مان۔ مت مان
مٹنا	مٹا	مٹے	مٹتا ہی	مٹے گا	مٹ	نہ مٹ۔ مت مٹ
مٹانا	مٹایا	مٹاسے	مٹاتا ہی	مٹائے گا	مٹا	نہ مٹا۔ مت مٹا
مرنا	موا۔ مرا	مرے	مرتا ہی	مرے گا	مر	نہ مر۔ مت مر
مرجھانا	مرجھایا	مرجھاے	مرجھاتا ہی	مرجھاے گا	مرجھا	نہ مرجھا۔ مت مرجھا
مڑنا	مڑا	مڑے	مڑتا ہی	مڑے گا	مڑ	نہ مڑ۔ مت مڑ
مسکرانا	مسکرایا	مسکراے	مسکراتا ہی	مسکراے گا	مسکرا	نہ مسکرا۔ مت مسکرا
مُلنا	ملا	ملے	ملتا ہی	ملے گا	مل	نہ مل۔ مت مل
مِلنا	ملا	ملے	ملتا ہی	ملے گا	مِل	نہ مل۔ مت مل
ملانا	ملایا	ملاے	ملاتا ہی	ملاے گا	ملا	نہ ملا۔ مت ملا
مننا	منا	منے	منتا ہی	منے گا	من	نہ من۔ مت من
منانا	منایا	مناے	مناتا ہی	مناے گا	منا	نہ منا۔ مت منا
موڑنا	موڑا	موڑے	موڑتا ہی	موڑے گا	موڑ	نہ موڑ۔ مت موڑ
موندنا	موندا	موندے	موندتا ہی	موندے گا	موند	نہ موند۔ مت موند
مونڈنا	مونڈا	مونڈے	مونڈتا ہی	مونڈے گا	مونڈ	نہ مونڈ۔ مت مونڈ
میچنا	میچا	میچے	میچتا ہی	میچے گا	میچ	نہ میچ۔ مت میچ

ن

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ناپنا	ناپا	ناپے	ناپتا ہی	ناپے گا	ناپ	نہ ناپ۔ مت ناپ
نبڑنا	نبڑا	نبڑے	نبڑتا ہی	نبڑے گا	نبڑ	نہ نبڑ۔ مت نبڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
نبیڑنا	نبیڑا	نبیڑے	نبیڑتا ہی	نبیڑے گا	نبیڑ	نہ نبیڑ - مت نبیڑ
نبھنا	نبھا	نبھے	نبھتا ہی	نبھے گا	نبھ	نہ نبھ - مت نبھ
نباہنا	نباہا	نباہے	نباہتا ہی	نباہے گا	نباہ	نہ نباہ - مت نباہ
نتھرنا	نتھرا	نتھرے	نتھرتا ہی	نتھرے گا	نتھر	نہ نتھر - مت نتھر
نچوڑنا	نچوڑا	نچوڑے	نچوڑتا ہی	نچوڑے گا	نچوڑ	نہ نچوڑ - مت نچوڑ
نکلنا	نکلا	نکلے	نکلتا ہی	نکلے گا	نکل	نہ نکل - مت نکل
نکالنا	نکالا	نکالے	نکالتا ہی	نکالے گا	نکال	نہ نکال - مت نکال
نکلوانا	نکلوایا	نکلوائے	نکلواتا ہی	نکلوائے گا	نکلوا	نہ نکلوا - مت نکلوا
نکھرنا	نکھرا	نکھرے	نکھرتا ہی	نکھرے گا	نکھر	نہ نکھر - مت نکھر
نگلنا	نگلا	نگلے	نگلتا ہی	نگلے گا	نگل	نہ نگل - مت نگل
نوچنا	نوچا	نوچے	نوچتا ہی	نوچے گا	نوچ	نہ نوچ - مت نوچ
نہانا	نہایا	نہائے	نہاتا ہی	نہائے گا	نہا	نہ نہا - مت نہا
نہلانا	نہلایا	نہلائے	نہلاتا ہی	نہلائے گا	نہلا	نہ نہلا - مت نہلا
			ہ			
ہارنا	ہارا	ہارے	ہارتا ہی	ہارے گا	ہار	نہ ہار - مت ہار
ہانپنا	ہانپا	ہانپے	ہانپتا ہی	ہانپے گا	ہانپ	نہ ہانپ - مت ہانپ
ہانکنا	ہانکا	ہانکے	ہانکتا ہی	ہانکے گا	ہانک	نہ ہانک - مت ہانک
ہٹنا	ہٹا	ہٹے	ہٹتا ہی	ہٹے گا	ہٹ	نہ ہٹ - مت ہٹ
ہٹانا	ہٹایا	ہٹائے	ہٹاتا ہی	ہٹائے گا	ہٹا	نہ ہٹا - مت ہٹا
ہچکچانا	ہچکچایا	ہچکچائے	ہچکچاتا ہی	ہچکچائے گا	ہچکچا	نہ ہچکچا - مت ہچکچا
ہرانا	ہرا	ہرائے	ہراتا ہی	ہرائے گا	ہرا	نہ ہرا - مت ہرا
ہلنا	ہلا	ہلے	ہلتا ہی	ہلے گا	ہل	نہ ہل - مت ہل

کوہ طور پر جاکر خدا سے باتیں کیا کرتے تھے۔ ان صفات کی وجہ سے اُن کو خلیل اللہ اور اِن کو کلیم اللہ کہتے ہیں۔

کُنیت

جو کسی کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی کہہ کر پکارا جائے۔ حقیقت میں یہ اہل عرب کا دستور ہی کہ اصلی نام کے علاوہ ایک ایسا نام بھی رکھ لیتے ہیں جس میں مسمیٰ کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی ہونا پایا جاوے جیسے ابو داوُد ابو حنیفہ ابن اثیر ابن عمر ام سلیم ام المجد۔ ابن ابی شیبہ کو دیکھو باپ بیٹے دونوں کی کنیتیں ہیں۔

ہندوستان میں اس طرح پر نام رکھنے کی رسم نہ تھی۔ مگر اب مولوی لوگ جو دین کا پیشہ یا خدمت کرتے ہیں اہل عرب کی تقلید سے اپنی کُنیت رکھ لیتے ہیں۔

عرب میں اشیاے بے جان اور معقولات کو بھی بیٹا وغیرہ کہہ دیتے یا ان کی طرف ایسی نسبت کر دیتے ہیں۔ مثلاً چاند کو ابن اللیل (رات کا بیٹا) مسافر کو ابن السبیل (رستے کا بیٹا) علم صرف کو ام العلوم (علموں کی ماں) کہتے ہیں۔

اس ملک میں میاں بیوی کا نام نہیں لیتا۔ بیوی میاں کا نام نہیں لیتی جب ان کی اولاد ہو جاتی ہی تو اُس کے نام کی نسبت سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں جیسے رمضانی کی ماں۔ عیدو کا باپ۔ بس یہی کنیت ہی۔

عُرف

جو یوں ہی مشہور ہو جاوے اور یہ ایسا نام ہوتا ہی کہ اصلی نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہی عُرف میں اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ بامعنی ہو یا بے معنی جیسے حسن علی عرف چھوٹے میاں۔ میر عسکری عرف میر کلو۔ پنجاب میں عرف اکثر اصلی نام بگڑا ہوا ہوتا ہی جیسے قطب الدین عرف قطبا۔ فرزند علی عرف فندی۔

ہیں - اور نکرے کی قسمیں یہ ہیں اسم ذات[1] اسم کنایہ[2] اسم استفہام[3] اسم صفت[4] مصدر[5] حاصل مصدر[6] اسم فاعل[7] اسم مفعول[8] اسم معاوضہ[9] اسم حالیہ[10]

علم

بچے کا نام جو ماں باپ نے رکھا ہو یا کسی چیز کا نام جو لوگوں نے قرار دیا ہو اُسے عَلم کہتے ہیں جیسے حامد محمود احمد گنگا جمنا چاند سورج - پہلے تین خاص آدمیوں کے نام ہیں - دوسرے دو خاص دریاؤں کے تیسرے دو خاص اجرام فلکی کے جو رات اور دن کو چمکتے اور تمام دنیا کو منور کر دیتے ہیں - اسی طرح لوگ سب چیزوں کے نام رکھ لیتے ہیں اور سب عَلم ہیں خطاب لقب کنیت عرف تخلص یہ سب علم کی قسمیں ہیں - بعض اہل قواعد نے نام کو علم کی علیحدہ قسم قرار دیا ہے - مگر یہ تکلف ہے -

خطاب

بادشاہ اور امرا جو کسی شخص کو عزت کے لئے وصفی نام عنایت کرتے ہیں وہ خطاب کہلاتے ہیں - جیسے پچھلے زمانے میں آصف جاہ اور نجم الدولہ وغیرہ تھے آج کل ستارۂ ہند ہے جو بادشاہ کی طرف سے بعض لوگوں کو عنایت ہوتا ہے یا جیسے شمس العلما کا خطاب جو گورمنٹ سے علما کو ملتا ہے - زمانہ گزشتہ میں اعلیٰ درجے کے شعرا کو بھی بادشاہوں کے حضور سے خطاب عطا ہوتے تھے جیسے ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کا خطاب خان بہادر رائے بہادر بی اے ایم اے ایل ایل ڈی یہ بھی اعزازی اور علمی خطاب ہیں جن میں سے پچھلے تین یونیورسٹیوں کی طرف سے ملتے ہیں -

لقب

وہ نام جو کسی صفت کے سبب لوگوں نے رکھ لیا ہو جیسے خلیل اللہ حضرت ابراہیم کا لقب اور کلیم اللہ حضرت موسیٰ کا - حضرت ابراہیم خدا کے بہت پیارے تھے اور حضرت موسیٰ

تخلص

شاعر لوگ نظم میں اپنا مختصر سا نام رکھ لیتے ہیں۔ اُس کو تخلص کہتے ہیں مثلاً سودا مرزا رفیع کا تخلص ہے۔ آتش خواجہ حیدر علی کا۔ ناسخ شیخ امام بخش کا۔ غالب مرزا اسد اللہ خاں کا۔ شیفتہ نواب مصطفٰے خاں کا۔ مومن حکیم مومن خاں کا۔ ذوق شیخ ابراہیم کا۔ آزاد مولوی محمد حسین کا داغ نواب مرزا خاں کا شعر

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج　　دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو

(۲) ضمیر

معرفے کی دوسری قسم	ایک مختصر سا نام ہے جس سے متکلم یا حاضر یا غائب تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جس چیز کا کلام میں ایک دفعہ نام لیا جا چکا ہو دوبارہ اُس کا نام لینے کی ضرورت

نہیں پڑتی۔ ضمیر ہی نام کا کام دیتی ہے مثلاً "زید نہایت فصیح البیان ہے لوگ اُس کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے" پچھلے دونوں جملوں میں سے پہلے میں بجائے زید اُس سے اور دوسرے میں وہ سے کام لیا گیا ہے اور بار بار زید کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اگر ان میں بھی زید کا نام لیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ زید نہایت فصیح البیان ہے۔ لوگ، زید کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں۔ زید اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے تو کلام بے لطف ہو جاتا۔

ضمیر کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔

پہلی حالت فاعلیت جس کو فعل سے فاعلیت کا تعلق ہو۔ تمام افعال لازم اور ان متعدی چند افعال متعدی میں جن کی ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا واحد اور جمع غائب کے لئے وہ واحد حاضر کے لئے تو جمع حاضر کے لئے تم واحد متکلم کے لئے میں اور جمع متکلم کے لئے ہم آتا ہے۔ جیسے وہ گیا وہ گئے وہ گئی وہ گئیں تو گیا تم گئے تو گئی تم گئیں

میں گیا - ہم گئے - میں گئی - ہم گئے -

افعال متعدی میں غائب کی صورتیں بدل جاتی ہیں - واحد غائب میں کہتے ہیں - اس نے یا اُن نے کہا - جمع میں اُنھوں نے - اور جب جمع میں مرجع[1] ضمیر ظاہر کیا جاتا ہے تو بجائے اُنھوں کے ان بولتے ہیں جیسے اُن لوگوں نے کہا - اُن حقیقت میں ضمیر جمع ہے - مگر مقام ادب میں واحد پر بھی استعمال کرتے ہیں - جیسے اُن بزرگ نے تو یوں نہیں فرمایا -

فائدہ - ضمیر وہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے - قدما جمع میں وے بولتے تھے اب متروک ہے -

دوسری حالت مفعولیت جس کو فعل سے مفعولیت کا تعلق ہو - جیسے

اُس کو	ان کو	تجھ کو	تم کو	مجھ کو	ہم کو
یا	یا	یا	یا	یا	یا
اُسے	اُنھیں	تجھے	تمھیں	مجھے	ہمیں
یا	یا	یا	یا	یا	یا
اُس کے	اُن کے	تیرے	تمھارے	میرے	ہمارے
تئیں	تئیں	تئیں	تئیں	تئیں	تئیں
بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا

تیسری حالت اضافت - جب ضمیر سے کسی چیز کو کسی طرح کا لگاؤ ہو - جیسے اُس کا گھوڑا ان کا گھوڑا - تیرا گھوڑا - تمھارا گھوڑا - میرا گھوڑا ہمارا گھوڑا -

چوتھی حالت صفت - جب ضمیر کسی صفت کا موصوف واقع ہو - جیسے شعر

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

فائدہ - آپ یا خود کبھی ضمیر اور کبھی اسم ظاہر کی تاکید کے لئے آتے ہیں جیسے وہ آپ آیا

[1] جس کی طرف ضمیر پھرے -

وہ خود آیا۔ محمود آپ گیا۔ حامد خود گیا۔

فائدہ۔ اپنا جو واحد مذکر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اپنے بیائے مجہول جو جمع مذکر کے لیے آتا ہے اور اپنی بیائے معروف جو مؤنث کے لیے بولتے ہیں مقام خصوصیت میں تنہا استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی اُن کے ساتھ لفظ آپ یا خود تاکید کے لیے نہیں آتا۔ جیسے " اپنا وطن سب کو عزیز ہے"۔ " اپنی گلی میں کتّا بھی شیر ہوتا ہے"۔ بعض مقامات میں اُن کی تکرار واجب ہوتی ہے جیسے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے سب اپنی اپنی کتابیں لے گئے

مصرع ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جُدا۔

شعر

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

فائدہ۔ بعض اوقات جبکہ ایک اسم ظاہر یا ضمیر ایک فعل کی فاعل ہو اور وہی مفعول بھی ہو تو مفعول کے لیے نہ اسم ظاہر کا اعادہ کرتے ہیں نہ ضمیر کا بلکہ اُس کی جگہ اپنے کو یا اپنے تئیں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے حامد نے اپنے کو یا اپنے تئیں بے قصور ثابت کیا۔ زید نے اپنے کو یا اپنے تئیں ہلاک کیا۔ اور اگر اس ضمیر کا کوئی مضاف ہو اور مضاف اور مضاف الیہ مل کر فعل مذکور کا مفعول ہو تو مضاف کی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث کے لحاظ سے اپنا یا اپنے یا اپنی کہتے ہیں جیسے اُس نے اپنا سبق پڑھا اُنھوں نے اپنے گھوڑے بیچے۔ احمد نے اپنی کتاب دیکھی۔ اگر مضاف کے ساتھ کو علامت مفعول ہو تو اپنا کی جگہ اپنے بولتے ہیں جیسے اُس نے اپنے گھوڑے کو دیکھا۔

اس مقام میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے موقعوں پر اپنا اپنی وغیرہ اصل میں اُس کا اُس کے اُس کی اُن کا اُن کے اُن کی تیرا تیرے تیری تمھارا تمھارے تمھاری میرا میرے میری ہمارا ہمارے ہماری تھا۔ مثلاً وہ اپنا سبق پڑھے وہ اپنے گھوڑے لائیں وہ اپنی کتاب لائے تم اپنے گھر جاؤ ہم اپنا کام کریں حقیقت میں یوں تھا وہ اُس کا سبق پڑھے وہ

اُن کے گھوڑے لائیں وہ اُس کی کتاب لائے تم تمھارے گھر جاؤ ہم ہمارا کام کریں۔
علیٰ ہذا القیاس روزمرے میں اُس کا تمھارا ہمارا وغیرہ اپنا اپنے وغیرہ سے بدل گیا۔
کبھی بجائے ضمیر مضاف الیہ متکلم کے بوجہ خصوصیت اپنا وغیرہ بولتے ہیں اور اس سے کلام میں زیادہ خوبی پیدا ہو جاتی ہے جیسے **شعر**

حیف کہتے ہیں ہوا تاراج گلزار جہاں — آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

دونوں شعروں میں بجائے ہمارا کے اپنا استعمال کیا گیا ہے۔

"آپ سے آپ" کا محل استعمال دیکھو **ظفر**

کام ہے وقت پہ موقوف جب آجائے ہے وقت — تو وہ ہو جائے ہے اُس وقت ظفر آپ سے آپ

آپ سے آپ کی جگہ خود بخود بھی بولتے ہیں **غالب**

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ — ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

حالتِ فاعلیت - وہ آپ آیا وہ خود آیا
وہ آپ آئے۔ وہ خود آئے
تو نے آپ کہا تھا۔ تو نے خود کہا تھا
آپ تو نے کہا تھا۔ خود تو نے کہا تھا
تم نے آپ کہا تھا۔ تم نے خود کہا تھا
آپ تم نے کہا تھا۔ خود تم نے کہا تھا
میں نے آپ کہا تھا۔ میں نے خود کہا تھا
آپ میں نے کہا تھا۔ خود میں نے کہا تھا
ہم نے آپ کہا تھا۔ ہم نے خود کہا تھا
آپ ہم نے کہا تھا۔ خود ہم نے کہا تھا

حالت مفعولیت - میں نے خود اُس کو دیا - میں نے خود اُن کو دیا
اُس نے آپ (یا خود) اپنے کو یا اپنے تئیں ہلاک کیا -
میں نے خود تجھ کو دیا - میں نے خود تم کو دیا
اُس نے خود مجھ سے کہا - اُس نے خود ہم سے کہا

حالت اضافت - اُس کی اپنی کتاب تھی - اس کا اپنا قلم تھا -
تیرا اپنا تھا - تمھارا اپنا تھا -
میرا اپنا[1] تھا - ہمارا اپنا تھا

فائدہ - حالت مفعولیت اور اضافت کی مثالوں میں تم نے دیکھا ہے کہ وہ اُس سے بدل گیا ہے - اُس کا قاعدہ بھی معلوم کر لو - ضمیر فاعلی غائب (وہ) کے بعد جب ان حرفوں میں سے کو تک پر کا کے کی نے والا میں سے کوئی حرف آئے تو واحد میں اُس اور جمع میں اُن سے بدل جائے گی - لیکن لفظ نے کے ساتھ ضمیر واحد دو طرح سے آتی ہے - اُس نے اُن نے - اور جمع میں اُنھوں نے کہتے ہیں - بعض اہل قواعد نے ان حروف کا نام حروف مغیرہ رکھا ہے ہمارے نزدیک حروف عاملہ کہنا زیادہ موزوں ہے اس لیے ہم آگے اُن کو حروف عاملہ سے تعبیر کریں گے اور یاد رکھو کہ ہر حرف جُداگانہ کو حرف عامل کہنا چاہیے یعنی میں حرف عامل ہے نے حرف عامل ہے -

فائدہ - جب ضمیر واحد حاضر اور واحد متکلم یعنی تو اور میں کے بعد حروف عاملہ میں سے میں سے کو تک پر آئے یا ان ضمیروں کے بعد اُن کی صفت میں کوئی حرف عامل حائل ہوئی تو اُن کی شکل مثل ضمیر مفعول کے ہو گی جیسے تجھ میں مجھ میں مجھ خاکسار نے تجھ شوخ مزاج نے

شعر - مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں ‏ ‏ تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو خودکام بھی ہو

---

[1] جمع کے مقام پر اپنا اپنے ہو جاتا ہے اور مؤنث کی حالت میں اپنی جیسے مولوی نذیر احمد صاحب قرآن مجید کے ترجمے میں لکھتے ہیں جو منافق اُن کے اپنے اصرار سے پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ رسول خدا کے خلاف (رلے اپنے) (گھروں میں) بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے (سورۂ توبہ آیت ۸۱) مرأۃ العروس میں ہے آتے ہیں اصغری کے گھر سے اُسکی اپنی ماما کفایت النساء خیر

اضمار قبل الذکر | جس چیز کی طرف ضمیر پھرتی ہے اُسے مرجع کہتے ہیں۔ مرجع ضمیر سے پہلے ہونا چاہیے۔ مگر نظم میں کبھی ضمیر مرجع سے پہلے آتی ہے۔ اس کو اضمار قبل الذکر کہتے ہیں اضمار قبل الذکر کے معنی ہیں مرجع کے ذکر سے پہلے ضمیر کو راجع کرنا آتش کہتے ہیں ؎

بتیاں اُس کی بنا کریں کروں روشن چراغ   باد سے اُڑ کر بجھا دے گر مرا دامن چراغ

اس شعر میں اُس اسم ضمیر کا مرجع دامن ہے جو دوسرے مصرع میں ہے ناسخ

کون سی طرز سخن ہے جو اُسے آتی نہیں   کیوں نہو شاگرد ہی ناسخ ہر ایک استاد کا

یہاں اُسے کا مرجع ناسخ ہے جو مصرع ثانی میں مذکور ہے ان دونوں شعروں میں اضمار قبل الذکر ہے۔

نکتہ - اضمار قبل الذکر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ ضمیر بے ذکر مرجع سُنکر سامع کی طبیعت میں کلام کے سننے کا انتظار اور شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اُس کو نہایت توجہ سے سنتا ہے اور جب کلام میں مرجع کا ذکر آتا ہے تو اُس کو ایک طرح کا لطف حاصل ہوتا ہے کیونکہ جو چیز انتظار اور شوق کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اُس کی لذت اور لطف وحظ زیادہ تر ہوتا ہے۔

(۳) اسم اشارہ

معرفے کی تیسری قسم | اسم اشارہ وہ اسم ہے جس سے کسی شخص یا چیز کی طرف اشارہ کریں جس شخص یا چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں اُسے مشارٌالیہ کہتے ہیں مشارٌالیہ ایک اسم نکرہ ہوتا ہے جو اشارے کے سبب معین ہو جاتا ہے۔ مشارٌالیہ پاس یا سامنے ہو تو یہ سے اشارہ کرتے ہیں اور اگر دُور یا غائب ہو تو وہ سے یعنی یہ اشارہ قریب کے لیے ہے اور وہ اشارہ بعید کے لیے۔ اِن کا استعمال واحد اور جمع میں یکساں ہے۔ ایک کی طرف بھی یہ یا وہ سے اشارہ کرتے ہیں۔ ایک سے زیادہ کی طرف بھی کبھی نظم میں یہ کی جگہ یے اور وہ کی جگہ وُو استعمال کرتے ہیں مدوجزر اسلام

نمونے یہ اعیان واشراف کے ہیں   سلف اُن کے وُو تھے خلف اُنکے یے ہیں

عبارت میں مشارٌ الیہ کے قرب و بعد کے لحاظ سے یہ اور وہ لاتے ہیں۔ ذوق

بوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے — بل بے ہمت ترے نزدیک یہ پتھر ہیں وہ گھاس

اِس شعر میں یہ کا مشارٌ الیہ پارس ہے۔ اور وہ کا بوٹی اکسیر کی کیونکہ یہ سے پارس قریب ہے اور وہ سے بوٹی اکسیر کی دور۔

اسمائے اشارہ میں جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو ہی کا لفظ زیادہ کر دیتے ہیں مگر نثر میں وہ ہی یا یہ ہی نہیں کہتے وہ اور یہ کی ہ کو حذف کر کے وہی اور یہی کہتے ہیں نظم میں کبھی وہ ہی اور یہ ہی[۱] بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

کبھی رتبے کے لحاظ سے بھی ادنیٰ کو قریب اور اعلیٰ کو بعید قرار دیتے ہیں جیسے۔ "کہاں یہ کہاں وہ" یعنی اِس کو اُس سے کچھ نسبت نہیں ایک شاعر دوسرے شعرا کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ؎

کہاں میں اور کہاں وہ اہل ادراک — چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

فاعل۔ وہ تارا کیسا چمک رہا ہے۔

مفعول۔ یہ قلم تو میں تم کو نہیں دینے کا۔

اِضافت۔ اِس جانور کی آواز کیسی دلکش ہے۔

دیکھو اضافت میں یہ اُس سے بدل گیا۔ اسی طرح یہ یہی وہ وہی فاعل و مفعول میں بھی اُس اُن اُسے اُنھیں اِس اِن اِسے انھیں سے بدل جاتے ہیں یعنی فاعل میں جب ماضی مطلق کے ساتھ نے آئے اور مفعول کے ساتھ جب علامات مفعول کو تے ہوں۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب اسمائے اشارہ کے بعد حروف عاملہ آتے ہیں تو وہ ضمیر فاعلی غائب کی طرح بدل جاتے ہیں۔ حروف عاملہ کے علاوہ وہ اسم بھی جو مکان یا زمانے

---

[۱] سید فضل الحسن حسرت لکھتے ہیں کہ "وہ ہی اور یہ ہی کا استعمال اب قطعاً متروک ہے"۔ عجب نہیں کہ ایسا ہی ہو ہم نے یہ الفاظ اساتذہ کے کلام میں دیکھے ہیں اور ضرورت شعری اب بھی اِن کو جائز رکھتی ہے۔

کے معنوں میں ہیں جیسے گھر جگہ یا س طرف رات دن گھڑی مہینہ برس وغیرہ اور اسی طرح قدر طرح وضع شکل صورت بہت سے الفاظ حروف عاملہ کا عمل کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کا نام توابع عامل ہے اور ہر حرف جداگانہ کو حرف تابع عامل کہنا چاہیئے۔

جس طرح یہ اور وہ میں قرب اور بعد ہے اسی طرح اِس اور اِن میں قرب اور اُس اور اُن میں بُعد ہے مومن

اُف رے سوزِ نالہ وا اللہ رے سیلابِ سرشک
اس سے تر روئے زمیں اُس سے سمندر خشک ہو

یہاں اِس کا اشارہ سیلاب سرشک کی طرف ہے جو قریب ہے اور اُس کا سوز نالہ کی طرف جو بعید ہے۔ حالی

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب وہ کیا ہے اُس میں اور اِس میں

اسم اشارہ محذوف نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک دفعہ ذکر کر دیا جائے تو کلام میں بار بار نہیں لاتے۔

اسم اشارہ اور مشارٌالیہ عموماً بلا فصل آتے ہیں اور اسم اشارہ پہلے ہوتا ہے جیسے یہ گھر یہ درخت۔ مگر کبھی نظم میں مشارٌالیہ پہلے آتا ہے اور اسم اشارہ پیچھے جیسے ؎

بیت

کہا گر مری بات یہ دلنشیں ہے
تو سُن لو خلاف اِس میں اصلا نہیں ہے

کبھی کلام میں مشارٌالیہ نہ پہلے مذکور ہوتا ہے نہ اسم اشارہ کے ساتھ آتا ہے جیسے

شعر

اِس سے طوفاں اُٹھا اُس نے گرائی بجلی
چشم نے آہِ شرر بار نے سونے نہ دیا

آتش

رات بھر جلتا ہے یہ آنکھوں پھر جلتا ہے وہ
دل کو دیکھے اور اپنا سینۂ آہن چراغ

حالی

مطلق اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود دوست کیا جانیے یہ چرخ کہن کس کا ہی

اس طرح پر مشارٌ الیہ کا ذکر پیچھے کرنے میں وہی نکتہ ہے جو ضمیر اور مرجع کے بیان میں مذکور ہوا۔ کبھی مشارٌ الیہ مقدر ہوتا ہے جیسے **شعر**

صبر وسکوں سے ہم کو یہ بھی نبیڑنے دے تھوڑی سی رہ گئی ہے لے کاہش نہانی

یہاں عمر مقدر ہے۔

مشارٌ الیہ آنکھ کے سامنے ہو تو کلام میں اُسے حذف بھی کر دیتے ہیں۔ خریدار کے آگے بزاز کئی قسم کے کپڑوں کے تھان لاکر رکھ دیتا ہے تو وہ اُن میں سے ایک کو انتخاب کرکے کہتا ہی "ہمیں یہ پسند ہے" باقیوں کو کہتا ہے "یہ تو اچھے نہیں" کوئی شخص تم سے پوچھتا ہے "تمھاری یہی کتاب ہے جو کھوئی گئی تھی" تم کہتے ہو "یہی ہے" کبھی کہتا ہے "تمہارا قلمدان کہاں ہے" تم ہاتھ کا اشارہ کرکے کہتے ہو "یہ ہے" لیکن جب اُنگلی کے اشارے سے بتاؤ گے اور مُنہ سے کچھ نہیں کہوگے تو ایسا اشارہ ہماری بحث سے خارج ہوگا کیونکہ علم صرف میں الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو منہ سے بولے جاتے ہیں نہ اُن اشارات سے جو ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے کئے جاتے ہیں یا جو گونگے بہرے کرتے ہیں۔

کبھی وہی اُسی طرح سے کے معنی دیتا ہے **بیت**

جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے

یعنی اُسی طرح سے۔

لو اور اسے لو بھی اشارے کا کام دیتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں قلم ہو یا نہایت قریب میز پر کتاب رکھی ہو تو صاحب قلم وکتاب کہتا ہے اسے لو میرا قلم۔ لو میری کتاب۔

یوں کا لفظ بھی اشارے میں استعمال کرتے ہیں "یوں کہو" "یوں مت کہو" "حقیقت یوں ہے" "یہ غلط ہے صحیح یوں ہے"۔

اسم اشارہ اور ضمیر میں یہ فرق ہے کہ اشارہ کسی عضو مثلاً ہاتھ آنکھ وغیرہ سے ہوتا ہی ضمیر کا خیال صرف دل میں ہوتا ہے -

(۴) اِسم موصول

معرفے کی چوتھی قسم

اسم موصول وہ اسم ناتمام ہے کہ جب تک اُس کے ساتھ ایک جملہ مذکور نہو کسی جملے کا جزو تام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا یعنی اکیلا نہ فاعل ہو سکتا ہے نہ مفعول نہ مبتدا نہ خبر وغیرہ۔ اس کے بعد جو جملہ آتا ہے اُس کو صلہ کہتے ہیں اور موصول وصلہ دونوں مل کر جزو جملہ ہوتے ہیں جیسے **شعر**

غم نہیں رکھتے کہ انبارِ درم رکھتے نہیں   جو غنی ہیں احتیاج بیش وکم رکھتے نہیں

دوسرے مصرع میں جو اسم موصول ہے غنی ہیں صلہ۔ اسم موصول اپنے صلے کے ساتھ مل کر مبتدا ہوا اور احتیاج بیش وکم رکھتے نہیں خبر۔

اسماے موصولہ کا مفصل بیان علم نحو میں موصول وصلہ کی بحث میں لکھیں گے۔

فائدہ۔ معرفے کی اقسام مذکورہ میں سے علم اور ضمیر اور اسم اشارہ تو بذات خود معرفہ ہیں لیکن اسم موصول کا یہ حال نہیں وہ بدون صلے کے کسی شخص یا کسی چیز کی تعین نہیں کر سکتا اور جس طرح کا اسم موصول معرفہ ہے اِسی طرح کے اور اسم بھی معرفہ ہیں مثلاً۔

(۱) منادے۔ جب کسی کو نام لے کر پکاریں تو اُس کے معرفہ ہونے میں کچھ بھی شک نہیں جیسے میاں عابد! اجی میاں ناظر! لیکن کبھی راہ چلتے آدمی کو بھی پکار لیتے ہیں جیسے **شعر**

او دامن اُٹھا کے جانے والے   ٹک[۱] ہم کو بھی خاک سے اُٹھالے

دامن اُٹھا کے جانے والا لفظ کی رو سے معرفہ نہیں ہے مگر چونکہ پکارنے والا ایک خاص شخص کی طرف جو اُس کے سامنے دامن اُٹھائے ہوئے چلا جا رہا ہے اشارہ کرتا ہے۔ اِس لیے وہ بھی معرفہ ہوا اسی طرح اور صفات سے بھی ندا کرتے ہیں درسب

سلہ[۱] ٹک کا لفظ اب متروک ہے۔

مناسے معرفہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) معہود خارجی۔ کوئی عام لفظ جو عبارت میں مذکور ہو مگر اُس سے خاص معنی مراد لئے جائیں جیسے مولوی حالی مدوجزر اسلام میں کہتے ہیں ع

کہ راعی نے للکار کر جب پکارا۔

راعی چرواہے کو کہتے ہیں اور یہ ایک عام لفظ ہے۔ مگر قائل نے یہاں خاص پیغمبر عربی مراد لیئے ہیں۔ اِس لیے یہ بھی معرفہ ہے۔

بعض نے معہود[۱] ذہنی کو بھی معرفہ قرار دیا ہے مگر ہم کو اِس میں کلام ہے۔

(۳) اِسم نکرہ جو معرفے کی طرف مضاف ہو۔

نکرہ جب معرفے کی طرف مضاف ہوتا ہے تو وہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً تم اپنے نوکر سے کہو "وفادار ہمارا چاقو لانا" تو وہ وہی چاقو لائے گا جو تمہارا ہو گا کسی اور کا نہیں اُٹھا لائیگا کیونکہ چاقو اگرچہ عام ہے مگر ضمیر کی طرف مضاف ہو کر خاص ہو گیا۔ یا مثلاً "آج ہمارے پاس حامد کا بھائی آیا" بھائی کا لفظ عام ہے لیکن حامد نے اُس کو خاص کر دیا۔ اب جس طرح جاننے والا حامد کو جانتا ہے اسی طرح اُس کے بھائی کو پہچانتا ہے۔

اسمائے نکرہ

(۱) اسم ذات

جس نام سے ایک چیز کی حقیقت دوسری چیزوں سے الگ سمجھی جائے اور اُس سے کوئی وصف مفہوم نہ ہو اُس کو اِسم ذات کہتے ہیں جیسے اونٹ ہاتھی گھوڑا آگ

---

[۱] معہود ذہنی سے وہ لفظ مراد ہے جو عبارت میں مذکور نہ ہو اور متکلم اور مخاطب دونوں کے ذہن میں ہو۔

پانی ہوا زمین آسمان وغیرہ - یہ تمام اسم ہر ایک چیز کی حقیقت کو دوسری چیزوں سے الگ کر دیتے ہیں -

اِسم ذات کی قسمیں اِسم ذات کی پانچ قسمیں ہیں -

(۱) اسم آلہ

وہ اوزار یا ہتھیار جس کے ذریعے فعل صادر ہو - اُردو میں وزن اور صیغے کے لحاظ سے اسم آلہ مطلق نہیں - مگر اُردو کے اہلِ قواعد چاقو قینچی قلم توپ تلوار وغیرہ کو اسمائے آلہ کہتے ہیں -

کبھی دوسرے الفاظ میں کچھ تصرف کر کے اسم آلہ بناتے ہیں جیسے دھونکنی پھکنی (جو اصل میں پھونکنی تھا) بیلن بیلنی چھلنی (جو اصل میں چھاننی تھا) نکیل گھڑیال جو اصل میں ناک اور گھڑی تھی -

فارسی اور عربی اسمائے آلہ بھی اُردو میں استعمال کئے جاتے ہیں - جیسے قلم تراش جاروب رومال مقراض میزان مسواک مضراب مقیاس معیار مسطر محک -

(۲) اِسم ظرف

اِسم ظرف اُس اِسم کو کہتے ہیں جس کے معنی جگہ یا وقت کے ہوں یہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو مطلق جگہ یا وقت پر دلالت کرے - جیسے گھر گلی گاؤں شہر ملک صبح شام رات دن اس قسم کے اسموں میں سے جو اسم مطلق زمانے پر دلالت کرے اسے اِسم زماں' اور جو مطلق مکان پر دلالت کرے اُسے اسم مکان کہتے ہیں -

دوسرے جو کسی خاص چیز کی جگہ پر دلالت کرے جیسے ٹکسال اور پھلواڑی ٹکسال اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ٹکے پیسے روپے اشرفیاں بنتی ہیں۔ پھلواڑی اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پھولوں کے پودے لگے ہوں۔ اِس قسم کے اسموں کو اسم ظرف کہتے ہیں۔

کبھی مصدر بھی اسم ظرف کا فائدہ دیتا ہے جیسے جھرنا یانی جھرنے کی جگہ فارسی اور عربی کے بہت سے اسم ظرف بھی اُردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے ہندوستان افغانستان گلستان گلزار گلشن زرخیز حرم سرائے دولتسرائے عشرت سرائے کتب خانہ عبادت خانہ شفاخانہ بت خانہ کارخانہ رودبار جوئبار عیدگاہ نشستگاہ قلمدان عطردان وغیرہ۔ دان اگرچہ فارسی لفظ ہے مگر کبھی اُردو کے اسموں کے آخر میں ظرفیت کے لیے آتا ہے جیسے پاندان خاصدان[1] پیک دان ظرف اگر چھوٹی چیز ہو تو اِسم ظرف میں دان پر یائے معروف زیادہ کر دیتے ہیں جیسے چونے دانی۔

عربی اسمائے ظرف کے اوّل میں میم مفتوح ہوتا ہے جیسے مَحفل مَجلس مَسجد مَشرق مغرب مَدرسہ مَکتب منبع وغیرہ۔

ظرف زمان اور ظرف مکان

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ نہ وقت کا نام ہیں نہ جگہ کا لیکن ان میں ظرفیت کے معنے پائے جاتے ہیں جیسے جہاں جس جگہ جہاں جہاں جب جس دم جب جب جس وقت۔ تو جو لفظ وقت پر دلالت کرے اُس کو ظرف زمان کہتے ہیں اور جو جگہ پر دلالت کرے اُس کو ظرفِ مکان۔

[1] گلوری رکھنے کا ظرف۔

(۱) اِسم صَوت

اِسم صوت وہ لفظ ہے جس سے ذی روح یا غیر ذی روح کی آواز بیان کریں جیسے قہ قہ قہ کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز۔ قُل قُل قُل قُل صراحی میں سے پانی نکلنے کی آواز کائیں کائیں کوّے کی آواز۔ میاؤں میاؤں بلّی کی آواز۔ جھم جھم جھم جھم مینہ برسنے کی آواز خواجہ حالی برکھا رُت میں لکھتے ہیں۔ ؎

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو　　اور مور جھنکارتے ہیں ہر سو

سید محمد مرتضےٰ بیاںؔ برکھارت میں لکھتے ہیں ؎

پڑتی ہیں بوندیں جھل مل جھل مل　　ہنستی ہیں کلیاں کِھلکِھل کِھلکِھل

پھرتی ہیں کرتی ہر پھر چڑیاں　　اُڑتی ہیں پُھر پُھر پُھر پُھر چڑیاں

ظفرؔ

ذرا بھی سینۂ صد چاک میں جو تڑپا دل　　تو ٹوٹ جائیں گے تارِ رفو تڑاق تڑاق

بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے کسی چیز کی آواز بیان نہیں کرتے بلکہ جانوروں کے ہانکنے وغیرہ میں بولے جاتے ہیں جیسے دھت دھت بری بری ہاتھی کے ہانکنے اور بٹھانے کے لیئے بولتے ہیں۔ ان کو بھی اسم صوت کہتے ہیں۔

(۴) اِسم مصغر

جس اسم کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت چھٹائی پائی جائے اُس کو اسم مصغر کہتے ہیں مصغر اسموں کے آخر میں زیادہ تر یائے معروف اور اس سے کم الف ہوتا ہے جیسے پہاڑ پہاڑی پیالہ پیالی بالا بالی لوٹا لٹیا ڈبا ڈبیا بیٹی بٹیا اِن کے علاوہ چند اور علامتیں بھی ہیں جو بہت کم استعمال کی جاتی ہیں جیسے پلنگ پلنگڑی ٹانگ ٹنگڑی

صحن صحنچی کھاٹ کھٹولا کونڈا کنڈالی ٹٹو ٹٹوا مرد مردوا۔

فارسی اسم مصغر بھی اُردو میں مستعمل ہیں جیسے باغچہ باغیچہ کوچہ دیگچہ بغچہ مردک فارسی میں دُہل کا مصغر دُہلک ہے اُردو میں اُن کی جگہ ڈھول اور ڈھولک ہے۔

مقامات استعمال

(۱) اکثر تو اس سے حقیقت میں چھٹائی مقصود ہوتی ہے۔

(۲) کبھی تحقیر جیسے مردوا (یہ لفظ اکثر مستورات بولتی ہیں)

(۳) کبھی چھوٹے کے لیے پیار اور شفقت سے جیسے بچونگڑا[۱]۔

(۵) اسم مُکبّر

جس لفظ کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت بڑائی پائی جائے اس کو اسم مکبّر کہتے ہیں جیسے بات بتنگڑ پگڑی پگڑ چھتری چھتر ناک ناکڑا۔

بعضے لفظ دوسرے لفظوں سے مل کر بڑائی کے معنے پیدا کرتے ہیں جس اسم میں بڑائی کے معنے پیدا ہوتے ہیں وہ اسم مکبر ہے اُردو میں لفظ بڑا بڑائی کے معنے پیدا کرتا ہی جیسے بڑا پہلوان بڑا استاد بڑا بادشاہ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ بڑا کا لفظ جب صفت پر واقع ہوتا ہے تو مبالغے کے معنے دیتا ہے (مبالغے کا ذکر آگے آئیگا)۔

فارسی اسم مکبر بھی اُردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں مثلاً شاہنشاہ شاہراہ شاہ بیت شاہ فرد شاہباز شہسوار شہتوت وغیرہ۔

(۶) اسمائے کنایہ

جب کلام میں کسی کا نام صراحۃً لینا یا کسی تعداد کو کھول کر بیان کرنا نہیں چاہتے یا کسی

---

[۱] بچے کا مصغر ہے اور یہ لفظ اہل دہلی بولتے ہیں۔

مطلب کو مختصر کرنا منظور ہوتا ہے تو مبہم سے الفاظ استعمال کرتے ہیں ایسے الفاظ اسمائے کنایہ کہلاتے ہیں۔

کسی کا صریح نام نہیں لینا ہوتا تو وہ یا وہ شخص یا امکا ڈھمکا بولتے ہیں امکا ڈھمکا اُردو میں وہی ہے جو فارسی میں فلان وبہمان ہے ایسا تیسا میں تحقیر پائی جاتی ہے رباعی

جب تک تھے گرہ میں احمقوں کی پیسے — سب کہتے تھے اُن کو آپ ایسے ایسے

مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق — پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

اس رباعی کے شعر اوّل میں ایسے ایسے بھی بمقام کنایہ مستعمل ہوئے ہیں "اُسکی ایسی تیسی" فلاں یا فلاں فلاں اُردو میں بھی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً فلاں شخص وہاں تھا فلاں نہ تھا یا فلاں فلاں شخص وہاں موجود تھے۔

فلاں کا لفظ اپنے لیے بھی بولتے ہیں۔

کبھی کسی کا نام ظاہر کرنا منظور نہیں ہوتا تو الفاظ تنکیر بولتے ہیں۔ مرزا غالب کہتے ہیں شعر

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں — سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

امکا ڈھمکا کے ساتھ "وہ" "وہ شخص" جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ اسمائے اشارہ بھی اسمائے کنایہ کا کام دیتے ہیں ذوق

یاں کے آنے کا مقرر قاصدا وہ دن کرے — جو تو مانگے گا تجھے دوں گا خدا وہ دن کرے

میں جو اُس کو سلام کرتا ہوں — گالیاں وہ مجھے سُناتا ہے

اختصارِ مطلب کی مثال سُنو ذوق

جُنی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے — ستاروں میں کیا کیا چناں اور چنیں ہے

اتنا اتنے وغیرہ تعداد کے اجمال کے لیے آتے ہیں جیسے "اتنا روپیہ کافی نہیں" "دو اتنے آدمی اس کام کو سرانجام نہیں کرسکتے"۔

اسم نکرہ کی اقسام میں سے مصدر حاصل مصدر اسم فاعل اسم مفعول اسم معاوضہ اسم حالیہ کا

حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۳) اسمائے استفہام

وہ اِسم ہیں جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

کون کس کتنا کتنے کتنی کے کیا کونسا کونسی کیسا کیسی کب کب کب کہاں کہاں کہاں کہاں کدھر۔

وہ کون ہے؟ کس نے تم سے کہا؟ یہ مکان کتنا اونچا ہے؟ اس کمشنری میں کتنے ضلعے ہیں؟ اِس ضلع میں کتنی تحصیلیں ہیں؟ یہ عمارت کتنی بلند ہے؟ تم کے بھائی ہو؟ حامد نے کیا کہا؟ یہ کونسا اندازِ کلام ہے؟ آج کونسی[1] تاریخ ہے؟ وہ کیسا ہے؟ زید کب گیا اور کہاں گیا؟ میر انشاء اللہ خاں سے

تم جو کہتے ہو مجھے تو نے بہت رسوا کیا
کیا گنہ کیا جرم کیا تقصیر میں نے کیا کیا؟
کیا کہا کس سے کہا کس نے سنا کب کس گھڑی؟
کس جگہ کس وقت کس دم آپ کا چرچا کیا؟
واسطہ باعث سبب موجب جہت کچھ بات بھی؟
راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا؟

بند آنکھیں کیے جاتا ہے کدھر تو کہ تجھے
ہے ترا نقشِ قدم چشم نمائی کرتا

کون انسان کے لیے آتا ہے۔ کیا حیوانوں اور چیزوں کے لیے کبھی کیا انسان کے لیے بھی آجاتا ہے اس کی صورت دیکھو بیت

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

کونسا عام ہے۔ انسان کے لیے بھی آتا ہے اور حیوانوں اور چیزوں کے لئے بھی کبھی تعداد کے لیے کتنا مقدار کے لیے۔ کتنے اور کتنی تعداد اور مقدار دونوں کے لیے۔ کیسا صفت کے لیے۔ کب اور کب کب ظرف زمان کے لیے۔ کہاں اور کہاں کہاں اور کدھر ظرف مکان کے لیے

[1] مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ "کونسی تاریخ کہنا چاہیئے"۔ بے شک لکھنؤ میں کونسی بولتے ہونگے مگر اہل دہلی کونسی یا کیا تاریخ بولتے ہیں۔

کبھی تجاہل عارفانہ سے ایسے شخص یا ایسی چیز کی نسبت سوال کرتے ہیں جس سے خوب واقف ہوتے ہیں اور ایسے طور پر سوال نہایت لطف دیتا ہے جیسے خواجہ میر درد

حیراں آئینہ وار ہیں ہم کس سے یارب دوچار ہیں ہم؟

اسمائے استفہام کے علاوہ حروف استفہام بھی ہیں جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں اُن کا ذکر فصل حروف میں ہوگا۔

(۴) اسم صفت

اسم صفت وہ اسم ہے جس سے کوئی چیز کسی خصوصیت کے ساتھ سمجھی جائے جیسے سچا جھوٹا سیدھا اُلٹا ہرا سوکھا بھلا بُرا گورا کالا اندھا کانڑاں[۱] لنگڑا لُولا دیکھو ان الفاظ سے جُدا جُدا خصوصیتیں مفہوم ہوتی ہیں اہلِ قواعد نے اس کی چار قسمیں قرار

---

[۱] کانڑاں دلّی میں کانے کو کہتے ہیں۔ کانڑاں کے متعلق ایک مزے دار بات بھی سنو مولوی نذیر احمد صاحب نے منتخب الحکایات میں ایک حکایت لکھی ہے کہ "دہلی کالج میں اضلاع میرٹھ بجنور سہارنپور مظفر نگر پانی پت گوڑگانوہ علی گڑھ وغیرہ کے اکثر طلبہ پڑھتے تھے اور اُن کی بولی میں ایک طرح کی سختی ہوتی تھی ہر ایک حرف کو مشدد بولتے جیسے آٹّا روٹّی بیٹّا نون کو ڑون کہتے دانے کو دانڑاں پانی کو پانڑیں کھانے کو کھانڑاں اور دہلی کے لوگ انکی گفتگو پر ہنسا کرتے تھے ایک شخص اُن میں تازہ وارد تھا ہموطنوں نے ملکر اُس کو سمجھایا کہ میاں اب تم یہاں آئے ہو تو ذرا زبان سنبھال کر بولنا ایسا نہ ہو روٹّی آٹّا کہہ بیٹھو اور دلّی والوں کو چھیڑنے اور ہنسنے کا موقع ملے یہ سُنکر اس شخص نے تشدید کی قسم کھائی اور یہاں تک تخفیف کی مشق بہم پہنچائی کہ واللہ باللہ کتا بلی کو وَلَاہ بلاہ کتا بلی کہنے لگا۔ دلّی والے اُس تشدید پر اتنا نہیں ہنستے تھے جتنا اس تخفیف پر لوٹ لوٹ جاتے تھے"۔ طبع اول میں یہ حکایت اتنی ہی لکھی ہے مگر حکایت پڑھتے کے ساتھ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ دلّی والے کھانے کو کھانڑاں کہنے والوں پر تو ہنستے ہیں اور خود کانے کو کانڑاں کہتے ہیں خدا جانے کسی نے مولوی صاحب سے یہ اعتراض بیان کر دیا یا نظر ثانی کے وقت خود ہی خیال آگیا ترمیم و نظر ثانی کے بعد جو کتاب چھپی ہے اس میں بطور دفع دخل مقدر اتنا اور اضافہ کر دیا ہے کہ اُسی طرح وہ بیچارہ نووارد ڈر سے کچھ ایسا ڈر سا گیا تھا کہ کانڑیں کو بھی کانا کہتا۔ دلّی کے لوگ اس کو اور دونا چھیڑتے" مگر حق یہ ہے کہ کانڑیں سے کانا فصیح ہے۔ شیخ مصحفی کا کوئی حریف ظریف کہتا ہے۔ شعر

تھا مصحفی کا نا جو چھپانے کو پس از مرگ
رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں اُنگلی

یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص ق کی جگہ خ بولا کرتا تھا مثلاً وقت کو وخت کہتا طاقت کو طاخت قلم کو خلم قینچی کو خینچی علیٰ ہذا القیاس کسی نے اُس سے کہا کم بخت! کہیں تو ق بولا کر۔ کہا بہت قوب مصنف

دی ہیں صفت مشبہہ صفت نسبتی۔ اسم عدد[۱] صفت عددی۔ مگر ہمارے نزدیک اسم تفضیل اور اسم مبالغہ بھی اسم صفت کی قسمیں ہیں اب سب کا مفصل حال سنو۔

صفت مشبّہہ

صفت مشبّہہ اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے وصف ذاتی یعنی وصفی معنے بطریق دوام سمجھے جائیں

صفت مشبہہ اور اسم فاعل میں فرق

صفت مشبہہ اور اسم فاعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اسم فاعل میں فعل ایک وصف عارضی ہوتا ہے اور صفت مشبہہ میں وصف ذاتی۔ اس فرق کو تم دو تین عربی الفاظ سے خوب سمجھ سکو گے۔ عربی میں عالم اور علیم دونوں لفظوں کے معنے ہیں جاننے والا لیکن عالم وہ جاننے والا ہے جس کو کسی کے بتانے سکھانے سے کسی بات کا علم ہوا ہو اور علیم ایسے جاننے والے کو کہتے ہیں جو بغیر کسی کے بتانے کے جانتا ہے اور جاننے کی صفت اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے ان دو لفظوں میں عالم اسم فاعل ہے علیم صفت مشبہہ اسی طرح سامع و سمیع دونوں کے معنے ہیں سننے والا لیکن سامع وہ سننے والا ہے کہ ایک شخص کچھ بول یا پڑھ رہا ہو اور وہ سنتا جاتا ہو مگر اُس کو سمیع نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ سمیع میں سننے کا وصف سننے والے کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ایسا شخص خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا یہی سبب ہے کہ عربی زبان میں خدا کی صفات ہمیشہ صفت مشبہہ کے وزن پر آتی ہیں۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ صفت مشبہہ کے لیے موصوف بھی قدیم ہو انسان کو بھی حسین و جمیل وغیرہ کہتے ہیں جس شخص کو حسین و جمیل کہتے ہیں اُس میں حسن و جمال اُس کی ذات سے لگا ہوا ہوتا ہے یہ نہیں کہ خوبصورتی کا کام کرے تو خوبصورت

---

[۱] صفت عددی تو ایک قسم کا اسم عددی ہے اور اسم عدد حقیقت میں اسم صفت نہیں مگر جس طرح صفت کا وجود بغیر موصوف کے نہیں ہوتا اسی طرح عدد بھی بغیر معدود کے پایا نہیں جاتا اسی وجہ سے صفت میں شمار کیا گیا ہے۔

ہو۔ غرض اسم فاعل میں فعل ایک اختیاری بات ہوتی ہے صفت مشبہ میں لازم۔ پڑھنے والا کسی کو اُس وقت کہا جائیگا جب وہ پڑھے لیکن سخی اور بخیل کو ہر وقت سخی اور بخیل کہینگے خواہ وہ اُس وقت سخاوت اور بخل کر رہا ہو یا نکر رہا ہو۔

اُردو میں صفت مشبہ بہت کم مشتق ہے جیسے اڑیل ہنسوڑ[1] کہ اڑنا اور ہنسنا سے مشتق ہیں

صفت مشبہ میں مذکر کی علامت اکثر الف آخر میں ہوتا ہے جیسے بھلا برا میٹھا کڑوا وغیرہ اور کم تر مقامات میں نہیں ہوتا جیسے اپاہج بھوہر اکھڑ۔

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں الف ہوتا ہے اور مذکر اور مؤنث دونوں پر بولے جاتے ہیں جیسے دُکھیا لڑاکا

کبھی اسم کے آخر میں الف زیادہ کر کے صفت مشبہ بناتے ہیں جیسے بھوکا۔ پیاسا جھوٹا سچّا۔

کبھی حاصل مصدر یا اسم پر حرف نفی لگا کر صفت مشبہ بنا لیتے ہیں جیسے بے ڈر نڈر اَن مول بے مول۔

کبھی عربی الفاظ کے پہلے حرفِ نفی اور آخر میں الف[2] بڑھا کر جیسے بے فکرا۔ ناشکرا بے وارثا۔

کبھی دو اسموں کی ترکیب سے یہ معنی حاصل ہوتے ہیں جیسے مُنہ زور ذوق سہ

جی عبادت سے چُرانا اور جنّت کی طلب ! کام چور اِس کام پر کس مُنہ سے اُجرت کی طلب

کبھی اسم جامد اور فعل یا اسم مشتق کی ترکیب سے جیسے مُنہ پھٹ ناک کٹا (جو مخفف ہو کر نکٹا ہو گیا ہے) دل چلا من چلا۔

کبھی اسم اور فعل امر فارسی کی ترکیب سے جیسے سمجھ دار لوچ دار

---

[1] میر انشاء اللہ خاں کہتے ہیں سہ

رات وہ بولے مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں ہیں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

[2] کبھی یہ الف زیادہ نہیں بھی کرتے اور بے فکر اور ناشکر وغیرہ بولتے ہیں۔

کبھی مصدر کے الف کو یائے معروف سے بدل کر جیسے حالی

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار ۔۔۔ پر ڈرانی[1] ہے بہت، آج بھنور کی صورت

فائدہ۔ جس اسم صفت کے آخر میں الف یا ہائے مختفی مذکر میں ہو بحالت تانیث اُن کی تبدیلی یائے معروف سے ہوگی جیسے اچھا اچھی دیوانہ دیوانی بندہ بندی اور جس اسم کے آخر میں یائے معروف ہو تو نون سے بدل جائیگی جیسے سڑی سڑن جن اسمائے صفت میں یہ علامتیں نہ ہوں اُن میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوتا جیسے لال سرخ سبز نیک بد پھوہڑ وغیرہ۔

فارسی اور عربی صفتیں بھی اُردو میں مستعمل ہیں جیسے سیاہ سفید ترش شیریں رنگیں بہادر دلیر خلیق[2] حسین[3] جمیل شکیل حکیم جوان شجاع وغیرہ۔

فائدہ۔ کبھی اسم مفعول بھی صفت مشبہہ کے معنے دیتا ہے جیسے پڑھا ہوا۔

کبھی دو اسم مفعولوں کی ترکیب اور علامات اسم مفعول کے حذف سے صفت مشبہہ بن جاتی ہے جیسے پڑھا لکھا۔

صفت نسبتی

صفت نسبتی اُس اسم کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرف نسبت ہوتا ہے اور جب کسی شخص یا چیز پر بولا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یا چیز کو اُس اسم سے کچھ نسبت اور تعلق ہے جیسے ہندی پنڈت معلوم ہوا کہ پنڈت کو ہندوستان سے رہنے کا علاقہ ہے عربی گھوڑا معلوم ہوا کہ گھوڑے کو عرب سے نسل اور اصل کا تعلق ہے بنارسی دوپٹا معلوم ہوا

---

[1] ڈرانی کی جگہ اکثر ڈراونی بولا جاتا ہے۔

[2] [3] خلیق اور حسین خ اور ح کے فتح سے ہیں اکثر لوگ جو الفاظ کی صحت سے واقف نہیں ان کے تلفظ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان کو خُلق اور حُسن کے قیاس پر خ اور ح کے ضمے سے بولتے ہیں یاد رکھو کہ یہ الفاظ امیر و فقیر کے وزن پر ہیں۔

کہ دوپٹے کو بنارس میں بننے کی نسبت ہے دریائی جانور معلوم ہوا کہ
جانور کو دریا میں رہنے کا تعلق ہے جنگلی درخت معلوم ہوا کہ درخت کو جنگل میں اُگنے کا علاقہ
ہے کابلی یا کشمیری میوہ معلوم ہوا کہ میوے کو کابل یا کشمیر میں پیدا ہونے کا تعلق ہے۔
یہ صفت اسم کے اخیر میں اکثر یائے نسبت کے لگانے سے جو معروف ہوتی ہے بنتی ہے
جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے ظاہر ہے۔

بعض اسموں میں جو تغیر و تبدّل واقع ہوتا ہے اُن میں اُن قواعد کا اتباع کیا جاتا
ہے۔ جو عربی و فارسی میں مروّج ہیں اور زیادہ تر تغیر و تبدّل عربی و فارسی الفاظ میں کیا
جاتا ہے جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے معلوم ہوگا۔

۱- جن ناموں کے آخر میں ہ ماقبل مفتوح ہوتی ہے جب اُن میں یائے نسبت لگاتے
ہیں تو ہ اکثر حذف ہو جاتی ہے جیسے بنگالہ بنگالی مکّہ مکّی کوفہ کوفی کپورتھلہ کپورتھلی
اور کبھی واؤ سے بدل جاتی ہے۔ جیسے آرہ آروی بٹالہ بٹالوی کاندھلہ کاندھلوی
ٹانڈہ ٹانڈوی۔

۲- اگر آخر میں ۃ ہو اور تیسرا حرف ی ہو تو دونوں گر جاتے ہیں جیسے مدینہ مدنی
ابو حنیفہ حنفی (حنفی میں ابو حنیفہ کا ابو بھی حذف ہوگیا اس لیے کہ نسبتوں میں کنیت کے لفظ
حذف ہو جاتے ہیں)

۳- اسمائے نکرہ میں ہائے مختفی ہمزے سے بدل جاتی ہے جیسے سرمہ سرمئی پستہ پستئی۔

۴- اگر آخر میں یائے معروف ہو تو واو زیادہ[1] کرتے ہیں جیسے علی علوی نبی نبوی
غزنی غزنوی دہلی دہلوی مگر بمبئی میں صرف ہمزہ حذف کر کے بمبی کہتے ہیں کبھی ی کو حذف
کر دیتے ہیں جیسے یمنی سے یمن۔

[1] بعض لوگ تحریر و تقریر میں بجائے لفظ زیادہ کے ایزاد استعمال کرتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایزاد لغتہً
کوئی لفظ نہیں ہے اور اس کا استعمال بالکل غلط ہے

معلوم ہے کہ دہلی کو عموماً دلی کہتے ہیں مگر نسبت میں دہلوی ہی بولتے ہیں دلوی نہیں کہتے۔ البتہ وال کا لفظ بڑھا کر دلی وال کہتے ہیں۔

۵۔ کبھی بلا لحاظ ی کے واو زیادہ کرتے ہیں جیسے دم دموی۔

۶۔ آخر میں الف ہو تو یائے نسبت سے پہلے ہمزۂ مکسور بڑھاتے ہیں جیسے طلا طلائی خدا خدائی سودا سودائی[۱] کبھی واؤ زیادہ کرتے ہیں جیسے سما سماوی صفرا صفراوی کبھی الف کو حذف کر کے واو زیادہ کرتے ہیں جیسے مولا مولوی دنیا دنیوی۔

۷۔ اگر آخر میں ایسا الف ہو جو ے کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو دونوں طرح جائز ہے جیسے مصطفٰے مصطفائی مصطفوی مرتضٰے مرتضائی مرتضوی موسٰے موسائی موسوی۔ عیسٰے عیسائی عیسوی۔

فائدہ۔ عربی قاعدے کے مطابق موسٰے اور عیسٰے سے صرف موسوی اور عیسوی آتا ہے موسائی اور عیسائی نہیں آتا۔ اسی طرح مصطفٰے اور مرتضٰے سے نہ مصطفائی اور مرتضائی آتا ہے نہ مصطفوی اور مرتضوی بلکہ مصطفی اور مرتضی (بیائے معروف) آتا ہے پس موسائی اور عیسائی اور مصطفائی اور مصطفوی اور مرتضائی اور مرتضوی اہل فارس و ہند کے تصرفات ہیں۔

۸۔ بعض اسما کے آخر سے الف و نون حذف کر دیتے ہیں جیسے بدخشاں سے بدخشی۔

۹۔ بعض میں الف و نون زیادہ کرتے ہیں جیسے رب ربانی حق حقانی نور نورانی۔ تحت تحتانی فوق فوقانی روح[۲] روحانی۔

۱۰۔ لفظ ستان کو (جو فارسی میں ظرفیت کے معنے دیتا ہے) حذف کر دیتے ہیں جیسے افغانستان سے افغانی ترکستان سے ترکی۔

۱۱۔ بعض الفاظ کی نسبت میں خلاف قیاس تصرف کیا گیا ہے جیسے صنعا سے صنعانی

---

[۱] لطیفہ۔ یادگار غالب میں لکھا ہے کہ ایک صحبت میں مرزا (غالب) میر تقی کی تعریف کر رہے تھے شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے انھوں نے (مرزا رفیع) سودا کو میر تقی پر ترجیح دی مرزا (غالب) نے کہا "میں تو تم کو میری ہی سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں"

[۲] روحی بھی آتا ہے۔

رے سے رازی طے سے طائی مرو سے مروزی یمن سے یمانی آرمینیا سے ارمنی۔ ہرات سے ہروی فرانس سے فرانسیسی۔

فائدہ۔ کبھی کسی خاص وجہ سے منسوب الیہ[1] ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ منسوب کا اصلی نام کوئی بھی نہیں جانتا منسوب الیہ ہی بلا لحاظ نسبت منسوب کا نام ہو جاتا ہے جیسے مصری حقیقت میں کسی چیز کا نام نہیں ہے صفت نسبتی ہے کسی زمانے میں ملک عرب میں مصر سے بہتر مصری اور ممالک سے نہیں جاتی تھی تو چونکہ سب سے اچھی مصری مصر کی وہاں جاتی تھی اس لئے لوگوں نے اُس کا نام ہی مصری رکھ لیا اب یہ ایسا نام ہو گیا ہے کہ کسی کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا کہ کوئی چیز مصر کی طرف منسوب ہے۔

اسم عدد

اِسم عدد اُس کو کہتے ہیں جو چیزوں کی تعداد ظاہر کرے اور جن چیزوں کی تعداد ظاہر کرے انسان ہوں یا غیر انسان اُن کو معدود کہتے ہیں جیسے ایک آدمی دو گھوڑے تین کتابیں چار قلمدان ساڑھے سات من چاول پونے دس ماشے سونا سوا چھ گز ململ اِن میں ایک دو تین چار ساڑھے سات من پونے دس ماشے سوا چھ گز اسم عدد ہیں اور آدمی گھوڑے کتابیں قلمدان چاول سونا ململ معدود۔

ایک کے سوا تمام اسمائے عدد کے معدود عموماً جمع بولے جاتے ہیں جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے ظاہر ہے۔

نثر میں اسم عدد ہمیشہ مقدم اور معدود موخر آتا ہے مگر نظم میں کبھی معدود پہلے اور اسم عدد پیچھے آجاتا ہے جیسے **مصرع** برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن **بیت**

کہے ایک جب سن لے انسان دو　　　　کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

کبھی معدود کو محذوف کر دیتے ہیں مثلاً تم پوچھو کہ زید کا مشاہرہ کیا ہے؟ جواب دینے والا

---

[1] جس چیز کی طرف نسبت کریں اُس کو منسوب الیہ کہتے ہیں۔

جواب دے کہ چالیس یعنی چالیس روپے۔

فائدہ۔ پانچ کے ساتھ چھ اور سات اور سولہ کا لفظ آئے تو ج کو حذف کرکے پان[1] چھ اور پان سات اور پان سو کہتے ہیں۔

فائدہ۔ استغراق مقصود ہو یعنی سب کی سب چیزیں مراد ہوں تو اکائیوں میں تین سے لے کر تمام اعداد کے آخر میں واو مجہول اور نون غنہ زیادہ کر دیتے ہیں جیسے تینوں چاروں پانچوں چھیوں ساتوں وغیرہ یعنی پورے تین پورے چار پورے پانچ وغیرہ دو کے استغراق میں لفظ نوں بواو مجہول زیادہ کیا جاتا ہے جیسے **شعر**

ایک سب آگ ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

بعض اہل زبان نون غنہ نہیں بڑھاتے صرف لفظ نو بڑھا کر دونو کہتے ہیں مگر یہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔

محاورے میں بعض اوقات اسم عدد مکرر آتا ہے مثلاً ایک جگہ کئی قسم کی کئی چیزیں ہوں اور تم ان کی قیمت دریافت کرنا چاہو اور پوچھو کہ ان چیزوں کی کیا کیا قیمت ہے تو جواب دینے والا جواب دے گا کہ ایک ایک روپیہ یا دس دس روپیے

تنبیہ۔ یاد رکھو کہ ایسے موقع پر جبکہ اسم عدد دو ایسے عدد ہوں کہ ایک اعلیٰ ہو ایک ادنیٰ تو صرف عدد ادنیٰ کو مکرر لائیں گے جیسے ایک سو بیس بیس دو سو اسّی اسّی لیکن اگر سینکڑوں یا ہزاروں یا لاکھوں کی اس طرح تعداد ظاہر کرنی ہو کہ وہ ایک ہے یا دو یا تین وغیرہ جیسے ایک سو دو ہزار تین لاکھ تو صرف ایک یا دو یا تین وغیرہ کو مکرر لاتے ہیں مثلاً ایک ایک سو دو دو ہزار تین تین لاکھ علیٰ ہذا القیاس۔

فائدہ۔ کبھی نظم میں ایک اک ہو جاتا ہے **شعر**

اٹھایا بار کتب خوب شیخ صاحب نے — ہم اک تو دُم نہ ہوئی ایک یہ کہ سُم نہ ہوئے

---

[1] پان چھ بعض فصحا بولتے ہیں ورنہ عموماً پانچ چھ بولا جاتا ہے۔

کبھی اسم عدد سے کثرت کے معنے لئے جاتے ہیں جیسے حالی

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اس کو غیر ہرگز ‏ ‏ جو سایہ اپنا بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب ‏ ‏ مجھکو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

عددِ کسری آدھا تہائی چوتھائی پانچواں چھٹا ساتواں آٹھواں نواں دسواں وغیرہ عدد کسری کہلاتے ہیں حروفِ عامل کے آنے سے آدھا اور پانچواں وغیرہ کا پچھلا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے جیسے آدھے میں پانچویں سے چھٹے کا۔ آدھا ایک کے ساتھ مل کر ڈیڑھ اور دو کے ساتھ مل کر ڈھائی یا اڑھائی کہلاتا ہے اور دیگر تمام اعداد کے ساتھ مل کر ساڑھے بولا جاتا ہے جیسے ساڑھے تین۔ ساڑھے چار وغیرہ۔

فائدہ۔ نوٹ[1] کے آدھے ٹکڑے کو ادھا (بہ الف مقصور و دھا، مشدد) کہتے ہیں

صفت عددی

صفت عددی وہ اِسم صفت ہے جس سے کسی چیز کا شمار درجے یا رتبے میں معلوم ہو اسم عدد اور صفت عددی میں یہ فرق ہے کہ اسم عدد میں مطلق تعداد ہوتی ہے اور صفت عددی میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے جیسے پہلا دوسرا تیسرا چوتھا پانچواں چھٹا ساتواں آٹھواں نواں دسواں بیسواں تیسواں وغیرہ یہ سب صفات عددی ہیں۔ "پانچواں" میں اور "ساتواں" سے لے کر آگے تمام اعداد میں واں لگایا جاتا ہے۔

فائدہ۔ حرف عامل یا تابع عامل کے آنے سے پہلا دوسرا تیسرا چوتھا چھٹا اور واں کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے جیسے دسویں شخص نے جمع مذکر کی ضمیر بھی یہی عمل کرتی ہے جیسے مصرع ع ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔

تانیث کی حالت میں واں کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہی جیسے جون کی بائیسویں تاریخ

فائدہ۔ صفت عددی کے بعد یہ کا لفظ واقع ہو تو بھی اُس میں وہی تبدیلی ہوگی جو اوپر مذکور

[1] وہ کاغذ مُراد ہے جو بطور سکۂ شاہی رائج ہے اور جس کو کاغذ زر کہتے ہیں۔

ہوئی جیسے پہلے یہ۔ دوسرے یہ۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اسم تفضیل

جو اسم صفت اپنے موصوف میں دوسری چیز کی نسبت ترجیح ظاہر کرے اُس کو اسم تفضیل کہتے ہیں۔ مگر نفس صیغہ اور ہیئت کے لحاظ سے اُردو میں اسم تفضیل مطلق نہیں اِسم تفضیل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چند الفاظ کے ذریعے سے تفضیلی معنے پیدا کئے جائیں۔ جیسا کہ دیگر اہل قواعد نے کیا ہے۔ البتہ عربی اور فارسی کے اسم تفضیل اُردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے یہ اُس سے کمتر ہے وہ اُس سے برتر ہے۔ حامد محمود سے افضل ہے۔

اُردو کے اہل قواعد نے جہاں اُردو میں اِسم تفضیل پیدا کیا ہے وہاں اس کے تین درجے بھی قرار دیے ہیں مثلاً اچھا بہت اچھا نہایت اچھّا یا بُرا بہت بُرا نہایت بُرا۔ پہلے کو تفضیل نفسی کہا ہے دوسرے کو تفضیل بعض تیسرے کو تفضیل کل جس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کو مفضّل کہتے ہیں اور جس پر ترجیح دیتے ہیں اُسے مفضّل علیہ۔

عربی میں اسم تفضیل افعل کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے افضل اکبر اصغر اصلح اسعد مگر اس وزن کے جن صیغوں میں عیب یا رنگ کے معنی پائے جائیں وہ اِسم تفضیل نہیں ہیں صفت مشبّہہ ہیں۔ جیسے احول احمر ابیض اسود۔

فارسی میں تر اور ترین تفضیل کے لیے آتے ہیں۔ جیسے بہتر بدتر نیک ترین کمترین **مومن**

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی ہے گراں تر جان جسمِ زار سے

اسم مُبالغہ

جو اِسم صفت اپنے موصوف کے وصف میں زیادتی ظاہر کرے اُس کو اسمِ مبالغہ کہتے ہیں۔ اِسم تفضیل اور اسم مبالغہ میں یہ فرق ہے کہ اُس میں دوسرے کے مقابل صفت

میں ترجیح ہوتی ہی۔ اس میں دوسرے کے مقابلے کا لحاظ نہیں ہوتا۔ بہت۔ بڑا۔ بہت بڑا بڑا ہی نہایت نہایت ہی۔ یہ الفاظ اسم صفت پر واقع ہو کر اسم مُبالغہ بنا دیتے ہیں۔ جیسے زید بہت دانشمند ہی بڑا عالم ہے بہت بڑا عالم ہی بڑا ہی عالم ہی نہایت خوش بیان ہی نہایت ہی خوش بیان ہی۔

خوب اور عجیب بھی وصف میں زیادتی پیدا کرتے ہیں۔ جیسے حامد خوب تقریر کرنے والا شخص ہی زید عجیب نالائق ہی۔

بعض اسماسے صفات میں لفظ پاک بھی مبالغے کے معنے پیدا کرتا ہی۔ جیسے پاک شہدا پاک بیحیا۔

بعض الفاظ پر سخت کا لفظ داخل ہو کر مبالغے کے معنے دیتا ہی۔ جیسے سخت افسوس کی بات ہی سخت تعجب کا مقام ہے۔

بعضے عربی اسم مبالغہ بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے علّام خلّاق رزّاق غفّار رحیم رحمان وغیرہ۔

مذکر و مونّث

اصل میں تو نر مذکر ہے اور مادہ مؤنث۔ مگر جو چیزیں کہ نر اور مادہ نہیں ہیں اہلِ زبان بولنے میں اُن کو بھی مذکر یا مونث قرار دے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہی کہ ہر زبان کی تذکیر و تانیث میں فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہی۔ اور اُردو میں بالخصوص زیادہ مشکل ہی۔ مثال کے طور پر گُھن اور دُھن کو دیکھو۔ دونوں لفظوں میں حروف کی تعداد اور حرکات و سکنات اور وزن میں کچھ فرق نہیں۔ مگر تذکیر و تانیث کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مناقض ہیں۔ یعنی گُھن مذکر بولا جاتا ہے دُھن مونث۔

جن چیزوں میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں لیکن مونث کر کے بولی جاتی ہیں اگر

اُن میں منجملہ علاماتِ تانیث (جن کا ذکر آگے آتا ہی) کوئی علامت ہو تو اُن کو مونث قیاسی کہتے ہیں۔ جیسے چھڑی ٹوپی حیا وفا وغیرہ۔ اور اگر کوئی علامت نہ ہو تو مونث سماعی جیسے کتاب پنسل۔ اور زیادہ تر دقّت ایسے ہی الفاظ میں واقع ہوتی ہے جن میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں۔

تذکیر و تانیث حقیقی و غیر حقیقی جو چیزیں روح حیوانی رکھتی ہیں (یعنی جاندار ہوتی ہیں) اُن کی تذکیر و تانیث کو تذکیر و تانیث حقیقی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن میں نر کے مقابل مادہ اور مادہ کے مقابل نر ہوتا ہی اور جو روح حیوانی نہیں رکھتیں اُن کی تذکیر و تانیث غیر حقیقی کہلاتی ہی۔ کیونکہ ان میں یہ امر صرف اعتباری ہوتا ہی۔ بعضے جاندار ایسے ہیں کہ بلا امتیاز نر و مادہ مذکر بولے جاتے ہیں جیسے طوطی کوّا ہُدہُد گِدھ اُلّو طوطا خرگوش اور بعضے بلا امتیاز نر و مادہ مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے قمری فاختہ مینا لومڑی چیل۔

بُلبل کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہی۔ اکثر اس کو مونث بولتے ہیں اور بعضے مذکر۔

فائدہ۔ جانداروں کی تانیث کی اگرچہ علامات بھی مقرر ہیں۔ مگر بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث بلا لحاظ علامت صرف معنوں سے پہچانی جاتی ہی۔ یعنی جو لفظ مذکر کے لیے ہوتا ہی اُس کو مذکر بولتے ہیں۔ اور جو مؤنث کے لیے ہوتا ہے اُسکو مونث۔ مثالیں بیان آئندہ میں معلوم ہونگی۔

انسان کی تانیث اُردو میں انسان کی تانیث کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل۔ نر کے لیے اور لفظ اَور مادہ کے لیے اُس کے مقابل اور لفظ۔ یعنی یہ اختلافِ الفاظ و بلا علامتِ تانیث۔ اور ایسے الفاظ تھوڑے ہیں۔

مذکر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث
باپ		میاں	بیوی
باوا	ماں	خصم	جورو
ابّا	اماں	سُسرا	ساس

مذکّر	مونّث	مذکّر	مونّث
بھائی	بہن	دولھا	دُلھن
داماد	بہو	صاحب	میم
فرد	عورت	راجہ رائے	رانی
بادشاہ نواب	بیگم	غلام	لونڈی

دوسرے۔ علاماتِ تانیث کے لگانے سے تانیث ظاہر ہوتی ہی اور اُس کے قاعدے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اگر اسم مذکر کے آخر میں الف ہو تو تانیث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہی۔ جیسے بیٹا بیٹی چچا چچی دادا دادی۔ نانا نانی۔

(۲) ہائے مختفی آخر میں ہو تو اُس کو بھی ی سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے بندہ بندی۔

ذات اور پیشے اور لقب اور قوم اور مذہب کے لحاظ سے پریشان قاعدے ہیں۔

(۱) کہیں تو مذکر کے الف کو یائے معروف سے بدل دیتے ہیں جیسے بھٹیارا بھٹیاری اور کہیں نون سے جیسے سقّا سقّن۔ جُلاہا جلاہن۔

(۲) جس اِسم کے آخر میں یائے معروف ہو اکثر نون سے بدلتے ہیں۔ جیسے درزی درزن۔ دھوبی دھوبن۔ تیلی تیلن۔ موچی موچن۔ حلوائی حلوائن۔ نائی نائن۔ فرنگی فرنگن۔ یہودی یہودن۔ مولوی مولون۔ اور کبھی ی سے پہلے الف نون زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے کھتری کھترانی۔

(۳) رائے مہملہ آخر میں ہو تو اکثر یائے معروف زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے لُہار لُہاری۔ کُمہار کُمہاری۔ چمار چماری۔ حلال خور۔ حلال خوری۔ اور کبھی نون جیسے سُنار سُنارن[۲]

---

[۱] بعض نے بھائی کے مقابل بھاوج کو مونث قرار دیا ہی۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ بھاوج بھائی کا جوڑا ہے تو خیر اسے بھی صحیح سمجھ لو۔ [۲] اہلِ دہلی تو سُنارن ہی کو نون سے بولتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے بعض اور اطراف میں لُہاری اور کمہاری اور چماری کو بھی نون سے بولتے ہیں۔

(۴) نون آخر میں ہو تو بھی یائے معروف زیادہ کرتے ہیں جیسے برہمن برہمنی۔

(۵) زائے معجمہ آخر میں ہو تو نون ساکن زیادہ کرتے ہیں جیسے انگریز انگریزن۔

(۶) الف نون آخر میں ہو تو کہیں صرف یائے معروف زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے پٹھان پٹھانی اور کہیں نون اور یائے معروف۔ جیسے مسلمان مسلمانی۔ اور جہاں یہ حروف نہ ہوں وہاں نون ی (نی) یا الف نون ی (انی) زیادہ کرتے ہیں جیسے نٹ نٹنی ڈوم ڈومنی شیخ شیخانی۔ مغل۔ مغلانی۔ سید سیدانی[1]۔ ہندو کی تانیث میں واؤ حذف ہو کر ہندنی ہو جا ہی۔ اور اُستاد کی تانیث میں دال حذف ہو کر اُستانی۔

بعضے اسم مذکر اور مونث دونوں کیلیے یکساں بولے جاتے ہیں جیسے بچّہ نوکر دار وغیرہ۔

بعض عربی اور فارسی اور ترکی الفاظ بہ امتیاز تذکیر و تانیث اُردو میں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے

مذکر	مونث
والد	والدہ
خالو	خالہ
ملک یا شاہ	ملکہ
خادم	خادمہ
داماد	عروس
خان	خانم
بیگ	بیگم
بادشاہ	بادشاہ بیگم
نواب	بیگم

حیوانات کی تانیث جانوروں میں اکثر علامتِ تانیث یائے معروف یا نون ساکن یا لفظ نی یا یا ہی۔ اگر مذکر کے آخر میں الف ہو تو مونث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہی جیسے مُرغا مُرغی۔ بلّا بلّی۔ گھوڑا گھوڑی (چڑیا اور کُتیا جو چڑا اور کُتا کی مونث ہیں اس سے

[1] اس لفظ کا تلفظ بہ تخفیف یا بھی ہی جو بحالت تذکیر مشدّد تھی میرانیس
سیدانیاں دیتی ہیں محمدؐ کی دُہائی اعدا ہیں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

مستثنےٰ ہیں) اور اگر الف نہ ہو تو علامتِ مذکورہ میں سے ایک علامت ہوتی ہے۔ جیسے کبوتر کبوتری۔ ناگ ناگن۔ شیر شیرنی۔ اونٹ اونٹنی۔ ہاتھی ہتھنی۔ بندر بندریا۔

بعض حیوان ایسے ہیں کہ اُن کے مذکر و مونث کے لیے مختلف الفاظ ہیں۔ جیسے بیل گائے۔

بعضے لفظ مذکر اور مونث دونوں کیلئے یکساں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے بچہّ۔ پلاّ۔

بیجان چیزوں کی تذکیر یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بیجان چیزوں کی تذکیر غیر حقیقی ہوتی ہے اُردو میں تذکیر کی علامت الف اور ہ ہے۔ خواہ وہ الفاظ جن کے آخر میں الف اور ہ ہو عربی ہوں یا فارسی (بہ استثنا ان عربی الفاظ کے جن کا بیان بیجان چیزوں کی تانیث میں آتا ہے) جیسے سونا لوہا چنا پودا بوریا دریا ملکہ[۱] نشانہ دانہ پروانہ[۲]

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہوتی۔ البتہ چند قسم کی تیئیں ہیں جو فارسی اور اُردو میں اس ہ کا کام دیتی ہیں۔ جیسے زبدہ ندوہ خلاصہ وغیرہ۔ اس قسم کے تمام لفظ اُردو میں مذکر بولے جاتے ہیں۔ ہاں جن الفاظ میں تائے تانیث ہو اُن کو مونث بولنا چاہیے۔ جیسے زوجہ ملکہ خادمہ۔

اُردو میں چند لفظ جن کے آخر میں الف ہے۔ جیسے مالا گھٹا چھایا ٹھلیا گنگا جمنا مونث بولے جاتے ہیں۔

عربی مصدر جو اِفعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر آتے ہیں۔ جیسے اکرام انصاف احسان اقدام انعام اجلاس اقرار انکار انحصار انکسار انخطاط اندمال انفعال التوا اقتضا انتظام اہتمام اعتقاد اتفاق وغیرہ[۳] مگر افراط اسناد۔ ابتدا انتہا احتیاط التجا مستثنےٰ ہیں۔ اقتدا ایک ایسا مصدر ہے جسے اکثر مذکر بولتے ہیں اور بعضے مونث[۴]

---

[۱] م۔ ل۔ ک کی زبر سے کسی چیز کا ڈھب آجانے اور اس پر قدرت حاصل ہونے کو ملکہ کہتے ہیں۔
[۲] اگرچہ شمع کا پروانہ بھی مذکر ہے۔ مگر چونکہ اس مقام میں بے جان چیزوں کا ذکر ہے اس لئے یہاں پروانے سے حاکم وقت کا حکم تحریری مُراد ہے جس سے لوگ عموماً واقف ہیں۔
[۳] مولوی علی حیدر صاحب لکھتے ہیں کہ افعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر اگر باب ناقص سے ہوں تو مونث ہیں۔ جیسے ایذا و انجلا و التجا۔ ورنہ اکثر مذکر ہی ہیں جیسے الزام و انفعال و اعتقاد۔
[۴] شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنے ایک خط میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

باب تفعّل کے مصدر بھی مذکر بولے جاتے ہیں۔ جیسے تبسّم تقرّر تصرّف تصوّف۔ تفنّع تکلّف تکلّم تعلّم وغیرہ باستثناء اُن الفاظ کے جن کے آخر میں یائے معروف یا الف مبدل بہ یا آتا ہے۔ جیسے تسلّی اور تمنّا کہ اصل میں تمنی تھا۔ **غالب**

دہر میں نقش وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا   ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہیں غالب   قسمت میں ہے مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

البتہ توجہ کو مونث بولتے ہیں اور یہ شاذ ہے۔

فائدہ۔ باب افتعال کے مصادر کے آخر جو الف ہوتا ہے حقیقت میں اس کے بعد ہمزہ ہوتا ہے مگر فارسی اور اُردو میں ہمزہ حذف کردیا جاتا ہے۔ اور فارسی میں اضافت کے وقت وہی ہمزہ عود کر آتا ہے جو حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ابتدائے عالم انتہائے عمر۔

بابِ تفاعل کے مصدر بھی بابِ تفعّل کے مصدروں کی طرح مذکر بولے جاتے ہیں اور جن مصادر کے آخر میں ی ہوتی ہے وہ مونث فرق صرف اتنا ہے کہ باب تفاعل کے جس مصدر کے آخر الف مبدل بہ یا آتا ہے وہ مذکر بولا جاتا ہے۔ بخلاف مصادرِ باب تفعّل کے کہ ان کے آخر میں الف مبدل بہ یا آئے تو مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

تجاہل توارد تعاقب تقاطع تقابل یہ سب الفاظ مذکر بولے جاتے ہیں۔ اور تقاوی تلافی تساوی مونث۔ تقاضا اور تماشا کہ اصل میں تقاضی اور تماشی تھا مذکر۔ تواضع کو جو مونث بولا جاتا ہے شاذ سمجھو۔

بابِ مفاعلہ کے مصادر جبکہ اُن کے آخر ت کی آواز ہ کی ہو۔ جیسے مراسلہ ملاحظہ معاینہ محاورہ مکالمہ مباحثہ مناظرہ مقابلہ محاکمہ وغیرہ۔

اُردو کے مصادر بھی جبکہ تنہا بولے جائیں یا جب متعدی مصدروں کے ساتھ مفعول مذکر مذکور ہو تو مذکر بولے جاتے ہیں۔

عربی الفاظ جو فاعلہ کے وزن پر آتے ہیں اکثر مذکر بولے جاتے ہیں۔ جیسے ناطقہ

حافظہ ہاضمہ قاعدہ واقعہ وغیرہ۔

منجملہ حروف تہجی کے یہ اکیس [۲۱] حرف مذکر بولے جاتے ہیں۔ ا ج۔ جھ۔ دھ۔ ڈھ۔ س۔ ش ص۔ ض۔ ع۔ غ۔ ق۔ ک۔ گ۔ ل۔ لھ۔ م۔ مھ۔ ن۔ نھ۔ و[۱] باقی سب مونث۔

بے جان کی تانیث (۱) جس لفظ کے آخر یائے معروف ہو اُس کو مونث کر کے بولتے ہیں جیسے نیکی۔ بدی۔ چھری چھڑی سوئی وغیرہ البتہ موتی گھی پانی مذکر بولے جاتے ہیں۔ دہی کو مذکر بھی بولتے ہیں مونث بھی[۲]

(۲) جن عربی مصدروں کے اوزان کا بیان کی تذکیر میں ذکر ہو چکا ہے اُن کے علاوہ وہ مصادر جن کے آخر الف آتا ہے۔ جیسے وفا۔ حیا۔ قضا۔ رضا۔ عطا۔ دعا۔

(۳) جن عربی مصدروں کے آخر میں تؔ ہو جیسے شہرت۔ قوت مقدرت عزت ذلت حکمت رخصت وغیرہ۔

(۴) باب مفاعلۃ کے مصادر جبکہ اِن کے آخر کی تؔ ظاہر کر کے پڑھی جائے۔ جیسے مکالمت مراسلت موافقت مخالفت معاشرت معاونت وغیرہ۔

(۵) جو عربی مصادر تفعیل کے وزن پر ہوں۔ عام اس سے کہ وہ اُردو میں مصدری معنوں میں مستعمل ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں۔ جیسے تقدیر۔ تحریر۔ تنبیہ تصویر تعلیم تقدیم تاخیر تعجیل تاثیر وغیرہ مگر تعویذ مستثنےٰ ہے۔

(۶) فارسی کے حاصل مصدر جن کے آخر میں شؔ ہو۔ جیسے کوشش آسایش آرایش گزارش۔ بخشش نازش سفارش آمیزش وغیرہ۔

اِن کے علاوہ اور حاصل مصدر بھی اکثر مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے گفتگو جستجو رفتار گفتار آمد و رفت خرید و فروخت نشست و برخاست فروگزاشت برداشت

---

[۱] بعض واو کو مونث بولتے ہیں [۲] ہم نے شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی سے دہی کی تذکیر و تانیث کے بارے میں دریافت کیا وہ لکھتے ہیں کہ "دہی کو یہاں مذکر و مونث دونوں طرح سے ہندو مسلمان بولتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ دہی کھٹا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دہی کھٹی ہے" مگر رائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب لکھتے ہیں کہ دہلی میں دہی مذکر بولا جاتا ہے

آسودگی افسردگی آزردگی وغیرہ۔

(۷) اُردو کے مصدر متعدی جبکہ اُن کے ساتھ مفعولِ مونث مذکور ہو جیسے کتاب پڑھنی۔ روٹی کھانی

(۸) اُردو کے حاصل مصدر جو بصورت امر آئیں۔ جیسے مار لوٹ۔ یا جن میں بعد حذف علامت مصدر ن یا ت یا ہٹ یا اوت یا اوٹ یا ا ری یا واس یا ی یا ری زیادہ کی جائے یا کچھ اور تصرف کرنے سے آخر میں س یا گ یا ل آئے۔ جیسے جلن پڑھنت گھبراہٹ کہاوت لگاوٹ اور ملاوٹ لڑائی بکواس ہنسی بکری لٹس لاگ چال۔

(۹) عربی کے اکثر الفاظ جن میں تائے تانیث ہوتی ہے اور فارسی اور اُردو میں ہ پڑھی جاتی ہے مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے حسینہ جمیلہ خادمہ وغیرہ۔

(۱۰) جس اسم صفت کے آخر میں الف ہو وہ یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اَچھا اَچھی بُرا بُری۔

فائدہ۔ بعض لفظ ایسے ہیں۔ کہ مذکر اور مونث دونوں طرح بولے جاتے ہیں۔ جیسے طرز فکر اپیل کمیشن اڈیشن۔ ہمارے نزدیک پچھلے دونوں لفظوں کو مذکر ہی بولنا چاہیئے۔

فائدہ۔ کبھی ایک ہی لفظ مختلف معنے دیتا ہے تو ایک معنوں کے لحاظ سے مذکر بولا جاتا ہے اور دوسرے کے اعتبار سے مونث۔ جیسے لب کہ ہونٹ کے معنوں میں مذکر بولا جاتا ہے۔ مگر مونچھ کو بھی لب کہتے ہیں۔ دیکھو اس بیت میں مونث ہو گیا۔ بیت

بس بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

یا جیسے کان کہ جب اس سے جسم کا وہ عضو مُراد ہو جس کے ذریعے سے سنتے ہیں تو مذکر ہے اور جب وہ قطعہ زمین مُراد ہو جہاں سے لوہا سونا چاندی وغیرہ نکلتا ہے تو مونث۔

فائدہ۔ بعض لفظ ایسے ہیں کہ مذکر اور مونث دونوں پر بولے جاتے ہیں جیسے بھاری اینٹ کو بھی بھاری کہتے ہیں پتھر کو بھی۔

فائدہ۔ بعض عربی الفاظ جو بحالت وحدت مذکر بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں ان کی تذکیر

تانیث میں اختلاف ہی جیسے "سوانح" اکثر تو یوں بولتے ہیں کہ اُن کے سوانح عمری میں لکھا ہی اور بعض یوں کہ ان کی سوانح عمری میں لکھا ہی۔ یہی حال لفظ معلومات کا ہی کہ زیادہ تر مذکر بولا جاتا ہے اور کمتر مونث اسی طرح بعض الفاظ جو بحالت وحدت مونث بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں ان کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہی۔ جیسے شرائط وجوہ منازل مذکر بولنے والے یوں بولتے ہیں کہ "تمام شرائط پورے ہو گئے"۔ "اُن کی صداقت کے یہی وجوہ ہیں" "اُس نے سب منازل طے کر لئے"۔ جو مونث بولتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ "تمام شرائط پوری ہو گئیں" "اُن کی صداقت کی یہی وجوہ ہیں" "اُس نے سب منازل طے کر لیں"۔

وحدت وجمع

شمار کی رو سے اسم دو طرح کا ہوتا ہے۔ واحد اور جمع۔

جو اسم ایک کے لئے بولا جاتا ہی اُسے واحد کہتے ہیں اور جو دو یا دو سے زیادہ کے لیے بولا جاتا ہی اُسے جمع جیسے لڑکا بندہ لڑکے بندے۔ پہلے دو اسموں سے ایک ہی ایک چیز سمجھی جاتی ہے اس لیے وہ واحد ہیں۔ اور پچھلے دو سے ایک سے زیادہ کئی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اس لیے وہ جمع ہیں۔

عربی میں دو کے لیے علیحدہ لفظ ہوتا ہی جسے تثنیہ کہتے ہیں۔ فارسی اور اُردو میں تثنیہ نہیں ہی البتہ فریقین اور جانبین اور طرفین اور والدین جو عربی الفاظ ہیں اُردو میں مستعمل ہیں۔

اُردو میں جمع کی علامتیں چھ ہیں یائے مجہول[۱] واؤ مجہول[۲] وں[۳] وں[۴] اں[۵] یں[۶] جیسے لڑکے لڑکو! لڑکوں راجاؤں لڑکیاں عورتیں۔

جمع کا عام قاعدہ

کسی اسم مذکر یا مونث پر خواہ اُس کے آخر میں علامتِ تذکیر و تانیث ہو یا نہ ہو جب حرف عامل یا تابع عامل آئے تو علامتِ جمع واو مجہول اور نون غنہ ہوگی۔ جیسے مردوں نے لڑکیوں نے کتابوں سے قلموں سے۔ اور اگر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو علامت جمع تو واوٴ مجہول اور

نون غنہ ہی ہوگی لیکن الف یا ہ حذف ہو جائے گی۔ جیسے لڑکوں نے۔ بچّوں نے بندوں نے مگر بعض اسم ایسے ہیں کہ اُن کے آخر سے علامت تذکیر حذف نہیں کی جاتی اور جمع میں واؤ نون سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے راجا[1] راجاؤں نے۔

ندا کی حالت میں صرف واؤ مجہول[2] علامت جمع ہے۔ اور الف اور ہ حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے اَے مردو اے لڑکیو اے لڑکو اے بچّو اے بندو۔

دوسری صورتوں میں قواعد ذیل ہیں۔

مذکر کی جمع

جس اسم کے آخر میں الف یا ہ علامات تذکیر ہوں تو جمع میں یہ علامتیں یائے مجہول سے بدل جائیں گی۔ جیسے لڑکا لڑکے کپڑا کپڑے بندہ بندے بچّہ بچّے پلّہ پلّے۔

اور اگر آخر میں نون غنہ اور اس سے پہلے الف ہو تو جمع میں الف یائے مجہول سے بدل جائیگا جیسے کنواں کنوئیں۔ سماں سمیں۔

شعر

نالہ اِک دم میں اُڑا دے گا دُھوئیں   چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

اور اگر علاماتِ مذکورہ آخر میں نہ ہوں تو واحد و جمع یکساں ہے۔ یعنی واحد میں کچھ تصرّف نہیں کیا جاتا۔ جیسے مرد آیا مرد آئے پتھر پڑا پتھر پڑے۔

مونث کی جمع

جس اسم کے آخر میں علامتِ تانیث یعنی یائے معروف ہو تو اُس کی جمع میں الف اور نون غنہ

---

[1] راجا کا لفظ دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ راجہ، راجا۔ پہلی صورت میں بحالت جمع ہ الف سے بدل جاتی ہے۔

[2] سر سید احمد خاں مرحوم ندا کی حالت میں واؤ کے ساتھ نون غنہ بھی استعمال کرتے اور اے دوستوں اور اے صاحبوں کہتے تھے مگر وہ اس میں منفرد تھے۔

بعض لفظ ایسے ہیں کہ بولنے والا خیال کرتا ہے کہ اُن کے آخر میں نون غنہ بولا جاتا ہے اور اس مغالطے کی وجہ سے نون لکھ دیتا ہے۔ جیسے رِند

نظر لطف بھی تم جانتے ہو خوش چشموں   یا فقط آنکھ ہی غصّے کی دکھا آتی ہے

اسی طرح بعض ہمدموا اور مومنوا ور مسلمانو کے آخر میں بھی نون لکھ دیتے ہیں۔

زیادہ کیا جائیگا۔ جیسے لڑکی لڑکیاں نیکی نیکیاں۔ اور اگر یہ علامت نہ ہو تو یائے مجہول اور نون غنہ علامت جمع ہوگی۔ جیسے تلوار تلواریں تصویر تصویریں عید عیدیں نماز نمازیں اور اگر آخر میں واو یا الف ہو تو جمع میں یائے مجہول اور نون غنہ سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جائیگا۔ جیسے خوشبو خوشبوئیں جورو جوروئیں بلا بلائیں ہوا ہوائیں۔

اور اگر اسم کے آخر میں نون غنہ اور اُس سے پہلے الف یا واو معروف ہو تو جمع میں نون غنہ سے پہلے ہمزہ اور یائے مجہول زیادہ کی جائیگی۔ جیسے ماں مائیں جوں جوئیں۔

یہ قاعدے اِسم ذات سے متعلق ہیں۔ اِسم صفت کی جمع مونث دو طرح سے آتی ہے۔ ایک پہلی جمع مونث کی طرح یعنی الف اور نون غنہ کے ساتھ۔ دوسری صرف نون غنہ کے ساتھ جیسے اونچی اونچیاں اونچیں اچھی اچھیاں اچھیں۔

ذیل کے نقشے سے ہر ایک قسم کی جمع کا جس میں اسم فاعل اور اسم مفعول اور اسم حالیہ بھی داخل ہیں مفصل حال معلوم ہوگا۔

اسم کی قسم	واحد	جمع
اسم ذات مذکر	لڑکا	لڑکے۔ لڑکوں۔ لڑکو!
ایضاً	بندہ	بندے۔ بندوں۔ بندو!
ایضاً	راجہ۔ راجا	راجے۔ راجاؤں۔ راجاؤ۔
ایضاً	کنواں	کنوئیں۔ کنوؤں۔ کنوؤ۔
اسم ذات مونث	لڑکی	لڑکیاں۔ لڑکیوں۔ لڑکیو
ایضاً	کتاب	کتابیں۔ کتابوں۔ کتابو۔
صفت مشبہہ مذکر	اچھا	اچھے۔ اچھوں۔ اچھو۔
صفت مشبہہ مونث	اچھی	اچھیاں۔ اچھیں۔ اچھیوں۔ اچھیو۔
اسم فاعل مذکر	مارنے والا	مارنے والے۔ مارنے والوں۔ مارنے والو۔
اسم فاعل مونث	مارنے والی	مارنے والیاں۔ مارنے والیں۔ مارنے والیوں۔ مارنے والیو۔
اسم مفعول مذکر	گیا ہوا	گئے ہوئے۔ گئے ہوؤں۔ گئے ہوؤ۔
اسم مفعول مونث	گئی ہوئی	گئی ہوئیں۔ گئی ہویوں۔ گئی ہویو۔
اسم حالیہ مذکر	ہنستا ہنستا ہوا	ہنستے۔ ہنستے ہوئے۔ ہنستے ہوؤ۔
اسم حالیہ مونث	ہنستی ہنستی ہوئی	ہنستیں۔ ہنستی ہوئیں۔ ہنستی ہویو۔

فائدہ۔ بعض الفاظ کی جمع فارسی کے طور پر بھی اُردو میں مستعمل ہے۔ جیسے کروڑہا۔

فائدہ۔ عربی جمعیں بھی اُردو میں بہت آتی ہیں۔ جیسے حکم احکام۔ عالم عُلما۔ ناظر ناظرین۔ حاضر حاضرین۔ سامع سامعین۔ فعل افعال۔ عمل اعمال۔ مخالف مخالفین۔ نبی انبیا ولی اولیا۔ معاملہ معاملات۔ مشاہدہ مشاہدات۔

فائدہ۔ لفظ ہندی یا ہندو کی جمع ہنود ہے۔ بہت سے لوگ ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ ملاکر اہلِ ہنود کہتے ہیں۔ مگر ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ استعمال کرنا ایسا ہی جیسے مسلمین کو اہلِ مسلمین کہنا۔ اور یہ کسی صورت میں صحیح نہیں۔ آسان قاعدہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لفظ کسی مبتدا یا اسم کی خبر ہو سکے۔ اس پر اہل کا لفظ کبھی نہیں آتا۔ یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ اہل اسلام ہے۔ لیکن یوں نہیں کہہ سکتے کہ رام داس اہل ہندو ہے۔ اور جب ہندو پر اہل اہل کا لفظ نہیں آتا۔ تو ہنود پر کہ اُسی کی جمع ہے کیوں آئے۔

فائدہ۔ کبھی جمع کو واحد قرار دیتے ہیں۔ جیسے وہ بڑا اشراف آدمی ہے۔ اشراف شریف کی جمع ہے مگر اردو میں اکثر واحد یعنی شریف کی جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح احوال حال کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مولوی حالی کہتے ہیں۔

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

اولاد اور افواہ بھی اسی طرح کے لفظ ہیں اور بعض اوقات اوقات اور اصول بھی اسی طریق سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ "اس کی اوقات ہی کیا ہے" یا یہ "اصول بہت اچھا ہے"۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ افواہ فوہ کی جمع ہے جس کے معنے مُنہ کے ہیں اور اوقات وقت کی جمع ہے مگر جس طریق پر یہ الفاظ بصورت واحد استعمال کیے جاتے ہیں اپنے اصلی معنوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔

فائدہ۔ سہ حرفی الفاظ جن کے پہلے دو حرف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن ہو۔ جمع میں اُن کا حرف ثانی اکثر ساکن ہو جاتا ہے۔ جیسے قدموں نظروں۔ ناسخ

ہے عجب راہِ عدم بھی جو چلا اس راہ میں　　اِک قدم میں پیش قدموں کے برابر ہو گیا

حالی

چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی　　کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

کبھی متحرک ہی رہتا ہے۔ جیسے **ظفر**

ہمارے حال سے وہ بیخبر نہیں آگاہ　　وگرنہ یہ خبریں ہیں کہاں کہاں دوڑیں

جمع الجمع

کبھی جمع کی جمع کرتے اور اُسے جمع الجمع کہتے ہیں۔ جیسے وجوہات اور لوازمات پہلا لفظ وجوہ کی جمع ہے اور وجوہ وجہ کی جمع ہے۔ دوسرا لوازم کی جمع ہے اور لوازم لازمہ کی جمع۔ یہ الفاظ فصحا کے کلام میں دیکھے گئے ہیں مگر ان کے قیاس پر یہ ضرور نہیں کہ سب لفظوں کی جمع الجمع بنالی جائے۔ اشرافوں کو جمع اور جمع الجمع دونوں ہی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اشراف کو واحد قرار دیا جائے تو جمع اور اگر جمع سمجھا جائے تو جمع الجمع۔ مگر حقیقت میں جمع الجمع ہی۔

اسمِ جمع

بعض اسم ایسے ہیں کہ لفظاً واحد ہیں اور معنیً جمع۔ یعنی اُن میں جمع کی کوئی علامت نہیں۔ لیکن جمع کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے لوگ فوج لشکر بھیڑ گروہ انبوہ خلقت قافلہ جماعت وغیرہ۔ ایسے لفظوں کو اسمِ جمع کہتے ہیں۔

فائدہ۔ لوگ کے ساتھ جب حروف عاملہ آتے ہیں تو لوگوں ہو جاتا ہے۔ جیسے لوگوں نے کہا۔ **مومن**۔

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم　　تو اب یہ لوگوں سے باتیں سُنا نہ کرتے ہم

جنس اور اسمِ جنس

جنس | بعض لفظ ایسے ہیں کہ قلیل و کثیر یا سالم شے اور اس کے جز دونوں پر بولے جاتے ہیں

جیسے پانی - ایک قطرہ آب کو بھی پانی کہتے ہیں دریا کو بھی پانی - اسی طرح گیہوں ایک دانہ ہو تو بھی گیہوں ڈھیر ہو تو بھی گیہوں - ایسے الفاظ جنس کہلاتے ہیں -

اسم جنس | بعض لفظ ایسے ہیں کہ جزو شے پر نہیں بولے جاتے اور نہ بہتوں پر بولے جاتے ہیں - بلکہ ہر فرد پر بولے جاتے ہیں - جیسے آدمی گھوڑا بیل وغیرہ - دیکھو آدمی کے سر یا پاؤں یا ہاتھ یا بانہ یا ٹانگ کو آدمی نہیں کہتے ہیں - اور نہ بہت سے گھوڑوں یا بیلوں کو گھوڑا یا بیل کہہ سکتے ہیں - بلکہ ہر گھوڑے کو گھوڑا اور ہر بیل کو بیل کہتے ہیں - ایسے الفاظ اسم جنس کہلاتے ہیں -

الفاظ تنکیر

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکرہ غیر معین شے کو کہتے ہیں - جن الفاظ سے غیر معین شے کو بولتے ہیں وہ یہ ہیں - کوئی - کوئی سا - کچھ - کسی - جیسے کوئی آدمی - کوئی شخص کوئی چیز کوئی سا حصہ کوئی سی[1] بات کچھ کام کچھ مطلب - کوئی اور کوئی سا عام ہیں - ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں - کچھ خاص ہے صرف غیر ذی روح کے لیے آتا ہے -

جب ان کے بعد حروف عامل یا توابع عامل آئیں تو ان کی تبدیلی کسی سے ہو جاتی ہے جیسے کسی سے کچھ امید نہ رکھو کسی چیز کا افسوس نہ کرو - مگر بعض اوقات کوئی بدستور رہتا ہے - اور حروفِ عاملہ اس میں کچھ عمل نہیں کرتے جیسے **شعر**

آنا ہے تو آجا کہ کوئی دم کی ہے مہلت پھر دیکھیے آتا بھی ہے دم یا نہیں آتا

اسم واحد کے حرف اخیر کی تبدیلی

جب اسم کے آخر الف یا ہائے ماقبل مفتوح ہو اور اس کے آخر میں حروفِ عامل یا توابع عامل میں سے کوئی حرف آئے تو الف اور ہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں - جیسے

[1] تانیث میں سا کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے -

بندے سے نے ہفتے سے معاملے سے لڑکے نے اچھے کو بُرے کو کہنے سے۔ سُننے سے۔ گلزار نسیم

ہرچند کہ تھا وہ دیو اُڑدا حلوے سے کیا مُنہ اُس کا میٹھا

ننھے منے بڑے سب قسم کے مچھر پیٹے لنگڑے لولے تو جدا ٹوٹ پڑے کاٹنے تک

تھے جو بھُوکے سے توکی خوب ہی ریلا پیلی ایسے حملے کیئے فرصت نہ دی کھجلانے تک

جو الف بصورت یا لکھا جائے اُس پر بھی یہی قاعدہ عمل کرتا ہے۔ جیسے دعوے سے فتوے ہیں۔

مگر چند اقسام کے الفاظ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہیں۔

(۱) اعلام۔ جیسے خدا۔ زکریا یحیےٰ موسےٰ عیسےٰ مسیحا۔ مصرع

وہ کیا ہی جو نہیں ہوتا خدا سے

(۲) فارسی اِسم فاعل سماعی۔ جیسے دانا بینا۔

(۳) جو الفاظ رشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ابّا چچا دادا نانا پھوپا وغیرہ دولھا کا رشتہ دلھن سے ہے اس کا الف بھی نہیں بدلتا۔

(۴) بعض کتابوں کے نام جیسے کریما[۱] شمس بازغہ۔

(۵) بعض شہروں کے نام جیسے بلیا متھرا کالکا گیا وغیرہ۔

(۶) وہ مصدر جس کے کسی امر متعلق کا ذکر ہو۔ جیسے جانا کی ماضی مطلق گیا ہے۔ اور بکنا کا متعدی بیچنا۔

(۷) بعض عربی مصدر جیسے ادعا التجا التفا اقتضا ایما۔

(۸) عربی اِسم مفعول جیسے مدعا مقتضا۔

(۹) عربی اِسم تفضیل جیسے ادنےٰ اعلےٰ اقصےٰ۔

[۱] اہل دہلی کے ہاں کریما غیر منصرف ہے اور وہ کریما کا سبق بولتے ہیں۔

(۱۰) وہ الفاظ جو مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے ماما اناّ آیا ددا دایہ فاختہ مینا ہوا دوا دُعا کہتے ہیں "نہ دوا نے کچھ اثر کیا نہ دُعا نے"۔ "ملکہ معظمہ کی فیاضیوں کی کیا تعریف ہو سکتی ہے"۔

(۱۱) وہ الفاظ جو عبارت میں بہ ترکیب فارسی واقع ہوں جیسے "موصول وصلہ کی بحث آگے آئے گی"۔ **مقتول**

آہ و گریہ سے مجھے حاصل ہی سیرِ خشک و تر ہوں کبھی دریا میں اے وحشت کبھی جنگل میں ہوں

کبھی ایسے الفاظ کو حروف عامل کے آنے سے بدل بھی دیتے ہیں جیسے **سُرور**

کل تلک تھا جس مکاں پہ شمع رویوں کا ہجوم چھانتے ہیں اب ہاں پر خاکِ پروانے کو ہم

جس غزل میں کا یہ شعر ہے اُس کا قافیہ افسانے اور سلجھانے ہی۔

(۱۲) چند اور الفاظ جن کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے راجا غنقا ہما دریا صحرا۔

جس اسم میں ۃ سے پہلے ایسی تی ہو جس کے پہلے الف ہو تو تی ہمزے سے بدل جاتی ہی۔ جیسے ہدائے میں لکھا ہے سرمائے کی ضرورت ہے وہ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ **امیر**

میں مٹ گیا تو ساتھ مرے یہ بھی مٹ گیا سائے سے خوب حقِ رفاقت ادا ہوا

فائدہ۔ جن الفاظ میں حروفِ عاملہ کے آنے سے تغیر ہو جاتا ہے وہ منصرف کہلاتے ہیں اور جن میں تغیر نہیں ہوتا وہ غیر منصرف تو جتنے الفاظ مستثنیات میں ذکر کئے گئے ہیں سب غیر منصرف ہیں۔

فائدہ بعض الفاظ جن کے آخر میں عین ماقبل مفتوح آتا ہی۔ جیسے مجمع۔ موقع مطلع مصرع جب ان کے ساتھ حروف عاملہ آتے ہیں یا یہ الفاظ جمع کے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو ان کے تلفظ میں یہ تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کہ عین کا پہلا حرف مکسور بولا جاتا ہی۔ جیسے بھرے

مجمع ہیں ایسے موقع پر مصطفائی مطبع کا مالک۔ ع
ایک مصرع کی بڑھ گئی ہے دُم

شعر

بُرقع کو اُٹھا چہرے سے وہ بُت اگر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

ہو حیراں اگر عالم میں ہر صورت علحدہ ہے ۔ مرقع میں ہزاروں رنگ کی تصویریں ہوتی ہیں

مرزا غالب کہتے ہیں **شعر**

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنویِ ابرِ کرم میں لکھتے ہیں۔ **بیت**

روشن سب اس میں عہد بعید و قریب ہیں
شاہانِ ماسلف کے مرقعِ عجیب ہیں

یہاں مرقع۔ جمع کے محل میں استعمال ہوا اور پڑھنے میں مرقعے آیا ہے۔ بعض لوگ مقامات مذکورہ میں ایسے الفاظ کے آخر میں یائے مجہول زیادہ کر دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اہل زبان مجمعے اور مطبعے اور مرقعے نہیں بولتے اور الفاظ لکھے اُسی طرح جاتے ہیں جس طرح بولے جاتے ہیں۔

دوسرا حصّہ

نحو کے علم میں

نحو

نحو وہ علم ہے جس سے اجزائے کلام کو ترکیب دینے اور جدا جدا کرنے کا ڈھنگ آتا اور کلمات کے ربط اور باہمی تعلق کا حال معلوم ہوتا ہے اور جس غلطی سے مطلب میں خلل واقع ہو اُس سے کلام کو بچاتا ہے۔

کلام | جب دو یا دو سے زیادہ کلمات ترکیب پائیں۔ تو اُس کو کلام کہتے ہیں۔ کلام تام میں اسناد کا ہونا بھی ضروری ہے جیسا آگے بیان ہوگا۔

کلام کی قسمیں

کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ناقص[1] تام[2]۔ کلام ناقص وہ مرکّب ہے جس سے سننے والے کو پورا فائدہ حاصل نہ ہو۔ یعنی خاطر جمع نہ ہو۔ جیسے زید کی کتاب۔ خالد کا سبق سفید کپڑا ایک سو بیس۔ ان کلمات سے سامع فائدہ تام حاصل نہیں کر سکتا اور پورے مطلب کے بیان کا منتظر رہتا ہے۔ ایسے کلام کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ جزو جملہ ہوتا ہے

کلام تام وہ مرکب ہے جس کے سننے سے پُورا فائدہ ہو جیسے۔ مصرع

توفیق کار نیک ہمیں اے کریم دے

مرزا غالب

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہی　　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلی مثال میں شاعر خدا سے کارِ نیک کی توفیق مانگتا ہے۔ اور سامع اس کلام سے فائدہ تام حاصل کرتا ہے۔

دوسری میں شاعر کسی ایسے شخص کے آنے کا حال بیان کرتا ہی جس کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس کے اپنے گھر آنے پر مسرت آمیز تعجب ظاہر کرتا ہی اور سننے والا اس کلام کو سُنکر بیان مزید کا منتظر نہیں رہتا۔

مرکّب ناقص کا بیان

اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مرکب اضافی مرکبِ توصیفی مرکب عددی مرکب عطفی مرکبِ ظرفی مرکب امتزاجی بدل و مبدل منہ عطفِ بیان تابع مہمل تابع موضوع۔ تاکید و موکد تمیز و ممیز اسم فاعلِ ترکیبی اسم مفعولِ ترکیبی اسمِ صفتِ ترکیبی اسمِ تکبّر جو مرکب ہو اسم مبالغہ اسم تفضیل اِشارہ اور مشارٌ الیہ۔

(۱) مرکب اضافی

اضافت۔ مضاف۔ مضاف الیہ

جب دو اِسم آپس میں ملتے ہیں تو اُن میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس ناتمام لگاؤ کا نام اضافت ہی۔ جس اِسم کا دوسرے کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف کہتے ہیں اور جس اسم کے ساتھ ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف الیہ اور مجموعے کو مرکب اضافی۔

عربی اور فارسی میں مضاف مقدم آتا ہے - اور مضاف الیہ موخر - مگر اردو میں مضاف الیہ کو پہلے اور مضاف کو پیچھے لاتے - اور اُس کے خلاف کو خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں جیسے **غالب**

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش   صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

اس شعر میں شوریدگی مضاف الیہ ہے جو مقدم ہے - اور ہاتھ مضاف ہے جو موخر ہے -

نظم میں ضرورت شعری کے سبب لیا اوقات مضاف مقدم اور مضاف الیہ موخر ہوتا ہے جیسے **حالی**

قفل درِ مُراد سب اِک بار کُھل گئے   چھوٹا جب آرزو نے بھروسا کلید کا

یہاں بھروسا مضاف مقدم ہے اور کلید مضاف الیہ موخر **داغ**

جوہر دکھاؤ صاحبِ جوہر کے روبرو   ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو

اس شعر میں قدر مضاف مقدم ہے - اور آئینہ مضاف الیہ موخر -

نثر میں بھی بعض اوقات تقدیم و تاخیر کر دیتے ہیں یعنی مضاف کو پہلے اور مضاف الیہ کو پیچھے لاتے ہیں - اور وہاں وہی ترکیب اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے "دین دو اسے بیمار کی - تسلی ہے بیقرار کی - متاع ہے خریدار کی - بشارت ہے اُمیدوار کی - نجات ہے گنہگار کی - یعنی عنایت ہے پروردگار کی"۔

مضاف اور مضاف الیہ کے پہچاننے کی عام علامت یہ ہے کہ سوال میں جس اِسم کے ساتھ کس کا کس کے کس کی کن کا کن کے کن کی لگ سکے وہ مضاف ہے - اور جو اسم اُس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ جیسے عارف کا سبق یہاں اگر پوچھیں کس کا سبق تو جواب ہوگا عارف کا - بس سبق مضاف ہے - اور عارف مضاف الیہ - چونکہ اضافت کی کئی قسمیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے اس لئے بعض اضافتوں میں مضاف کے ساتھ کونسا اور بعض میں کاہے کا یا کس چیز کا لگتا اور جو اُس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ ہوتا ہے - جیسے جنوری کا مہینہ - یہاں اگر پوچھیں کونسا مہینہ ؟

تو جواب ہوگا جنوری کا۔ پس مہینہ مضاف ہے اور جنوری مضاف الیہ۔ اسی طرح چاندی کی انگوٹھی۔ اگر پوچھیں کا ہے کی یا کس چیز کی انگوٹھی ؟ تو جواب ہوگا چاندی کی۔ پس انگوٹھی مضاف ہے اور چاندی مضاف الیہ۔

جب مضاف الیہ منجملہ اُن الفاظ کے نہ ہو جن کے آخر آ رے ری نا نے نی آتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ ہمیشہ کا یا کے یا کی آتا ہے۔ اسی لیے ان الفاظ کو علامت اضافت کہا گیا ہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ جس اسم کے ساتھ یہ لفظ آئیں وہ مضاف الیہ ہی ہو۔ کیونکہ بعض اوقات اور الفاظ کے ساتھ زائد بھی آجاتے ہیں۔ جیسے "علم کے معنی جاننے کے ہیں"۔ یہاں دوسرا کے زائد ہے کبھی یہ علامت حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے"۔ یعنی ہاتھ کے کنگن کو۔

جب میرا میرے میری تیرا تیرے تیری ہمارا ہمارے ہماری تمھارا تمھارے تمھاری اپنا اپنے اپنی مضاف الیہ ہوتے ہیں تو کا کے کی میں سے کوئی علامتِ اضافت نہیں آتی۔

اضافت کا فائدہ یہ ہے کہ مضاف میں کسی نہ کسی طرح کی خصوصیت یا وضاحت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) **اضافت تملیکی**۔ جب مملوک کی اضافت مالک کی طرف یا مالک کی اضافت مملوک کی طرف ہو تو اُس کو اضافت تملیکی کہتے ہیں۔ جیسے ناصر کا گھوڑا۔ ہندوستان کا بادشاہ۔ پہلی مثال میں مضاف یعنی گھوڑا مملوک ہے۔ اور ناصر مالک۔ دوسری میں بادشاہ مالک اور ہندوستان مملوک۔

(۲) **ظرفی**۔ اس میں مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہوتا ہے۔ جیسے کوئیں کا پانی باغ کا پھول۔ یہ مثالیں ظرف مکان کی ہیں۔ ظرف زمان جیسے صبح کی ہوا دوپہر کی دھوپ **بیت**

نہ لُو جیٹھ کی جی چھڑاتی ہے اُن کا   نہ ٹھر ماہ کی دُم تڑاتی ہے اُن کا

اسی طرح ڈھاکے کی ململ مُراد آباد کے بھرت کے برتن کشمیر کی زعفران[1] اور دوشالہ نگینے کی کنگھی لاہور کے ریشمی ازاربند دلّی کا مرصّع زیور۔ بنارس کا گلبدن اور کمخواب چھپرا مئو کے پیڑے ہوشیارپور کا جوتا گورکھپور کا اناس قنوج کا عطر کالپی کا کاغذ اور مصری ٹانڈے اور امروہے کے مٹی کے باسن جھانسی کا کیوڑہ کانپور کا چرمی اسباب یہ سب اضافتیں ظرفی ہیں۔

کبھی مضاف الیہ مظروف ہوتا ہے اور مضاف ظرف۔ جیسے سونے کی کان۔ چائے کا پیالہ پانی کا گھڑا۔

(۳) **تخصیصی**۔ جس میں مضاف اپنے مضاف الیہ کے سبب خصوصیت حاصل کرے اور تملیکی وظرفی نہ ہو جیسے حامد کا غلام ریل کا اسٹیشن۔ یاد رکھو کہ اس اضافت میں کبھی وہ چیز جو مضاف ہوتی ہے مضاف الیہ کا جز ہوتی ہے۔ جیسے عابد کا ہاتھ عاقل کا پاؤں۔

(۴) **توضیحی**۔ جس میں مضاف الیہ مضاف کی وضاحت کرے۔ اس اضافت میں مضاف عام ہوتا ہے اور مضاف الیہ خاص۔ یا یہ کہ مضاف کلّی[2] ہوتا ہے اور مضاف الیہ جزئی۔ اسی وجہ سے ہمیشہ مضاف الیہ پر مضاف کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ مضاف پر مضاف الیہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ جیسے مارچ[3] کا مہینہ جمعے کا دن بمبئی کا شہر۔ اِن مثالوں میں

---

[1] زعفران کو اہلِ لکھنؤ مؤنث بولتے ہیں۔ اور اہلِ دہلی مؤنث بھی اور مذکر بھی۔

[2] کلّی اصطلاحِ منطق میں اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے بہت سے افراد ہوں۔ اور جزئی کلّی کے ہر فرد کو کہتے ہیں۔ جیسے انسان یہ کلّی ہے اور ہم تم جو اس کے افراد ہیں جزئی ہیں۔ کلّی ایسی چیز ہے کہ اس کا وجود بغیر جزئی کے کبھی نہیں پایا جاتا۔

[3] بعض اہلِ دہلی مہینے اور اس کے افراد میں لفظ "کا" استعمال نہیں کرتے مثلاً مارچ کا مہینہ نہیں کہتے۔ مارچ مہینہ کہتے ہیں۔ ہم کو اس کی وجہ معلوم نہیں۔ عجب نہیں کہ وہ اس ترکیب کو مضاف و مضاف الیہ نہ سمجھتے ہوں یا اس ترکیب میں اُن کے نزدیک حذفِ علامتِ اضافت جائز ہو فصحائے لکھنؤ اس اضافت میں "کا" استعمال کرتے ہیں۔ میر انیس لکھتے ہیں ؎

مہینہ جیٹھ کا تھا دھوپ میں یہ تھی تب و تاب   کہ دشت کین کی زمیں تھی زمینِ روزِ حساب

ہمیشہ مارچ کو مہینہ اور جمعے کو دن اور بمبئی کو شہر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر مہینے کو مارچ اور ہر دن کو جمعہ اور ہر شہر کو بمبئی نہیں کہہ سکتے۔ اس بیان سے اضافت تخصیصی اور توضیحی میں جو فرق ہے وہ تم نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔

(۵) **اضافت بیانی** - جس میں مضاف اُس چیز سے جو مضاف الیہ ہو بنا ہوا ہو جیسے کشمیرے کا کوٹ بانات کا چغہ چاندی کا قلمدان سونے کا جھومر۔

اضافت بیانی میں مضاف الیہ کس چیز کا یا کاہے کا کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ مثلاً جب پوچھیں کہ کس چیز کا یا کاہے کا کوٹ؟ تو جواب ہوگا کشمیرے کا۔

(۶) **اضافت تشبیہی** تشبیہ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری کی مانند کہنا۔ تشبیہ میں چار چیزوں کا ہونا ضرور ہے۔ اوّل جس کو تشبیہ دیں۔ اُس کو مُشبّہ کہتے ہیں۔ دوسرے جس سے تشبیہ دیں۔ اُس کا نام مشبہ بہ ہے۔ تیسرے جس بات میں تشبیہ دیں اس کو وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ کہتے ہیں۔ اور یہ مضاف و مضاف الیہ یعنی اضافت میں مذکور نہیں ہوتی۔ چوتھے حرف تشبیہ۔ اضافت تشبیہی حقیقت میں ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اضافت کے سبب حرف تشبیہ اور فعل[۱] کے ذکر اور وجہ شبہ کی صراحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور مضاف و مضاف الیہ ہی سے تینوں باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں۔ جیسے طعنے کا نیزہ۔ یعنی طعنہ جو دل میں جاکر لگنے اور زخم کر دینے میں نیزے کی مانند ہے اس عبارت میں پانچوں چیزیں موجود ہیں۔ طعنہ[۱] مشبہ نیزہ[۲] مشبہ بہ دل میں جاکر لگنا[۳] اور زخم کرنا وجہ تشبیہ مانند[۴] حرف تشبیہ۔ ہے[۵] فعل[۲]۔ دیکھو یہاں صرف اضافت سے وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ اور فعل کی کفایت ہو گئی اسی طرح نگاہ کا تیر اور غصے کی آگ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ اضافت تشبیہی میں مشبہ بہ مضاف ہوتا ہے اور مشبہ مضاف الیہ

---

[۱] جس کلمے کو ہم نے فعل کہا ہے اُس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

[۲] ہے کو ہم اس کتاب میں فعل ناقص ثابت کریں گے۔ ہمارے نزدیک اس کو حرف ربط کہنا صحیح نہیں۔

(۷) **اضافت استعارہ** - استعارہ لغت میں مانگے لینے کو کہتے ہیں - چونکہ اس اضافت میں کسی لفظ کے مفہوم کو کچھ اور فرض کر لیتے ہیں اس لیئے اس کا نام اضافت استعارہ رکھا گیا۔

استعارے میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے - اول اُس چیز کا جس سے کچھ مانگا جائے اور اُسے مستعار منہ کہتے ہیں - دوسرے اُس چیز کا جس کے لئے مانگا جائے اُس کا نام مستعار لہ ہے - تیسرے اُس چیز کا جو مانگی جائے اُسے مستعار کہتے ہیں -

اضافتِ استعارہ میں مستعار منہ کے لوازمات میں سے کسی چیز کو مستعار لہ کی طرف مضاف کرتے ہیں جیسے **شعر**

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا　　　پہنچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

اس شعر میں وہ شے جو مستعار منہ ہے انسان ہے کیونکہ اُس سے ہاتھ مانگا گیا ہے جو منجملہ اُس کے لوازمات کے ایک چیز ہے یہی ہاتھ مستعار ہے - اور غبار مستعار لہ ہے کیونکہ اُس کے لیے ہاتھ فرض کیا گیا ہے - استعارہ شعرا اور اہل انشا کے نزدیک شاعری اور حسن کلام کا زیور ہے - اسی طرح مجاز اور تشبیہ موجب زینت سخن ہیں - مگر یہ مقام اُن کی تفصیل کا نہیں -

اضافت استعارہ اور تشبیہی میں فرق اضافت استعارہ اور تشبیہی میں یہ فرق ہے کہ اضافت تشبیہی میں مضاف الیہ کو (جو مشبہ ہوتا ہے) مضاف (یعنی مشبہ بہ) کی مانند کہہ سکتے ہیں - اضافت استعارہ میں نہیں کہہ سکتے جیسے غصے کی آگ - یہاں کہہ سکتے ہیں کہ غصہ جو آگ کی مانند ہے - مگر خیال کے پاؤں میں (جو اضافت استعارہ ہے) نہیں کہہ سکتے کہ خیال جو پاؤں کی مانند ہے -

(۸) **اضافت بہ ادنیٰ تعلق** - جب تھوڑے سے تعلق سے ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کریں - عربی میں اُس کو اضافت بادنیٰ ملابست کہتے ہیں - ملابست کا لفظ اُردو میں کچھ غیر مانوس سا ہے - ہم نے اُس کو تعلق کے لفظ سے بدل کر اس اضافت کا نام اضافت بہ ادنیٰ تعلق رکھا ہے مثالیں سنو - ہمارا ملک تمھارا شہر ان کا محلّہ

حقیقت میں ملک اور شہر اور محلہ کوئی بھی ہم میں سے کسی کا نہیں۔ سب بادشاہ ملک کے ہیں مگر اُن میں رہنے کے تعلق سے سب کو اپنا بنالیا۔

کبھی سرکار انگریزی دشمن سے ہنگامۂ کارزار گرم کرتی اور اخبار نویس حالتِ جنگ لکھنے لگتے ہیں تو سرکار کی فوج کو اپنی فوج اور حریف کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہی کہ ان لوگوں کو ملک داری اور حرب و قتال سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ لوگ سرکار رعیت ہیں اسلئے اس تعلق کی وجہ سے سرکار کی سب چیزوں کو اپنی چیزیں بنا لیتے ہیں تو ہماری فوج اور ہماری سپاہ اور ہمارے دشمن میں اضافت بہ ادنیٰ تعلق ہی۔

(۹) اضافتِ توصیفی۔ یہ اضافت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جس میں مضاف موصوف اور مضاف الیہ صفت ہو۔ جیسے بے دودھ کی چائے تڑاقے کی دُھوپ فائدے کا کام۔ یہاں چائے اور دُھوپ اور کام موصوف ہی۔ اور بے دودھ کی اور تڑاقے کی اور فائدے کا صفت۔

دوسرے جس میں مضاف الیہ موصوف ہوتا ہی اور مضاف صفت۔ اور مضاف و مضاف الیہ دونوں مل کر کسی اور موصوف کی صفت ہوتے ہیں۔ جیسے طبیعت کا تیز دل کا تنگ یہاں تیز طبیعت کی صفت اور تنگ دل کی صفت ہی۔ مگر ان دونوں کا موصوف وہ شخص ہی جس کو یہ کہہ سکیں کہ اس کی طبیعت تیز اور اُس کا دل تنگ ہی۔

اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ مضاف نکرہ ہوتا ہے یا معرفہ اقسام اضافت میں تم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ نکرہ بھی ہوتا ہے اور معرفہ بھی اور اکثر نکرہ ہوتا ہے۔

کبھی کئی الفاظ عطف کے ساتھ یعنی معطوف و معطوف علیہ ہو کر مضاف ہوتے ہیں کبھی مضاف الیہ کبھی دونوں جیسے سعد کا ذہن اور حافظہ اور زید اور عمرو اور بکر کا خط۔

کبھی مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف ہوتے ہیں۔ اور کبھی مضاف الیہ جیسے میرا چاندی کا قلمدان اپنے قول کا پاس۔

کبھی مضاف موصوف وصفت سے اور کبھی مضاف الیہ موصوف وصفت سے مرکب ہوتا ہے۔ جیسے خدا کا سچا فرمان اور سچے خدا کا ارشاد۔

کبھی مضاف محذوف ہوجاتا ہے۔ جیسے۔ مصرع

ایمان کی کہیں گے ایمان ہی ہے سب کچھ

یعنی ایمان کی بات

کبھی مضاف الیہ محذوف ہوجاتا ہے۔ جیسے شعر

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہد جوانی تھا آب بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یعنی ہمارا عہد جوانی۔

نثر میں مضاف و مضاف الیہ بلافصل آتے ہیں۔ نظم میں ضرورتِ شعری کے سبب اور لفظ اُن میں فاصل بھی آجاتے ہیں۔ آباد۔

نکلے پائے تصور اس قدر کی جستجو میں نے بہت ڈھونڈا پتا ملتا نہیں کچھ تیرے ایوان کا

دوسرے مصرع میں پتا مضاف ہے اور تیرے ایواں بہ ترکیب اضافی (یعنی مضاف ومضاف ہوکر) مضاف الیہ۔ نہیں کچھ کا لفظ ان میں فاصل واقع ہوا ہے۔ ظفر

رفتگانِ عدم کی پھرتی ہے اپنی آنکھوں میں دمبدم صورت

یہاں صورت جو سب سے آخر ہے مضاف ہے اور رفتگانِ عدم جو سب سے پہلے ہے مضاف الیہ۔ بیچ میں تمام الفاظ فاصل ہیں۔

کبھی ایک لفظ کو اُسی کی طرف مضاف کرتے اور اُس سے تمام کے معنی لیتے ہیں جیسے حالی

غرض عیب اپنے بیاں کیجیے کیا کیا کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

آوے کا آوا یعنی تمام آوا۔

جب مضاف کے بعد حروفِ عاملہ میں سے کوئی حرف آئے تو علاماتِ اضافت کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے جیسے مولوی صاحب کے قلمدان میں تمہارے بکس میں اپنے گھر سے۔ اسی طرح جب مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ ہوں تو مرکب مضاف الیہ کی علامتِ اضافت بھی یائے مجہول سے بدل جاتی ہے جیسے زید کے بیٹے کا دوست۔

فائدہ۔ مصدر متعدی جب مضاف ہوتا ہے تو صرف قرینے سے پہچانا جاتا ہے کہ فاعل کی طرف مضاف ہے یا مفعول کی طرف۔ جیسے زید کا ہنسانا۔ بکر کا رُلانا۔ یہاں دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ زید کا کسی کو ہنسانا یا کسی کا زید کو ہنسانا۔ بکر کا کسی کو رُلانا یا کسی کا بکر کو رُلانا۔

فائدہ۔ مضاف اور مضاف الیہ کی فارسی ترکیبیں بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ اور اُردو کی نسبت مختصر اور فصیح تر ہوتی ہیں۔ مثلاً **غالب**

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا　　　ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اِس شعر میں تین جگہ اضافت ہے۔ نقشِ وفا وجہِ تسلّی شرمندۂ معنی ایسی ترکیبیں بیشتر نظم میں ہوتی ہیں اور بندش کو چست کر دیتی ہیں۔

فارسی ترکیب میں مضاف کا حرف اخیر مکسور ہوتا ہے۔ جیسے روزِ عید مجمعِ احباب۔ اگر حرف اخیر الف یا واو ماقبل مضموم ہو تو ایک ہمزہ مکسور[1] زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے جفائے دشمن کیمیائے سعادت خوئے دوست بوئے گُل۔ اور اگر ہائے ماقبل مفتوح ہو تو ہمزے سے بدل جاتی ہے۔ جیسے خانۂ خدا۔ نالۂ بلبل۔

---

[1] لکھنے میں صرف ہمزہ نہیں لکھتے بلکہ ہمزہ اور ےے اس صورت (ئے) میں لکھتے ہیں یعنی ےے نیچے لکھی جاتی ہے۔ اور ہمزہ اوپر۔

تنبیہ۔ اُردو لفظ فارسی یا عربی لفظ کی طرف فارسی یا عربی ترکیب سے نہ مضاف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نہ اُس کا مضاف الیہ ہو سکتا ہی۔ مت کہنا۔ روٹیِ گندم شیرِ بھینس شعلۂ آگ۔ چاندنیِ قمر جنبشِ چتون۔ دھوپ الشمس۔ تاج السّونا

فارسی لفظ جب عربی لفظ کی طرف مضاف ہو۔ یا عربی لفظ فارسی لفظ کی طرف تو عربی یا فارسی لفظ پر الف لام نہیں لکھنا چاہیے۔ اور نہ عربی طریق پر ان الفاظ کو بولنا چاہیے جیسے چراغِ دین۔ فرمانِ سلطان۔ قریبِ مرگ۔ ان الفاظ میں دین اور سلطان اور مرگ پر الف لام لانا۔ اور چراغ الدین اور فرمان السلطان اور قریب المرگ کہنا درست نہیں۔ یہ فائدہ اگرچہ نحو فارسی سے متعلق ہی۔ مگر یہاں لکھ دینا بھی خالی از نفع نہیں۔

(۲) مُرکّبِ توصیفی

جب دو اِسم مل کر پہلا موصوف اور دوسرا صفت ہو تو مجموعے کو مُرکّبِ توصیفی کہتے ہیں۔ جس طرح صفت کا اطلاق اُس لفظ پر ہوتا ہے جس سے کسی کی خوبی بیان کی جائے۔ اسی طرح اُس لفظ پر ہوتا ہے۔ جس سے بُرائی ظاہر کی جائے۔ جیسے ہوشمند لڑکی۔ نیک عورت۔ شریر لڑکا۔ بخیل مرد۔ شریر اور بخیل باوجودے کہ بُرائی اور عیب ظاہر کرتے ہیں مگر ان کو علمِ نحو میں صفت ہی کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ صفت مفرد ہی ہو بلکہ مرکب بھی ہوتی ہی جیسے نیک دل مرد۔ بدمزاج عورت۔

صفت موصوف کی پہچان یہ ہی۔ کہ جس اسم کے ساتھ سوال میں کیسا یا کیسے یا کیسی لگ سکے وہ موصوف ہی۔ اور جو اس کے جواب میں واقع ہو وہ صفت ہی جیسے مہربان اُستاد۔ جب پوچھیں کیسا اُستاد؟ تو جواب ہو گا مہربان۔ پس اُستاد موصوف ہے۔ اور مہربان صفت۔ اسی طرح بڈھا آدمی۔ جب پوچھیں کیسا آدمی؟ تو جواب ہو گا بڈھا۔ پس آدمی موصوف ہی۔ اور بڈھا صفت۔

بعض اوقات موصوف وصفت مشبہ اور مشبہ بہ ہوتے ہیں۔ جیسے چاند سا چہرہ یعنی چہرہ جو چاند کی مانند ہی۔

بعضے ایسے اسم ہیں کہ بدون صفت تنہا استعمال نہیں کئے جاتے۔ جیسے بھلا مانس۔ اُردو میں مانس کا لفظ تنہا نہیں بولا جاتا۔ بھلا کے ساتھ بولا جاتا ہی۔ اور بھلا مانس ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہی۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع موصوف کے مطابق ہوتی ہی۔ مگر جب موصوف جمع مونث ہو تو صفت واحد مُونث آتی ہی۔ جیسے اونچا محل اونچے درجے اونچی عمارت اونچی دیواریں۔ لیکن جب موصوف کو حذف کرکے صرف صفت استعمال کرتے ہیں تو صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے **شعر**

کچھ جو سیدھی بھی بات کہتا ہوں ٹیڑھیاں وہ مجھے سُناتا ہے

اصل میں ٹیڑھی باتیں ہی۔

کبھی موصوف مذکر کو محذوف کرکے صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے بُروں سے بچو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو یعنی بُرے لوگوں سے بچو اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

اگر کسی موصوف محذوف کی کئی صفتیں ہوں اور اُن پر حروفِ عامل واقع ہوں تو واؤ نون علامتِ جمع سب سے پچھلی صفت میں لگاتے ہیں۔ اور پہلی تمام صفتوں کو واحد رہنے دیتے ہیں۔ جیسے سچّے راستباز ایمانداروں سے خدا خوش ہوتا ہی۔ یوں نہیں کہتے کہ سچوں راستبازوں ایمانداروں سے خدا خوش ہوتا ہی۔

فائدہ۔ جس طرح فارسی مُرکّبِ اضافی اُردو میں مستعمل ہی اسی طرح فارسی مرکب توصیفی بھی مستعمل ہی۔ اور موصوف جو مقدم ہوتا ہی مضاف کی طرح مکسور ہوتا ہی اور اگر آخر میں الف یا واؤ یا ہ ہو تو اُس میں اُسی طرح تصرف کیا جاتا ہی جس طرح مُرکّبِ اضافی میں جیسے روئے خوب

خوئے نیک قبائے ابریشمین بندۂ آزاد۔

(۳) مرکب عددی

مرکّب عددی دو عددوں سے بنتا ہے۔ جیسے اکیس بائیس ستائیس اٹھائیس پینتیس چھتیس اڑتالیس اکاون باون وغیرہ۔

اعدادِ مرکب میں کسی حرف مذکور[1] کا ذریعہ درمیان نہیں ہوتا۔ بہت سے مرکّب عددی ایسے ہیں کہ اُن کے اجزا جُدا جدا نہیں ہو سکتے یعنی اگر اُن کو جُدا جُدا کیا جائے تو ہرگز معلوم نہ ہو کہ یہ اعداد کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ جیسے بائیس اُنچاس وغیرہ۔ ایسے اسمائے اعداد کی نسبت یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے اسم عدد ایسے ہیں کہ دو عددوں کیلئے موضوع ہوئے ہیں اور ظاہر میں مفرد معلوم ہوتے ہیں جیسے گیارہ بارہ جو ایک اور دس اور دو اور دس کے لیے موضوع ہوئے ہیں اور مطلق مرکب معلوم نہیں ہوتے۔

(۴) مُرکّب عطفی یا معطوف بحرف

جب صرف کلمہ واحد یا کلامِ ناقص یعنی مرکب اضافی و توصیفی وغیرہ کا عطف[2] کلمہ واحد یا کلامِ ناقص پر ہو تو وہ بھی مرکّب ناقص اور کلام تام کا جز ہوتا ہے۔ جیسے زید اور عمرو۔ احمد کی کتاب اور حامد کا قلم۔ زید اور احمد کا بیٹا۔ حامد کا بھتیجا اور عمرو۔ اس طرح کے عطف بعد عطف خواہ کلام میں کتنے ہی ہوں مفید کلام تام نہیں ہوتے کیونکہ اِن میں اسناد نہیں ہے۔

(۵) مرکب ظرفی

جو مظروف و ظرف سے مرکّب ہو۔ جیسے قلمدان پاندان باورچی خانہ آتش کدہ

---

[1] یہاں مذکور بمقابلہ مقدر یا محذوف ہے

[2] عطف اصطلاح میں دوسرے کو کسی بات میں پہلے کے ساتھ شریک ظاہر کرنے کو کہتے ہیں پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے دوسرا معطوف مثلاً زید اور عمرو نے کھانا کھایا۔ اس فقرے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ زید کے ساتھ عمرو بھی کھانا کھانے میں شریک تھا تو زید معطوف علیہ ہے۔ اور عمرو معطوف۔

مُرکّب ظرفی کی بیشتر فارسی ترکیبیں اُردو میں مستعمل ہیں۔

(۶) مُرکّب امتزاجی

جب دو یا دو سے زیادہ لفظ مل کر ایک ہی اسم ہو جائیں تو ایسے مُرکّب کو مرکب امتزاجی کہتے ہیں۔ جیسے اعظم گڑھ شاہجہاں پور محمد یوسف۔

(۷) بدل و مبدل منہ

جب دو لفظ کلام میں اس طرح استعمال کئے جائیں کہ ان میں سے ایک مقصود بالذات ہو اور دوسرے سے چنداں غرض نہ ہو تو جو مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اس کو بدل کہتے ہیں اور دوسرے کو مبدل منہ۔ مبدل منہ میں ایک طرح کا ابہام ہوتا ہے جس کی بدل توضیح کر دیتا ہے۔ عربی میں بدل مبدل منہ سے پیچھے آتا ہے۔ اسی لئے توابع میں شمار کیا گیا ہے۔ یعنی مبدل منہ کے پہلے اور بدل کے پیچھے آنے کے سبب مبدل منہ کو متبوع اور بدل کو تابع[1] کہتے ہیں۔ جیسے زید تمھارا بھائی آیا۔ یہاں زید مبدل منہ متبوع ہے اور تمھارا بھائی بدل تابع۔ مگر اُردو میں بدل پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے اکبر کا بیٹا اصغر بڑا عالم ہے۔ اس فقرے میں اصغر سے صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کونسا اصغر مراد ہے اس لئے اکبر کا بیٹا کہنے کی ضرورت ہوئی۔ یعنی یہاں اصغر سے کوئی اور اصغر مراد نہیں بلکہ وہ اصغر مراد ہے جو اکبر کا بیٹا ہے۔ پس اکبر کا بیٹا جو مقصود بالذات ہے بدل ہے اور اصغر مبدل منہ۔

عربی میں بدل کی چار قسمیں ہیں بدل[1] الکل بدل[2] البعض بدل[3] الاشتمال بدل[4] الغلط اُردو میں صرف دو طرح کا بدل آتا ہے۔ ایک بدل الکل اور زیادہ تر یہی آتا ہے۔ دوسرے

---

[1] تابع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنے والا۔ اصطلاح میں تابع اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی کلمے کے پیچھے آتا ہے اور جو حالت و کیفیت پہلے کلمے کی ہوتی ہے وہی اس پچھلے کلمے کی ہوتی ہے پہلے کلمے کو متبوع کہتے ہیں۔ اور پچھلے کو تابع۔ عربی میں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نعت یعنی صفت۔ معطوف بحرف۔ تاکید۔ بدل۔ عطفِ بیان۔

بدل الغلط یہ بہت کم آتا ہے۔ بدل الکل کی مثالیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ بدل الغلط کے معنی ہیں غلط سے بدل۔ اور یہ اُس وقت بولا جاتا ہے جب پہلے کوئی غلط لفظ منہ سے نکل جائے پھر اُس کے ساتھ صحیح لفظ بول دیا جائے تو صحیح لفظ بدل الغلط ہوگا۔ اور غلط لفظ مبدل منہ۔

بدل البعض اور بدل الاشتمال چونکہ اُردو میں نہیں آتے اس لئے اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض اہل قواعد نے اُردو میں یہ دونوں بدل بھی بہ تکلف پیدا کئے ہیں۔ مگر وہ عربی کی تقلید کرتے ہوئے محاورات اُردو سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

(۸) عطفِ بیان

جب دو اسم کلام میں اس طرح بولے جائیں کہ دوسرا اسم پہلے کی توضیح مزید کرے تو اس کو عطفِ بیان کہتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ عطفِ بیان اپنے مُبَیَّن[۱] سے زیادہ واضح و مشہور ہو بلکہ دونوں مل کر وضاحت کامل پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مبین اور عطف بیان میں دونوں اسم مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ بخلاف بدل اور مبدل منہ کے کہ ان میں سے صرف بدل مقصود بالذات ہوتا ہے۔

عطفِ بیان کئی طرح سے مبین کی توضیح کرتا ہے۔ کبھی عَلَم سے۔ کبھی تخلص سے کبھی خطاب سے کبھی لقب سے۔ کبھی عرف سے۔ کبھی عہدے سے کبھی پیشے سے۔ کبھی نسبت سے جیسے نواب محسن الملک مولوی مہدی علی۔ یہاں نام نے خطاب کو زیادہ واضح کر دیا ہے پس نواب محسن الملک مبین ہے اور مولوی مہدی علی عطف بیان اسی طرح منشی امیر احمد امیر سر سید احمد خاں ایل ایل ڈی کے سی ایس آئی۔ مولوی کلیم اللہ۔ غلام نبی نبیا۔ مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور۔ منصور حلاج۔ سعدی شیرازی۔

---

[۱] عطف بیان جس اسم کی توضیح مزید کرے اُس کو مُبَیَّن کہتے ہیں۔

(۹) تابع مہمل

مہمل کے معنے بے معنی کے ہیں جیسا کہ اس کتاب کے حصّہ اول کے آغاز میں لکھا گیا ہے۔ اُردو میں بہت سے لفظوں کے ساتھ ایک زائد لفظ بولا جاتا ہے جو بے معنی ہوتا ہے ایسے لفظ کو تابع مہمل کہتے ہیں۔ جیسے سچ مچ جھوٹ موٹ میل کچیل سودا سلف غلط سلط دانہ دنکا پوچھ گچھ اکڑ تکڑ بچا کھچا ملنے مینے ۔ ان الفاظ میں مچ موٹ کچیل سلف سلط دُنکا گچھ تکڑ کھچا مینے تابع مہمل ہیں۔

تابع مہمل اکثر لفظ کے پہلے حرف کو واو سے بدل کر بولا جاتا ہے۔ جیسے کان وان روٹی ووٹی پانی وانی۔

تابع مہمل جس لفظ کے بعد آتا ہے اُس کو متبوع کہتے ہیں۔

(۱۰) تابع موضوع

جس طرح بے معنی الفاظ بامعنی لفظوں کے ساتھ زائد بولے جاتے ہیں اسی طرح بامعنی الفاظ بھی اُردو میں دوسرے الفاظ کے ساتھ زائد استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور کچھ معنی نہیں دیتے۔ جیسے رونا دھونا گرنا گرانا اصل وصل چال ڈھال ان میں دھونا گرانا وصل ڈھال سب بامعنی الفاظ ہیں۔ مگر دوسرے لفظوں کے ساتھ مل کر اپنے معنی نہیں دیتے ایسے الفاظ کو ہم تابع موضوع کہتے ہیں۔

محاورے میں کبھی تابع متبوع سے پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے رگڑا جھگڑا۔ یہاں جھگڑا متبوع ہے اور رگڑا تابع۔ مگر تابع مقدم ہے اور متبوع موخر۔

(۱۱) تاکید و موکد

تاکید سے کلام پُرزور ہو جاتا ہے۔

تاکید اسم کی بھی آتی ہے اور فعل کی بھی۔ یہاں مقصود اُس تاکید سے ہے جس کا موکد[1] اسم ہو۔

تاکید دو طرح سے آتی ہے۔ ایک تو سب سب کے سب سبھی تمام کل کلہم سراسر سراپا سرتاپا سربسر بھر۔ اسمائے اعداد جو استغراق کے لیے آتے ہیں (یعنی جن کے آخر واؤنون آتا ہے) ہوبہو بعینہٖ آپ خود وغیرہ الفاظ سے۔ دوسرے تکرار لفظ سے جیسے چور چور سانپ سانپ ہاں ہاں چپکے چپکے آہستہ آہستہ۔

سب مرد۔ کل عورتیں عمر بھر گھر بھر۔ ان میں مرد اور عورتیں اور عمر اور گھر موکد ہیں اور سب اور کل اور بھر تاکید۔ بیت

جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

تاکید کا بیانِ مزید حروفِ تاکید میں لکھا جائے گا۔

(١٢) تمیز و مُمیّز اور عدد و معدود

جو لفظ یا الفاظ کسی اسم مفرد یا جملے سے شک و ابہام کو دُور کریں اُن کو تمیز یا مُمیّز کہتے ہیں۔ اور جس سے دُور کریں اُس کو مُمیّز یا مُبہم۔ جیسے پانچ گھوڑے آٹھ من چاول یہاں گھوڑے اور چاول تمیز یا مُمیّز ہیں۔ جو پانچ اور آٹھ من سے رفع ابہام کرتے ہیں کیونکہ پانچ اور آٹھ من سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کونسی چیز پانچ یا آٹھ من ہے گھوڑے اور چاول کے کہنے سے اُس کی صراحت ہوگئی۔

زید بکر سے علم میں فائق ہے۔ ظاہر ہے کہ فائق ہونے کی بہت سی باتیں ہیں۔ عقل حسن لیاقت ہمت شجاعت دولت علم وغیرہ۔ اگر صرف زید بکر سے فائق کہا جاتا تو ابہام رہتا کہ کس چیز میں فائق ہے۔ علم میں کہنے سے یہ ابہام جاتا رہا۔

---

[1] موکد وہ لفظ جس کی تاکید کیجائے۔

جو تمیز اُن الفاظ سے ابہام کو دور کرتی ہے جو شمار اور ناپ تول یعنی عدد یا وزن یا پیمانے یا گز گت یا مسافت کیلئے آتے ہیں اُس کو معدود کہتے ہیں اور ممیز کو عدد جیسے نوّے روپے دو سیر مکھن۔ چار شیشی عطر دس گز ململ سو کوس رستہ۔

فائدہ۔ جو الفاظ عموم و شمول کے لئے آتے ہیں۔ اُن سے بھی تمیز رفع ابہام کرتی ہی۔ جیسے تمام عمر۔ سب لوگ۔ کتنی ہی تلواریں۔

فائدہ۔ جب ممیّز یا عدد کثرت کے معنے دیتا ہی تو تمیز یا معدود کا لانا ضرور نہیں ہوتا۔ جیسے "دو کتنا سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا" مصرع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

(۱۳) اسم فاعل ترکیبی
(۱۴) اسم مفعول ترکیبی
(۱۵) اسم صفت ترکیبی

یہ تینوں قسم کے مرکب بھی کلام غیر تام ہیں اور ان کا مفصل حال علم صرف میں بیان ہو چکا۔

(۱۶) اسم مکبّر جو مرکب ہو
(۱۷) اسم مبالغہ
(۱۸) اسم تفضیل

یہ سب مرکب بھی مرکب ناقص ہیں اور جزو جملہ ہوتے ہیں۔

(۱۹) اشارہ اور مشارٌ الیہ

اسم اشارہ اپنے مشارٌ الیہ کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتا۔ جیسے یہ آم نہایت شیریں ہے یہاں یہ اور آم دونوں کلام غیر تام ہیں۔

مرکب ناقص کا بیان تمام ہوا۔ اب مرکب تام کا حال سنو۔

مُرکّب تام

یا مُرکب مفید یا جملہ

مُرکب تام وہی کلامِ تام ہے جس کی تعریف پہلے گزرچکی اور جس کو مُرکب مفید اور جملہ بھی کہتے ہیں۔

جملہ کم سے کم دو لفظوں سے مرکب ہوتا ہی۔ جہاں صرف ایک لفظ دیکھو وہاں دوسرے کو محذوف سمجھو۔ جیسے آؤ جاؤ کھاؤ پیو پڑھو لکھو۔ یہ اگرچہ ایک ایک لفظ ہیں مگر لفظ تم جو ان کا فاعل ہی اور جس کے بغیر فعل وقوع میں نہیں آسکتا محذوف ہی۔ اصل میں ہے تم آؤ۔ تم جاؤ۔ تم کھاؤ تم پیو تم پڑھو تم لکھو۔

جملے کی قسمیں

جملہ خبریہ اور انشائیہ جملہ دو قسم کا ہوتا ہی۔ ایک وہ جس کو سچّا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ اور اُس کو جملہ خبریہ کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جس کو سچّا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں۔ اس کا نام جملہ انشائیہ ہے

جملہ انشائیہ کی قسمیں اور اُس کی بارہ قسمیں ہیں۔

(۱) امر۔ جیسے آؤ

(۲) نہی۔ جیسے مت کرو۔

(۳) استفہام۔ مومن

شعلہ ہائے تپِ دل آگ لگاتے کیوں ہو؟ گر ہو دلسوز مرے مجھکو جلاتے کیوں ہو؟

(۴) تعجب۔ حالی

شیخ اللہ رے تیری عیّاری کس توجّہ سے پڑھ رہا ہے نماز

(۵) تحسین۔ ذوق

نہ اِک آہ کی زخم سو سو اُٹھائے تجھے آفریں ذوق صد آفریں ہے

(۶) انبساط شعر

واہ واکیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہَوا
مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا

(۷) ندا غالب

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

(۸) ندبہ و تاسف انیس

مٹی میں مِل گیا یہ چمن وا مصیبتا
ان گوری گردنوں میں رسن وا مصیبتا

محزوں

نہ تو نامہ ہی نہ پیغامِ زبانی بھیجا
حیف محزوںؔ مجھے یارانِ وطن بھول گئے

مصرع

اُٹھ گئی دنیا سے رسمِ دوستداری ہائے ہائے

(۹) قسم شعر

جو آپ درسی اُٹھا نہ دیتے۔ کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمھاری سر کی قسم نہ ہوتا

(۱۰) عرض۔ جیسے "کھیل کود میں وقت ضائع کرنا اچھا نہیں"

(۱۱) تمنا غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مُدعا کیا ہے

(۱۲) تنبیہ "خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا"

جملہ خبریہ کی قسمیں | جملۂ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ فعلیہ اور اسمیہ۔ جملۂ انشائیہ اکثر فعلیہ ہوتا ہے۔ اور کبھی اسمیہ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہُوا۔

اب جملۂ فعلیہ اور جملۂ اسمیہ کا مفصل حال سُنو۔ مگر پہلے جملۂ اسمیہ کا حال لکھتے ہیں۔

جملۂ اسمیہ

کوئی سا جملہ ہو اُس کے اجزا میں ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے جو کلام کو پورا کر دیتا ہے۔

یعنی سننے والا اُس سے فائدۂ تام حاصل کرتا ہے اور بیان مزید کا منتظر نہیں رہتا ایسے علاقے کا نام اسناد ہے اور جس چیز کا علاقہ ہوتا ہے اُسے مسند اور جس چیز سے علاقہ ہوتا ہے اُس کو مسند الیہ کہتے ہیں۔

مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور مسند اسم بھی ہوتا ہے فعل بھی۔ مگر دونوں میں سے کوئی حرف کبھی نہیں ہوتا اس لئے کہ حرف میں مسند الیہ یا مسند ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔

جس جملے میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں وہ جملہ اسمیہ ہے۔

اسم اور خبر

عربی میں جملہ اسمیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس میں فعل مطلق نہیں ہوتا اور وہ کم سے کم دو اسموں کا ہوتا ہے۔ جیسے زیدٌ قائمٌ (زید کھڑا ہے) دوسرے وہ جس میں فعل تو ہوتا ہے مگر فعل ناقص جیسے کانَ زیدٌ قائماً (زید کھڑا تھا) پہلی قسم کے جملے میں وہ مسند الیہ کو مُبتدا کہتے ہیں اور مسند کو خبر۔ اور دوسری قسم کے جملے میں مسند الیہ کو اسم اور مسند کو خبر۔ مگر فارسی اور اُردو میں پہلی طرح کا جملہ نہیں ہوتا یعنی صرف دو اسموں سے جملہ نہیں بنتا۔ فارسی میں جملہ اسمیہ میں مسند الیہ اور مسند کے علاوہ ایک لفظ است یا ہست ضرور ہوتا ہے مذکور ہو یا محذوف۔ جیسے حامد عالم ست۔ منت مر خدائے را عز وجل۔ پہلے فقرے میں است مذکور ہے دوسرے میں محذوف۔ اسی طرح اُردو میں ہے ضرور ہوتا ہے۔ مذکور ہو یا محذوف جیسے زید دانا ہے۔

شعر

نہ معاصی میں تلخیِ خجلت　　　نہ عبادت میں چاشنی حضور

ان مثالوں میں تم نے دیکھ لیا کہ جہاں عربی میں فقط دو لفظوں سے کام چلا تھا وہاں فارسی اور اُردو میں تین سے کام چلا ہے۔ فارسی اور اُردو کے عام نحویوں نے نُحاۃ عربی کی تقلید سے ایسے جملوں میں مسند الیہ کو مبتدا اور مسند کو خبر کہا ہے اور است یا ہست یا ہے کو حرف ربط قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ حروف ربط نہیں ہیں۔

فعل ہیں۔ است کو فارسی کے بعض محققوں نے استن کی ماضی لکھا ہی اور ماضی ہی تو فعل ہی ہی بیشک کسی سے مشتق نہیں۔ اسی لیے ہم نے اس کو اسم فعل لکھا ہی۔ مگر جسطرح ہی مشتق نہیں اسی طرح تھا بھی مشتق نہیں۔ لیکن تھا کو اہل قواعد فعل ناقص کہتے ہیں۔ حرف ربط نہیں کہتے! اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ تھا عربی کے فعل ماضی کَانَ کا ترجمہ ہی جو فعل ناقص ہی حالانکہ اُردو میں تھا اور ہی میں غیر مشتق ہونے کے اعتبار سے کچھ بھی فرق نہیں۔ اِس بیان کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ افعالِ ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے جہاں ہی کو فعلِ ناقص ثابت کریں گے۔

اب یہ بحث ہی کہ ہی کے مُسندالیہ کو مُبتدا کہیں یا اسم۔ سو یہ بات بیان کر دینی ضرور ہی کہ عربی کے اہل قواعد مُبتدا کو اس لیے مُبتدا کہتے ہیں کہ وہ جملۂ اسمیہ کے شروع میں آتا ہی اگر جملۂ فعلیہ میں فاعل بھی پہلے آتا تو مبتدا کو مبتدا کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر اُردو میں تو فاعل بھی پہلے آتا ہی۔ اور جملۂ اسمیہ میں مسندالیہ کے مبتدا ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اس لیئے اُردو میں مسندالیہ کو صرف اس لحاظ سے کہ جملے کے آغاز میں آتا ہی مبتدا کہنے میں ہم کو تامل ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس کو اسم کہنا مناسب و زیبا ہی۔

پس ہم اس کو دوسرے افعالِ ناقصہ کے مندالیہوں کی طرح اسم ہی کہیں گے اب اسم اور خبر کے متعلق چند ضروری باتیں سُنو۔

اسم ہمیشہ ایسا ہونا چاہیئے۔ جس میں کچھ خصوصیت ہو۔ عام اس سے کہ معرفہ ہو یا نکرہ اور ضرور ہی کہ خبر کی نسبت خاص ہو بصورت ہائے مندرجہ ذیل میں اس کی تفصیل دیکھو۔

(۱) ایک جملے میں دو اسم ہوں جن میں سے ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ تو معرفہ اسم ہوتا ہی اور نکرہ خبر۔ جیسے زید انسان ہی۔ ہے فعل ناقص زید اسم انسان خبر۔

(۲) ایک اسم ذات اور ایک اسم صفت ہو تو اسم ذات کو اسم کہیں گے اور اسم صفت کو خبر۔ جیسے زمین گول ہی۔ میر انیس

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر　　　راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر

لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر　　　نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے

ریحاں ہے یہی روح بھی رُوح یہی ہے

اس بند کے پہلے چار مصرعوں میں دولت اور راحت اور لذت اور نکہت اسم ہیں اور بہتر خبر

(۳) دو اسم ذات ہوں جن میں سے ایک صفت کے معنی دے تو جو صفت کے معنی دے گا خبر ہوگا جیسے نسیم ایک چٹیل میدان کی تعریف میں کہتا ہے **بیت**

سائے کو پتا نہ تھا شجر کا　　　عنقا تھا نام جانور کا

یہاں عنقا جو معرفہ ہے اور ایسے جانور کا نام ہے جو معدوم مانا جاتا ہے صفت کے معنے دیتا ہے۔ یعنی معدوم و ناپیدا۔ اس لئے خبر ہے۔ اور جانور کا نام اسم۔ وصفی معنی ملحوظ نہ ہوں تو عنقا اسم ہوگا۔ اور جانور کا نام خبر۔

(۴) ایک ہی جملے میں ایک لفظ مکرر واقع ہو کر ایک جگہ اسم ذات اور دوسری جگہ اسم صفت کے معنے دے تو پہلے کو اسم کہینگے اور دوسرے کو خبر جیسے **ناسخ**

آدمی آدمی ہے اور ہے حیواں حیواں　　　تری رفتار جدا کبک کی رفتار جدا

(۵) دونوں اسم صفت ہوں تو حسب اقتضائے مقام جس میں زیادہ خصوصیت ہو وہ اسم ہوگا۔ مثلاً رنگوں کا ذکر ہو سب میں پسندیدہ کونسا رنگ ہے سفید یا سیاہ یا سبز یا سرخ وغیرہ تو کوئی کہے کہ سفید سب میں پسندیدہ ہے یعنی سفید رنگ۔ دیکھو یہاں سفید خاص ہے اور اسم ہے اور پسندیدہ عام ہے اور خبر ہے۔

(۶) دو معرفے ہوں تو پہلا اسم ہوتا ہے دوسرا خبر۔ جیسے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم انگلستان اور ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔

(۷) دونوں نکرے ہوں تو جو زیادہ خاص ہو وہ اسم ہوگا۔ جیسے گائے چوپایہ ہے۔

(۸) اگر ایک مشبہ اور دوسرا مشبہ بہ ہو تو مشبہ اسم ہوگا۔ جیسے **غالب**

رزم کی داستاں اگر سُنیئے ہے زباں میری تیغ جوہر دار
بزم کا التزام اگر کیجے ہے قلم میرا ابر گوہر بار

پہلے شعر میں زبان میری جو مشبہ ہے (بہ ترکیب اضافی) اسم ہے۔ اور تیغ جوہر دار جو مشبہ بہ ہے (بہ ترکیب توصیفی) خبر۔ اسی طرح شعر ثانی کے دوسرے مصرع میں قلم میرا اسم اور ابر گوہر بار خبر ہے۔

(۹) ایک زبان کے لفظ کو دوسری زبان میں ترجمہ کریں تو جس لفظ کا ترجمہ کیا جائے وہ اسم ہوگا اور جو ترجمہ ہو وہ خبر۔ نصاب خسرو

نمک لون ہے شیریں ہے میٹھا ہندی زباں بدمزہ بہت سیٹھا
درعہ گز میزان ترازو وزن تول ہے وجب بالشت ہندی دلو ڈول
آتش آگ آب ہے پانی

(۱۰) اسم عموماً پہلے آتا ہے اور پہلے ہی آنا چاہیئے۔ مگر کبھی خبر مقدم ہو جاتی ہے۔ جیسے حالی

چشمہ زندگی ہے ذکر جمیل خضر و آب بقا سے کیا مطلب

یہاں ذکر جمیل اسم ہے۔ اور چشمہ زندگی خبر۔ نہ بالعکس۔

مسدس مدوجزر اسلام

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

اس بند میں صحت اور فراغت اور جوانی اور اقامت اور دولت اسم مؤخر ہیں اور غنیمت خبر مقدم۔

(۱۱) کبھی خبر مقدم ہوکر افادۂ تخصیص کرتی ہے۔ مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ ناصر عقلمند ہے تو اس سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ قائل ناصر کی ایک صفت عقلمندی کا اظہار کرتا ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں اور وصف ہیں یا نہیں نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقلمندی کا وصف اُس میں کس درجہ کا ہے۔ لیکن اگر اس طرح کہا جائے کہ عقلمند تو ناصر ہے تو قائل کی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ناصر سب سے بڑا عقلمند ہے۔ اور جہاں وہ رہتا ہے وہاں اُس جیسا اور کوئی عقلمند نہیں۔

(۱۲) اسم اور خبر مفرد اور مرکب دونوں طرح کے ہوتے ہیں جیسے میرا بھائی دانا ہے۔ زید عمرو کا بیٹا ہے **شعر**

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے　　ہر قہقہہ پیغامِ بکا ہوتا ہے

(۱۳) کبھی ایک اسم کئی خبروں کا مالک ہوتا ہے۔ جیسے خدا علیم ہے حکیم ہے حاضر ہے ناظر ہے خالق ہے رازق ہے۔

(۱۴) کبھی دو اسم اور دو خبریں بہ ترتیب لف ونشر اسم اور خبر ہوتے ہیں۔ یعنی پہلے اسم کی پہلی خبر ہوتی ہے اور دوسرے کی دوسری۔ جیسے ہادی اور مہدی اُستاد اور شاگرد ہیں یعنی ہادی اُستاد ہے اور مہدی شاگرد۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے اسم اور خبریں معطوف علیہ اور معطوف ہوکر ایک کلمے کا حکم رکھتے ہیں۔ جیسے ہادی اور مہدی معطوف علیہ اور معطوف ہوکر مبتدا ہیں۔ اور اسی ترکیب سے اُستاد و شاگرد خبر۔

(۱۵) کبھی اسم حذف ہوجاتا ہے۔ **ذوق**

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پر　　پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پر

یعنی میں۔

(۱۶) کبھی خبر حذف ہوجاتی ہے۔ مثلاً پوچھا جائے کہ خلّاقِ عالم کون ہے؟ جواب دینے والا کہے خدا۔ یا جیسے حامد یہاں نہیں ہے۔ یعنی موجود نہیں ہے۔

(۱۷) کبھی ہے (فعل ناقص) حذف ہوجاتا ہے۔ جیسے **شعر**

رنگِ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں — گُل کو گلچیں کا خطر بلبل کو غمِ صیاد کا

دوسرے مصرع میں ہے دو جگہ محذوف ہے۔ اصل میں یوں ہے کہ گُل کو گلچیں کا خطر ہے۔ اور بلبل کو صیاد کا غم ہے۔

(۱۸) کبھی اسم اور خبر دونوں حذف ہوجاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے تمہارے پاس قلم ہے؟ مخاطب کہے۔ ہے

(۱۹) کبھی اسم اور خبر اور ہے تینوں حذف ہوجاتے ہیں۔ مثلاً کوئی مسافر کسی شہر میں وارد ہوتا ہے تو پوچھتا ہے یہاں کوئی سرائے ہے؟ جواب دینے والا کہتا ہے۔ ہاں

(۲۰) وحدت و جمع میں اسم و خبر کا حال موصوف و صفت کی طرح ہے۔ یعنی اسم واحد ہوتا ہے تو خبر بھی واحد ہوتی ہے۔ اور جمع ہوتا ہے تو جمع۔ مگر جب اسم جمع مونث ہو تو خبر واحد مونث آتی ہے۔ جیسے لڑکا پڑھا ہوا ہے۔ لڑکے پڑھے ہوئے ہیں لڑکی پڑھی ہوئی ہے۔ لڑکیاں پڑھی ہوئی ہیں۔

(۲۱) ہے کلام میں اسم اور خبر دونوں کے پیچھے آتا ہے۔ مگر نظم میں اس کی پابندی نہیں۔ جیسے **برق**

ضروری ہے دریا دلی بہرِ نام — کبھی ناؤ خشکی میں چلتی نہیں

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہے کا اسم مبتدا نہیں رہا تو اردو میں مبتدا کوئی چیز ہی نہیں۔ نہیں موصول و صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں جیسا کہ تم آگے دیکھوگے۔ اس کے علاوہ اور کلمات بھی ترکیب میں مبتدا واقع ہوتے ہیں مثلاً **بیت**

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا — تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

اس بیت میں پہلا مصرع بہ ترکیب عطفی مبتدا ہے اور دوسرا خبر۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ افعال ناقصہ کا حال بھی اسم اور خبر کے ساتھ ہی لکھ دیں۔

افعال ناقصہ

اس کتاب کے حصۂ اول میں بیان ہو چکا ہے کہ افعال ناقصہ میں جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم ان کے ساتھ نہ ملے کلام سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ افعال ناقصہ میں دو اسم درکار ہوتے ہیں۔ ایک کو اسم کہتے ہیں۔ دوسرے کو خبر۔ اسم مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر مسند۔ اور فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ تم کو یاد ہوگا ہم نے ہونا بننا پڑنا رہنا نکلنا (بمعنی ظاہر ہونا) لگنا ہو جانا بنجانا اور اُن کے ہم معنی مصادر کے مشتقات اور تمام اسم فعلوں یعنی ہے کے تینوں اور تھا کے چاروں صیغوں اور تھی کو افعال ناقصہ لکھا ہے۔ اُردو کے قواعد کی مروجہ کتابوں میں تھی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں البتہ ہے حرف ربط لکھا ہے۔ لیکن اگر ہے حرف ربط ہے تو تھا حرف ربط کیوں نہیں۔ حالانکہ اس کو کوئی بھی حرف ربط نہیں کہتا۔ اور ہے اور تھا میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ ہے میں بالفعل کا زمانہ پایا جاتا ہے اور تھا میں گزرا ہوا۔

جو لوگ ہے کو حرف ربط قرار دیتے ہیں وہ محمود عالم ہے میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کہتے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ "محمود عالم تھا" میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کیوں نہیں کہتے۔ ہم حیران ہیں کہ اگر ہے کو حرف ربط کہیں تو ہے اور تھا میں مابہ الامتیاز کیا قرار دیں۔ عربی میں کہتے ہیں زَیدٌ قائمٌ یہ دو لفظ ہیں اور دونوں ایک جملہ ہیں۔ زید کو تم جانتے ہو کہ ایک فرضی یا اصلی نام ہے۔ قائم کے معنی ہیں کھڑا۔ اہل عرب ترکیب میں زید کو مبتدا کہتے ہیں اور قائم کو خبر۔ وہ اس جملے میں ایک مخفی اسناد یعنی نسبت مانتے ہیں جو زید اور قائم میں تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس لئے وہ زید کو مسند الیہ کہتے ہیں۔ اور قائم کو مسند۔ مگر اردو میں زید کھڑا کوئی جملہ نہیں، زید کھڑا ہے جملہ ہے۔ اور جو چیز زید اور کھڑا کو ملاتی ہے وہ ہے ہے بعینہٖ اُسی طرح جس طرح عرب کے کَانَ زیدٌ قائماً میں کَانَ زید اور قائم کو ملاتا ہے۔

اہل عرب جب زید کا زمانۂ حال میں کھڑا ہونا بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں زیدٌ قائمٌ۔ اور جب گزشتہ زمانے میں بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کَانَ زیدٌ قائماً یعنی زید کھڑا تھا۔ کَانَ زیدٌ قائماً میں تین لفظ ہیں جن میں کَانَ فعل ہے۔ عربی زبان میں دونوں جملوں زیدٌ قائم اور کان زیدٌ قائماً میں بہت فرق ہے۔ ہماری زبان میں کچھ فرق نہیں۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں زید کھڑا ہے یا زید کھڑا تھا۔ ہمارے ہاں ہے اور تھا نے صرف دو جداگانہ زمانے پیدا کردیئے ہیں۔ ورنہ جو کام ہے نے کیا وہی تھا نے کیا۔ اہل عرب کے ہاں زید قائم میں کوئی لفظ نہیں جس نے زمانہ پیدا کیا ہو۔ اُردو زبان میں صرف دو اسم مل کر جملہ نہیں بنا سکتے عربی میں دو اسموں سے بشرطیکہ اُن میں ایک طرح کی نسبت واقع ہو خاصا جملہ بن سکتا ہے۔ دیکھ لو۔ زیدٌ قائمٌ میں کھڑے ہونے کی نسبت زید کی طرف ہے۔ اور یہ ایک جملہ ہے۔ مگر اُردو میں دو اسموں سے جملہ نہیں بن سکتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ ہے حرف ربط نہیں بلکہ فعل ہے اور فعل بھی ناقص۔ اسی لئے ہم نے اسم و خبر کی فصل میں ہے کے مسند الیہ اور مسند کو اسم و خبر قرار دیا ہے۔

بعض اوقات افعال مذکورہ میں سے کوئی فعل صرف ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے اس صورت میں اس کو فعل ناقص نہیں کہتے فعل تام کہتے ہیں۔ جیسے کام بن گیا۔ کام ہو گیا۔ **شعر**

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے ۔۔۔ عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں فعل تام اور ناقص دونوں کی مثالیں ہیں۔ پہلے مصرع میں ہوتی فعل تام ہے کیونکہ صبح اور شام پر پورا ہوگیا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں فعل ناقص ہے۔ کیونکہ تمام کے سوا کلام پورا نہیں ہوتا۔ پہلے مصرع میں صبح اور شام فاعل ہے دوسرے میں عمر اسم اور تمام خبر ہے۔ **شعر**

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ۔۔۔ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اس شعر میں پڑ گئی فعل تام ہے **بیت**

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا   کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

اس بیت میں تھا فعل تام ہے اور جھگڑا فاعل۔

سہی بھی اُسی صورت میں فعل ناقص ہوتا ہے جب اسم و خبر کے بغیر کلام پورا نہ ہو۔ بعض اوقات سہی کلام میں زائد بھی آجاتا ہے۔ جیسے "دیکھو تو سہی"، "سنو تو سہی" یہاں سہی صرف تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور مطلب اس کے بغیر بھی پورا ہو جاتا ہے۔

کبھی ہے ہوگا کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ خواجہ حالی سرسید کے بارے میں کہتے ہیں

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں   پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

یعنی ان کے بعد ہم میں نہ ایسا کوئی پیر ہوگا نہ نوجوان۔

کبھی تھا بمعنی ہوتا۔ اور تھی بمعنی ہوتی اور تھے بمعنی ہوتے آتا ہے۔ خواجہ حالی کی ایک مثنوی میں ہے۔ بیت

مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار   اک اشارے میں وہ تھا لقمۂ غار

یعنی ایک اشارے میں وہ لقمۂ غار ہو جاتا۔

مسدس مدوجزر اسلام

بغیر ان کے بے ساز و ساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی   ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

فعل ناقص کا اسم خبر سے مقدم آتا ہے۔ مگر نظم میں یہ پابندی نہیں ناسخ

شگفتہ مثلِ گل ہر فصلِ گل میں داغ ہوتے ہیں
بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاکِ گلستاں کا

ہوتے ہیں فعل ناقص ہے۔ داغ اسم موخر اور شگفتہ خبر مقدم۔

فعل ناقص کے اسم و خبر میں وحدت و جمع کے لحاظ سے مطابقت کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جب اسم مذکر اور خبر مونث یا اسم مونث اور خبر مذکر ہو تو اُس وقت اختلاف ہے۔ کہ فعل ناقص کی تذکیر و تانیث بلحاظ اسم کے ہوگی یا خبر کے اگرچہ درست دونوں طرح ہی لیکن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم کی رعایت بیشتر کی جاتی ہے جیسے "پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا" یہاں ہو گیا فعل ناقص ہے۔ کھیر اُس کا اسم اور دلیا خبر۔ خبر کے لحاظ سے فعل مذکر آیا ہے۔ **مصرع**

آنکھ کی پُتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

یہاں بھی خبر کی رعایت سے فعل ناقص مذکر ہے۔

اسم کی رعایت کی مثالیں بھی سُنو **ذوق**

ظلمتِ عصیاں سے میری بن گیا شب روزِ حشر آفتاب اِک نیزے پر دُم دار تارا ہو گیا

اس شعر میں بن گیا فعلِ ناقص ہے۔ روزِ حشر اس کا اسم اور شب خبر۔ بلحاظ اسم کے فعل ناقص مذکر لایا گیا۔ **غالب**

باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعل ناقص ہے ہر گل تر اس کا اسم۔ اور چشمِ خوں فشاں خبر۔ اسم کی رعایت سے فعل ناقص مذکر ہے۔ **گویا**

وصف قاتل کا کروں گا میں دہانِ زخم سے ٹوٹ کر گر رہ گیا خنجر زباں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعل ناقص ہے۔ خنجر اُس کا اسم۔ اور زبان خبر۔ اسم کے لحاظ سے فعلِ ناقص مذکر ہے۔ **مومن**

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیانِ اشک نے اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا

ہو گئی فعل ناقص اپنی فوج اس کا اسم اور لشکر غنیم کا خبر۔ اسم کے لحاظ سے فعل ناقص مونث آیا ہے۔

جملۂ فعلیہ

جملہ فعلیہ وہ ہی جو کم سے کم فعل اور فاعل سے بنا ہو۔ اس جملے میں فاعل مسندالیہ ہوتا ہی اور فعل مسند۔ فعل اور فاعل اور مفعول کی تعریفیں حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔

فعل لازم ہو تو فاعل پر تمام ہو کر پورا جملہ ہو جاتا ہی۔ جیسے زید بیٹھا۔ بیٹھا فعل زید فاعل۔ فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اسی طرح عمرو سویا۔ سویا فعل عمرو فاعل فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور اگر فعل متعدی ہو تو مفعول کا ہونا بھی ضرور ہے۔ جیسے ناظر نے سبق پڑھا۔ پڑھا فعل۔ ناظر فاعل نے علامت فاعل سبق مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

جن جملوں میں افعال متعدی کے دو مفعول آتے ہیں اُن میں مفعول اول کو مفعول اول یا پہلا مفعول اور مفعول ثانی کو دوسرا مفعول کہتے ہیں۔

فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہی کبھی ضمیر۔ جیسے احمد آیا۔ اُس نے کھانا کھایا۔ ضمیر اگر فعل میں مخفی ہو تو اُس کو ضمیر مستتر کہتے ہیں۔ اور اگر ظاہر ہو تو ضمیر بارز۔ ضمیر بارز کی مثال اوپر دیکھ چکے ہو۔ ضمیر مستتر جیسے **شعر**

مسکن اس بحرِ فنا میں کر نہ مانندِ حباب ڈال پانی پر نہ بنیادِ مکاں بے فائدہ

نہ کر اور نہ ڈال میں تو ضمیر مستتر ہے جو اُن کا فاعل ہے۔ اگر ایک فعل کے کئی فاعل اس طرح کے ہوں کہ ایک ان میں سے غائب ہو اور دوسرا حاضر یا دونوں غائب ہوں یا ایک حاضر ہو دوسرا متکلم یا ایک متکلم ہو دوسرا غائب تو دونوں کے غائب ہونے کی صورت میں جمع غائب کا صیغہ بولتے ہیں۔ جیسے عابد اور محمود آئے۔ اور اگر ایک غائب اور ایک حاضر ہو تو جمع حاضر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے تم اور حمید کھانا کھاؤ۔ اور اگر ایک غائب اور ایک متکلم یا ایک حاضر اور دوسرا متکلم ہو تو جمع متکلم کا صیغہ بولتے ہیں۔

جیسے میں اور وہ آئینگے اور ہم اور تم چلینگے۔ غرض غائب کے مقابلے میں حاضر کو ترجیح ہے اور حاضر اور غائب دونوں کے مقابلے میں متکلم کو۔

اُردو میں فاعل مفعول سے اور مفعول فعل سے مقدم آتا ہی۔ جیسے زید نے عمرو کو نصیحت کی۔ نصیحت کی فعل مرکب زید فاعل نے علامت فاعل عمرو مفعول کو علامت مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ مد و جزر اسلام

کسی نے یہ لقراط سے جا کے پوچھا　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

پوچھا فعل کسی فاعل لقراط مفعول۔ نثر میں یہ ترتیب ضروری ہی اور اس کے خلاف خلافِ فصاحت۔ مگر نظم میں آگے پیچھے بھی ہوجاتے ہیں۔ جیسے مومن

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس　　گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

مصرع اول میں ساری ترتیب بدل گئی ہے یعنی فعل جو سب سے پیچھے آنا چاہیئے تھا سب سے پہلے ہے۔ اور فاعل جو سب سے پہلے چاہیئے تھا سب سے پیچھے ہی۔ مفعول ایسی جگہ واقع ہوا ہی کہ اس پر فاعل ہونے کا مغالطہ ہوتا ہے مگر شاعر کا مطلب یہ ہی کہ غم نہاں جی کو کھا گیا ہی اور اسی غم کے سبب جان گھل گئی ہی۔ اس لئے جی جو مفعول ہی فاعل نہیں ہوسکتا۔

کبھی ایک سے زیادہ مختلف فعل پہلے لاتے ہیں اور ان کے فاعل بعد میں مگر فعلوں کے لحاظ سے فاعلوں کی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں۔ جیسے شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں شعر

اُٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا　　مجھے بیتابی و بے طاقتی نے

اس شعر میں اُٹھانے والی چیز بیتابی ہی اور بٹھانے والی بے طاقتی سو اُٹھانے کے لحاظ سے بیتابی کو پہلے ذکر کیا اور بٹھانے کے اعتبار سے بے طاقتی کو پیچھے۔

جب قرینہ پایا جائے تو فعل یا فاعل دونوں کا حذف جائز ہی۔ جیسے کوئی پوچھے کون غل کرتا ہی؟ تم کہو حامد۔ یہاں فعل حذف ہوگیا۔ یا یوں پوچھے کہ کیا حامد غل کرتا ہی۔ تم کہو ہاں۔ یہاں فعل اور فاعل دونوں حذف ہوگئے۔ بعض اور مقام بھی ہیں جہاں

فاعل اکثر حذف ہو جاتا ہے۔ مثلاً " کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ایک نہایت انصاف پرور اور کرم گستر بادشاہ تھا" یہاں کہتے ہیں کا فاعل محذوف ہے یعنی حکایت کرنے والے شعر

دیدۂ عبرت سے گورستاں کی جانب کر نگاہ خاک پر سوتے ہیں کیا کیا قصر و ایواں چھوڑ کر

یعنی اہل قبور۔

اسی طرح مفعول بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید عمرو کو مارے تم عمرو سے پوچھو تم کو کس نے مارا۔ وہ کہے زید نے۔ یہاں مفعول محذوف ہو گیا۔ اور مفعول کے علاوہ فعل بھی۔ یعنی زید نے مجھکو مارا۔

بعض مقامات میں صرف ایک جزو جملے کا بولا جاتا ہے اور مقدرات کے لحاظ سے وہ جزو جملہ فعلیہ بھی بن سکتا ہے اور جملۂ اسمیہ بھی۔ جیسے کہیں سانپ پڑا ہوا ہو یا وہ دفعتہً کہیں سے سر نکالے تو کہتے ہیں۔ سانپ سانپ یا کہیں چور نمودار ہو تو کہتے ہیں چور چور۔ یا جنگل میں شیر قریب آتا ہوا نظر آئے تو کہتے ہیں شیر شیر۔ یہاں تین طرح کے محذوفات نکالے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سانپ نکلا سانپ نکلا۔ چور آیا چور آیا۔ شیر آیا شیر آیا۔ اس صورت میں نکلا فعل اور سانپ فاعل ہے۔ اسی طرح آیا فعل اور چور اور شیر فاعل ہے۔ دوسرے یہ کہ سانپ کو مارو سانپ کو مارو۔ چور کو پکڑو چور کو پکڑو۔ شیر کو روکو شیر کو روکو۔ اس صورت میں مارو اور پکڑو اور روکو فعل ہیں۔ اور تم ضمیر مستتر فاعل اور سانپ اور چور اور شیر مفعول۔ ان دونوں صورتوں میں جملہ فعلیہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے۔ سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے۔ چور آیا ہوا ہے۔ چور آیا ہوا ہے شیر آیا ہوا ہے شیر آیا ہوا ہے۔ اس صورت میں ہے فعل ناقص ہے۔ اور سانپ اور چور اور شیر اسم۔ اور بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا اور آیا ہوا خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

ایسے الفاظ اکثر جلدی اور گھبراہٹ یا خوف کے مقام میں منہ سے نکلتے ہیں اور

تاکید کے سبب مکرر ہو جاتے ہیں۔ غرض ان سے یہ ہوتی ہی کہ سننے والا تھوڑے لفظ سن کر جلد متوجہ ہو اور تدارک کرے

فائدہ۔ فاعل کی علامت یہ ہی کہ جب فعل کے ساتھ کون یا کس نے ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے احمد آیا۔ جب پوچھیں کون آیا تو جواب ہوگا احمد۔ پس احمد فاعل ہی۔ ایسا ہی حامد نے دیکھا۔ جب پوچھیں کس نے دیکھا تو جواب ہوگا حامد نے۔ پس حامد فاعل ہی۔

فائدہ۔ متقدمین کبھی افعال متعدی کے صیغہائے واحد متکلم سے علامت فاعل (نے) حذف بھی کر دیتے تھے۔ مثلاً جرأت

نہ جواب لے کے قاصد جو پھرا شتاب اُلٹا
میں زمیں پہ ہاتھ مارا بصد اضطراب اُلٹا

خواجہ میر درد

تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی　　جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

مرزا رفیع سودا

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالے

مگر متاخرین علامتِ فاعل بالالتزام استعمال کرتے ہیں۔ اور اب اُس کا حذف ہرگز جائز نہیں۔ ہاں چاہا کا فاعل دل اور جی ہو تو محاورے میں دل چاہا اور جی چاہا بغیر (نے) کے بولا جاتا ہی

مفعولِ مالم یُسمَّ فاعِلہٗ

یا

مفعول قائم مقام فاعل

جب فعل مجہول ہوتا ہی تو مفعول کی طرف مُسند ہوتا ہی یعنی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہی۔ عربی میں اس مفعول کو مفعول مالم یُسمّ فاعلہ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر اس کو مفعول قائم مقام فاعل کہا جائے تو اَخف علی اللسّان (یعنی بولنے میں زیادہ آسان) ہی

تم کو یاد ہوگا ہم نے حصۂ اول میں لکھا ہی کہ زبان اُردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہی ایک لفظی ایک معنوی۔ دونوں قسموں کے مفعول قائم مقام فاعل کی مثالیں دیکھو۔

زید مارا گیا۔ مارا گیا فعل مجہول لفظی۔ زید مفعول قائم مقام فاعل۔ **مرزا غالب**

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

نہ لٹتا فعل مجہول معنوی۔ میں ضمیر مستتر مفعول قائم مقام

جس طرح کبھی فعل معروف اور کبھی اُس کا فاعل اور کبھی دونوں حذف ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی فعل مجہول اور کبھی اُس کا مفعول قائم مقام فاعل اور کبھی دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے کون مارا گیا یا کون لٹا۔ تم کہو غافل۔ یہاں فعل حذف ہوگیا۔ یا کوئی پوچھے غافل کو کیا ہوا تم کہو مارا گیا یا لٹا۔ یہاں مفعول قائم مقام فاعل محذوف ہوگیا یا تم پوچھو کہ غافل مارا گیا یا لٹا؟ کوئی کہے ہاں یہاں فعل مجہول اور مفعول قائم مقام فاعل دونوں حذف ہوگئے

فعل متعدی بیک مفعول کے مجہول میں مفعول قائم مقام فاعل کے ساتھ لفظ "کو" کبھی نہیں آتا۔ مثلاً یوں نہیں کہتے کہ اس کو لایا گیا یا مارا گیا۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ لایا گیا یا مارا گیا۔ البتہ افعال مرکب میں کو آ بھی جاتا ہی مثلاً "دیکھنا یہ ہی کہ اس قاعدے کو

کیوں کر عمل میں لایا جائے" یا اُس کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا" اس طرح کی بیشمار مثالیں موجود ہیں اور تمام اہل زبان کیا لکھنؤ والے اور کیا دلّی والے سب اسی طرح بولتے ہیں

جو افعال متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں۔ اور وہ صرف مجہول لفظی ہوتے ہیں۔ اُن میں دوسرا مفعول مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ جیسے زید کو سبق پڑھایا گیا۔ عمرو کو کھانا کھلایا گیا۔ پہلے جملے میں سبق مفعول قائم مقام فاعل ہے۔ دوسرے میں کھانا۔ مگر افعال قلوب میں پہلا ہی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ اور افعال قلوب وہ فعل ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اکثر متعدی بدو مفعول ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو فاضل جانا یا سمجھا یا خیال کیا۔ جب مجہول بنائینگے تو کہینگے زید فاضل جانا گیا۔ یا سمجھا گیا۔ یا خیال کیا گیا علیٰ ہذا القیاس

فائدہ۔ فعل مجہول میں جن مقامات میں کو استعمال کیا جاتا ہے وہ وہی ہیں جو بیان کر دیے گئے ہیں۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ جن افعال کا صرف ایک مفعول آتا ہے یعنی جہاں قاعدۂ مذکورہ کے مطابق کو استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اہلِ زبان نے وہاں بھی اُسے استعمال کیا ہے۔ جیسے **داغ**

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوئے کیا کیجے ہم بھی کچھ دبتے کچھ اُن کو بھی دبایا جاتا

اس شعر میں قاعدے کے مطابق وہ بھی دبائے جاتے چاہیئے تھا۔

مفعول بہ

جس لفظ پر فعل واقع ہو اُس کو مفعول بہ کہتے ہیں۔ مفعول بہ نثر میں فاعل کے بعد اور فعل سے پہلے آتا ہے۔ اور یہی فصیح ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو دیکھا۔ مگر نظم میں آگے پیچھے بھی آجاتا ہے۔ جیسے **ذوق**

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک اونچی ہے آشیانۂ زاغ و زغن کی شاخ

کرتا ہے فعل۔ فلک فاعل۔ بدخصلتوں مفعول۔

مفعول بہ کی عام نشانی یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کس کو یا کیا ملاکر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے ناظر نے حاضر کو دیکھا۔ اگر پوچھیں کس کو دیکھا تو جواب ہوگا حاضر کو۔ پس حاضر مفعول بہ ہے۔ حمید نے چاقو خریدا۔ جب پوچھیں کیا خریدا تو جواب ہوگا چاقو۔ پس چاقو مفعول بہ ہے۔

بعض افعال متعدی کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ جیسے زید نے کھانا کھایا۔

بعض کے دو مفعول آتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔ دوسرے مفعول کو مفعول ثانی کہتے ہیں۔

بعض افعال کا کبھی ایک مفعول آتا ہے کبھی دو۔ جیسے "میں نے حامد کو عالم سمجھا یا خیال کیا۔" "میں سمجھتا یا خیال کرتا تھا کہ ایسا ہونا محالات سے ہے۔"

کبھی ایک فعل کے کئی مفعول آتے ہیں۔ **ظفر**

ہمیشہ کنجِ تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں ۔۔۔ الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

اگر ان میں حرف عطف محذوف سمجھا جائے تو تمام مفاعیل بہ ترکیب عطفی ایک مفعول کا حکم رکھینگے۔

اسم ظاہر مفعول ہو تو اس کے ساتھ علامت مفعول "کو" آتی ہے۔ بعض افعال کے مفعولوں کے ساتھ کو کے سوا اور علامتیں لگائی جاتی ہیں۔ مثلاً کہنا[۱] محبت کرنا الفت کرنا

---

[۱] کہنا کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک قرار دینا۔ دوسرے نام رکھنا۔ تیسرے الزام دینا۔ چوتھے بیان کرنا۔ ذکر کرنا۔ ظاہر کرنا۔ گفتگو کرنا۔ خبر دینا یا خبر کرنا۔ آگاہ کرنا۔ پانچویں عرض کرنا۔ التماس کرنا التجا کرنا چھٹے دعا کرنا یا دعا مانگنا۔ ساتویں سوال کرنا۔ آٹھویں جواب دینا۔ نویں پیغام دینا۔ دسویں حکم دینا گیارہویں نصیحت کرنا۔ بارہویں اقرار کرنا۔ پہلے تین معنوں میں اُس کا صلہ کو آتا ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو جاہل کہا۔" یا اُس کو شبراتی کہتے ہیں۔ یا بکر خالد کو کہتا ہے کہ اُس نے اُس کی کتاب چرالی ہے۔" یا "کمبخت کا اُس پر تو زور چلتا نہیں ہم کو کہتا ہے کہ ہم نے اُسے بدنام کیا ہے۔" باقی تمام معنوں میں اُس کا صلہ سے آتا ہے۔ جیسے "نوکر سے کہو کہ گاڑی طیار کرنے۔" "آپ نے تو ہم سے یہ کہا تھا کہ وہاں تشریف نہیں لیجائیگا منشی امیر احمد صاحب امیر کی ایک غزل کے چند شعر سنو ۔ (باقی بصفحہ آیندہ)

(باقی بصفحہ آیندہ)

دعا کرنا۔ التجا کرنا۔ التماس کرنا۔ عرض کرنا۔ درگزر کرنا۔ وغیرہ ان کے مفاعیل کے ساتھ سے علامت مفعول آتی ہے۔ کرم کرنا۔ فضل کرنا۔ رحم کرنا۔ شفقت کرنا۔ خفا ہونا۔ غصے ہونا لعنت کرنا وغیرہ کے ساتھ پر آتا ہے۔ جیسے "حامد نے محمود سے کہا" الا سلام میں ہے۔ **بیت**

لگانا نہ دل ماورائے خدا سے　　محبت نہ کرنا کبھی ماسوا سے

"زید عمرو سے بہت اُلفت کرتا ہے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵)

روکے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا　　ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا
کرلیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے مُنہ سے　　اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا
کیسے ناداں ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں　　ہو بُرا بھی تو اُسے چاہیئے اچھا کہنا

البتہ حکم اور نصیحت کے معنوں میں کبھی کو بھی صلہ آجاتا ہے جیسے **امیر**

مرکے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی　　آکے عیسیٰ سرِ بالیں نہ کہیں قم مجھکو

محمد احسان علی خان احسان

جانتے تھے جو ترا کشتۂ انداز خرام　　حشر کے فتنے اُٹھے کہتے ہوئے قم مجھکو

نواب مرزا خان داغ

معجزہ حضرتِ عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں　　درد اُٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قم مجھکو

"اور جب یہ لوگ (اُسی طرح پر) جیسے اُن کے باپ نے اُن کو کہہ دیا تھا (مصر میں) داخل ہوئے (ترجمہ القرآن مولوی نذیر احمد) بعض مقامات میں پیغام کے معنوں میں بھی کو بولا جاتا ہے۔ جیسے اُن کو میری طرف سے کہدو" ان کے علاوہ بعض اور مقامات بھی ہیں جہاں کو استعمال کیا جاتا ہے یا وہ لفظ جو کو کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

بے وفا تھے یہ صنم خوب بنا ہی طاہر　　آفریں ہم تجھے اے مردِ خدا کہتے ہیں
جاکے پردیس نہ اب تک کوئی نامہ بھیجا　　یہ کیجئے انصاف کہ اس کو ہی وفا کہتے ہیں

امیر

پہلے تو کہا مجھے نکالو　　پھر بولے غریب ہے بُلا لو

غالب

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو　　جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں۔

منشی مظفر علی خان بہادر جنگ اسیر

صبر منظور ہے دیدار بُتاں سے چندے　　اس میں کیا کہتے ہوئے دیدہ و دل تم مجھکو

"میں نے خدا سے دعا کی"

"زید نے عمرو سے التجا یا التماس یا عرض کی"

"اے غفار ہمارے گناہوں سے درگزر یا درگزر کر"

"خدا اس پر رحم کرے یا کرم کرے یا فضل کرے"

"ماں باپ اپنی اولاد پر بہت شفقت کرتے ہیں"

"زید پر حجامت ہو"

"تم اس پر غصے کیوں ہوتے ہو"

"شیطان پر سب لعنت کرتے ہیں"

ضمائر کی حالت مفعولیت

مجھے	ہمیں	تجھے	تمہیں	اسے	انہیں
مجھ کو	ہم کو	تجھ کو	تم کو	اس کو	ان کو
میرے تئیں	ہمارے تئیں	تیرے تئیں	تمہارے تئیں	اس کے تئیں	ان کے تئیں

بعض صورتوں میں کو علامت مفعول مفعول کے ساتھ نہیں آتی یعنی

(۱) فعل متعدی بدو مفعول ہو تو دوسرے مفعول کے ساتھ یہ علامت نہیں آتی جیسے حامد کو سبق پڑھا دو۔ یہاں سبق دوسرا مفعول ہے۔ اور علامت مفعول نہیں رکھتا۔

(۲) اگر مصدر مفعول ہو عام اس سے کہ اردو کا مصدر ہو یا کسی اور زبان کا۔ جیسے زید نے

ـــــــــــــــــــ

سلہ یہ لفظ لکھنے میں جھ سے اور بولتے میں تج آتا ہے۔ اور چونکہ لکھنا بولنے کے تابع ہے اس لئے بعض لوگ اس کو جدا لکھنے کی حالت میں تجہ اور کو وغیرہ کے ساتھ لکھنے کی صورت میں تجکو یا تجسے لکھتے ہیں لیکن اگر اس کو دو چشمی ھ کے بغیر لکھنا منظور ہو تو بصورت تجہ لکھنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں ہ موجود ہے اور کو وغیرہ سے جدا لکھنے کی صورت میں اس کو تج کوئی نہیں لکھتا ہمارے نزدیک اس کو جھ سے لکھنا چاہیے اگر اس میں ہائے مخلوطی کی آواز سے کام نہیں لیا جاتا تو نہ سہی۔ دودھ میں بھی تو ھ اپنی آواز نہیں دیتی اور سب لوگ دود بولتے ہیں مگر لکھتے سب ھ سے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا دو چشمی ھ سے لکھا جانا خوبصورت بھی معلوم ہوتا ہے اور تجھے اور تجھی میں تو ھ اپنی آواز بھی دیتی ہے یعنی یہ الفاظ تج سے نہیں بلکہ بالاتفاق جھ سے لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ بعینہ یہی حال لفظ مجھ کا ہے۔

کھانا کھایا۔ عمرو نے تماشا دیکھا۔

(۳) مفعول غیر ذی روح یا غیر ذی عقل ہو اور صرف ایک ہی ہو تو عموماً علامتِ مفعول سے خالی ہوتا ہے۔ جیسے حامد نے کتاب پڑھی۔ محمود نے گھوڑا خریدا۔

کبھی نظم میں کو استعمال کر بھی لیتے ہیں۔ جیسے **شعر**

خوشنویسی میں بھی کی اُس طفل نے مشقِ ستم خون سے بُلبل کے لکھا قطعۂ گلزار کو

یعنی بلبل کے خون سے قطعۂ گلزار لکھا۔

کو علامت مفعول کبھی نظم میں حذف بھی ہو جاتی ہے۔ **ذوق**

کشادِ کار ہم نے پنجۂ تقدیر کو سونپا خرد کے تیز ناخن ناخنِ انگشت پا سمجھے

یعنی خرد کے تیز ناخن کو۔

کسی زمانے میں کو کی جگہ کے تئیں بھی بولتے تھے۔ اب خاص مقامات اور نظم کے سوا نہیں بولتے لیکن جب لفظ "اپنے" مفعول واقع ہو تو اس کے ساتھ اکثر تئیں لاتے اور اپنے تئیں بولتے ہیں۔

اپنے تئیں کے متعلق ایک پھڑکتا ہوا لطیفہ بھی سُن لو۔

لطیفہ۔ دِلّی کے ایک اہل زبان لکھتے ہیں کہ ایک شخص کہیں باہر سے میری ملاقات کو آئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اپنی نظم و نثر سناتے رہے میری سنتے رہے۔ اس کے بعد دِلّی کے محاوروں کی تعریف اور یہاں کی شائستگی کلام اور شستگی زبان کی توصیف کرنے لگے پھر شاید دل میں یہ سمائی کہ جبتک چون وچرانہ نکالوں گا نظر میں کیونکر جچوں گا۔ آخر سوچ سوچ کر بولے کہ دِلّی کے زباندانوں نے مفعول پر لفظ کے تئیں لانا چھوڑ دیا۔ لفظ کو بہت بولتے ہیں۔ مثلاً کتاب کو اُس کو تم کو ہم کو اور حقیقت میں یہی کلمہ فصیح ہے۔ مگر کیا سبب ہے کہ اپنے تئیں۔ نبھائے[۱] جاتے ہیں۔ اور یہ لفظ کہیں نہ کہیں بولے جاتے ہیں۔ اگر اس کی جگہ بھی آپ[۲] کو کہیں تو

---

[۱] پہلے نبھانا بولتے تھے اب نباہنا بولتے ہیں۔ اور بعض اطراف میں اب بھی نبھانا کہتے ہیں۔

[۲] جیسا کہ مرزا رفیع سودا کہتے ہیں **شعر**

بھولا پھروں ہوں آپ کو اک عمر سے لیکن تجھکو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش

کیا شان گھٹ جائے۔ میں یہ گفتگو سُن کر اُن کی دل شکنی کے لحاظ سے اُس وقت کے کلام میں اپنے تئیں کی جگہ آپ کو بولنے لگا۔ اور اپنا عجز اُن کے سامنے بیان کرنے لگا کہ حضرت مجھے کیا آتا ہی۔ میں تو آپ کو کمال نالائق بیوقوف جانتا ہوں۔ آپ کو گدھے سے بدتر خیال کرتا ہوں۔ یہ کہتا جاتا تھا اور خود بخود دل میں لیا جاتا تھا کہ یہ کیا کلمہ زبان سے نکال رہا ہوں۔ مگر کیا کروں ناچار تھا۔ اگر اپنے تئیں بولتا ہوں تو پہلا اعتراض جُدا قائم رہتا ہی اور اس پر طرّہ یہ کہ دوسری بیوقوفی ثابت ہوتی ہے کہ سمجھانے سے بھی کچھ اثر نہ ہوا یا یے وہ خود ہی قائل ہوگئے کہ ایسے مقاموں میں آپ کو بولنا نامناسب بلکہ محض غلط ہے اور اپنے تئیں بولنا بجا اور صحیح"۔

فائدہ۔ اپنے تئیں آپ کو اپنے کو اپنے آپ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو کی مثال دیکھو۔ **شعر**

نازک بہت ہی رشتۂ اُلفت نہ ٹوٹ جائے اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

فائدہ۔ کس جس اِس اُس مجھ تجھ کے ساتھ یائے مجہول اور ہم کے ساتھ یائے مجہول اور نون غنہ اور تم کن جن اِن اُن کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے مجہول اور نون غنّہ بھی علامات مفعول آتی ہیں۔ جیسے کسے جسے اِسے اُسے مجھے تجھے ہمیں تمھیں کنھیں۔ جنھیں اِنھیں اُنھیں۔

مفعول فیہ اور مفعول منہ اور مفعول معہ کیا چیز ہیں؟	مفعول بہ کے علاوہ قواعد کی کتابوں میں چار مفعول اور لکھے ہیں مفعول فیہ[1] مفعول منہ۔ مفعول لہ۔ مفعول مطلق۔ اِن میں سے

مفعول فیہ تو ظرف زمان اور ظرف مکان ہی جس کو نحویاں عربی کی تقلید سے مفعول فیہ کہا گیا ہی۔ ظرف اُردو میں متعلق فعل ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ ضرور نہیں کہ اس کو مفعول فیہ قرار دیا جائے (ظرف مکان اور ظرف زمان کا حال عنقریب لکھا جائے گا)۔

---

[1] جو لفظ وقوع فعل کے مکان یا زمانے پر دلالت کرے اس کا نام مفعول فیہ رکھا گیا ہی۔

مفعول منہ۔ اُس لفظ کو کہا گیا ہے جو وقوع فعل کا آلہ ہو سکے۔ اوّل تو یہ نام ہی غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں اُن الفاظ کے ساتھ جو آلہ صدور فعل ہوں مِن (جو سے کا ترجمہ ہے) نہیں آتا۔ مثلاً یوں نہیں کہتے قلتہ من السیف۔ دوسرے ایسے الفاظ کو مفعول کہنے کی ضرورت بھی کچھ نہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ایسے الفاظ متعلق فعل ہوتے ہیں جیسے زید نے عمرو کو تلوار سے مار ڈالا۔ اس جملے میں مار ڈالا فعل ہے۔ زید فاعل۔ عمرو مفعول۔ سے جار۔ تلوار مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل۔

مفعول لہٗ۔ یعنی وہ لفظ جو فعل کے سبب یا غرض پر دلالت کرے۔ اُردو میں جس طریق سے الفاظ فعل کا سبب یا غرض واقع ہوتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) زید حیا کے سبب سے آنکھ نیچی رکھتا ہے۔ یہاں آنکھ نیچی رکھنے کا سبب حیا ہے۔

(۲) زید نے عمرو کو ادب سکھانے کے لیے مارا۔ یہاں مارنے کی غرض ادب سکھانا ہے۔

(۳) حامد محمود کی تعظیم کو یا تعظیم کے واسطے یا تعظیم کے لئے اُٹھا۔ یہاں اُٹھنے کا سبب یا غرض تعظیم ہے۔

(۴) ہادی مدرسے پڑھنے گیا۔ یہاں مدرسے جانے کا سبب یا غرض پڑھنا ہے۔

صورت اوّل کے سوا دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت میں سکھانا (جو شبہ فعل ہے مع اپنے مفعول ادب کے) اور محمود کی تعظیم بہ ترکیب اضافی اور پڑھنے سب مفعول لہٗ ہیں۔ ع

کاٹنے دوڑتی ہے ماہی بے آب مجھے

ترکیب۔ دوڑتی ہے فعل۔ ماہی بے آب بہ ترکیب توصیفی فاعل۔ کاٹنے شبہ فعل۔ مجھے اس کا مفعول۔ شبہ فعل مع اپنے مفعول کے مفعول لہٗ دوڑتی ہے کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہُوا۔

اہل قواعد نے جس طرح کے یہ مفعول بنائے ہیں اس طرح کے اور مفعول بھی اُردو میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جس چیز کے اوپر فعل وقوع میں آئے وہ مفعول علیہ ہو سکتا ہے جیسے

زید نے کتاب میز پر رکھی۔ اسی طرح جس چیز کی معیت میں فعل صادر ہو وہ مفعول معہ ہو سکتا ہے۔ اور مجھکو سخت تعجب ہی کہ اہل قواعد کا ذہن اس قسم کے مفاعیل کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا باوجودیکہ نحو عربی میں منجملہ مفاعیل ایک مفعول معہ بھی قرار دیا گیا ہی۔

حق یہ ہی کہ جس طرح کے مفعول فیہ اور مفعول منہ اُردو میں پیدا کئے گئے ہیں اگر اسی طرح کے اور مفعول پیدا کئے جائیں تو تمام متعلقاتِ فعل مفعول ہی مفعول ہو جائیں اور کوئی لفظ ایسا نہ رہے جس کو متعلق فعل کہہ سکیں۔

مفعول مطلق

عربی زبان میں کبھی فعل کے ساتھ اُسی کا مصدر یا مصدر کا مرادف لاتے اور اُس کو مفعول مطلق کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہی اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا[1] اگر اُردو میں اس طریق سے مصدر استعمال کیا جائے یا کلام عرب کا اس طرح ترجمہ کیا جائے تو کلام غلط اور بے لطف ہو جائے مثلاً آیاتِ مذکورہ کا یوں ترجمہ کیا جائے کہ ہمیں نے پانی برسانا برسایا اور پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑنا پھاڑا تو برسانا اور پھاڑنا فصیح کلام کو بے مزہ کر دیں گے۔

اُردو میں فعل کا مصدر اس طریق سے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ کسی خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہی۔ جیسے **شعر**

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے ۔۔۔ رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہی رونے میں

اور بیشتر بجائے مصدر حاصل مصدر مستعمل ہوتا ہی۔ اور جس طرح عربی میں مصدر کبھی تاکید اور کبھی تعداد اور کبھی وضع کے لئے آتا ہی اسی طرح اُردو میں حاصل مصدر آتا ہی جیسے وہ خوب چال چلا۔ زید ایک دوڑ دوڑا۔ **آتش**

تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکریں کھائیں ۔۔۔ چلا جب جانور انساں کی چال اُس کا چلن بگڑا

---

[1] ہمیں نے پانی برسایا پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑا۔

ظرفِ مکاں

ظرفِ مکاں دو طرح کا ہوتا ہے۔ محدود اور غیر محدود۔ محدود جیسے صراحی جھجر آبخورہ گلاس آفتابہ دیگچی مکان گھر محل مدرسہ باغ جنگل شہر گلی کوچہ بازار سرا ملک وطن دریا سمندر وغیرہ۔

غیر محدود جیسے آگے پیچھے دائیں بائیں اِدھر اُدھر نیچے اوپر ارد گرد۔ اندر باہر یہاں وہاں کہیں کہیں کہیں سامنے طرف رُخ وغیرہ بیت

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ظرفِ محدود کے ساتھ اکثر پر یا میں یا سے یا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ عموماً کوئی لفظ نہیں آتا۔

ظرفِ زماں

یہ بھی محدود اور غیر محدود ہوتا ہے۔ محدود جیسے صبح شام رات دن مہینا برس گھڑی گھنٹہ منٹ پل صدی ہفتہ آج کل وغیرہ۔ غیر محدود جیسے ہمیشہ سدا نِت جب[1] نہ تب۔ آئے دن رات دن صبح و شام زمانہ وقت کبھی کبھی۔ ظرفِ زماں محدود کے ساتھ اکثر کو یا میں آتا ہے غیر محدود کے ساتھ کم آتا ہے۔

فائدہ۔ کبھی دو ظرف محدود مل کر غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جیسے آج کل۔ یہ دونوں ظرفِ زماں محدود ہیں۔ مگر آج کل (یعنی اِن دنوں اور فی الحال) غیر محدود ہے۔

جار و مجرور

عربی زبان میں چند حروف جو تے۔ میں پر مانند تک واسطے ساتھ سوا وغیرہ کے معنے دیتے ہیں حروفِ جر کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ جر کسرہ کو کہتے ہیں اور جن الفاظ پر

حقیقی تاسنیں فلا تہر	جب نہ تب والضحےٰ پڑھے ہے امام	[1] مومن خاں

وہ حرف داخل ہوتے ہیں۔ اُن کے حرف آخر کو مکسور کر دیتے ہیں۔ جیسے مِنَ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ علی السَّمَاءِ اِلَی الْمَسْجِدِ۔ لِلصَّلٰوۃِ کَالطَّیْرِ بِالسَّیْفِ مصرع

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ

فارسی اور اُردو میں جو حروف حروفِ جر کہلاتے ہیں۔ اُن کا یہ عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اُردو میں یہ نام بدل کر اور نام رکھدیں۔ مگر چونکہ جر لغۃً کھینچنے کو کہتے ہیں اور حرفِ جر فعل یا شبہ فعل کے معنوں کو کھینچ کر مجرور سے لا ملاتے ہیں۔ اور عربی کی کتابوں میں حروفِ جر کو حروفِ جر کہنے کی یہ بھی ایک وجہ بیان کی گئی ہے (گو یہ وجہ ضعیف ہے) اور فارسی اور اُردو میں تو اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو ہی نہیں سکتی اسلئے ہم بھی جار[2] و مجرور کو جار و مجرور ہی کہیں گے۔

جار و مجرور مِل کر ہمیشہ متعلق فعل یا شبہ فعل ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دیکھا فعل۔ میں فاعل نے علامت فاعل زید مفعول کو علامت مفعول سے جار اپنی آنکھ بہ ترکیب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلقِ فعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ یہ جار مجرور کے فعل سے متعلق ہونے کی مثال ہے۔ شبہ فعل سے متعلق ہونے کی مثال سُنو۔ زید گھر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے۔ پڑھ رہا ہے فعل۔ زید فاعل ذوالحال بیٹھا حال شبہ فعل۔ میں جار۔ گھر مجرور۔ جار و مجرور متعلق شبہ فعل۔ حال اور ذوالحال مل کر فاعل کتاب مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہُوا۔

حال اور ذوالحال

جو لفظ فاعل یا مفعول کی ہیئت یا حالت ظاہر کرے اُس کو حال کہتے ہیں۔ اور جسکی

---

[1] اسی بنا پر شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں شعر

علی ہے شکل علےٰ اور علےٰ ہے حرفِ جار — علی سے کیونکہ نہ ہو زیر لشکر کفار

یعنی علی علےٰ کی صورت ہے اور علےٰ حرف جار ہے اس لیے لشکر کفار کا اُن سے زیر ہونا ضرور ہے۔

[2] جار اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں کھینچنے والا یا کھینچ کر ملانے والا۔

ہیئت یا حالت ظاہر ہو اُس کو ذوالحال۔

اُردو میں کئی طرح کے لفظ ہیں جو حال کا فائدہ دیتے ہیں۔ اِسمِ حالیہ تو حال ہی کے لیئے وضع ہوا ہے۔ جیسے زید ہنستا جاتا تھا۔ کبھی اسمِ مفعول سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے خالد گھر میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہی۔ **شعر**

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے — بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

اسمِ مفعول کا ہوا اور ہوے کبھی حذف بھی ہوتا ہے۔ جیسے خالد گھر میں بیٹھا کام کر رہا ہی یا خالد ٹوپی اوڑھے جاتا تھا۔

کبھی امر مکرر ہو کر بہ زیادت گے یا کر حال واقع ہوتا ہی۔ جیسے **شعر**

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت — وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

یونہیں وقت سوسو کے جو ہیں گنواتے — وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اُٹھاتے[۱]

---

[۱] خرگوش اور کچھوے کی حکایت مشہور ہی۔ اور منتخب الحکایات میں ان الفاظ میں لکھی ہی۔

حکایت۔ ایک کچھوے کو سفر درپیش تھا۔ اسکی جستجو ہوئی کہ کوئی ساتھی ملے تو سفر کروں۔ اتفاق سے ایک خرگوش بھی اسی طرف کو جانیوالا تھا۔ کچھوے نے کہا کہ میاں خرگوش آؤ ہم تم ساتھ چلیں۔ خرگوش بے اختیار ہنسا اور کہا ای احمق کہاں تو بمشکل رینگ رینگ کر پہروں میں ایک بالشت زمین چلتا ہے اور کہاں میں بجلی کی مانند لپکتا ہوں۔ ہوا کی طرح اڑتا ہوں۔ بھلا میرا اور تیرا کیا ساتھ۔ کچھوے نے کہا یہ صحیح ہی۔ مگر منزل پر خدا نے چاہا آپ سے آگے ہی پہنچونگا۔ یقین نہ ہو تو شرط باندھ لیجئے۔ چنانچہ یہ شرط ہوئی کہ جو ہارے اُسکے کان کاٹے جائیں۔ کچھوا آہستہ آہستہ لگا اپنی چال چلنے اور خرگوش دو چھلانگوں میں نظر سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر خرگوش نے سوچا کہ جتنا میں چل چکا ہوں شام تک تو کچھوی کو یہاں آنا مشکل ہی۔ جلدی کیوں کروں لاؤ سو رہوں۔ خرگوش آرام سے سو رہا۔ کچھوا بڑی دیر کے بعد گھسٹتا گھسٹتا آیا دیکھا تو حریف پڑا سوتا ہی۔ چپکے چل دیا۔ بڑی رات گئے خرگوش جاگا تو کچھوا نظر نہ آیا۔ آپ ہی آپ کہنے لگا۔ اللہ ری سُست قدم میاں کچھوے اب تک تشریف نہیں لائے۔ خیر چلیں سرائے میں رات کو رہیں۔ کل تو میاں کچھوے آ ہی جائیں گے۔ جوں سرائے میں قدم رکھا دیکھا تو کچھوا موجود۔ خرگوش کو دیکھتے ہی کچھوا لپکا۔ کہ لائیے حضرت کان خرگوش دُم دبا کر ایسا بھاگا کہ آج تک کانوں کے ڈر کے مارے بھاگا بھاگا پھرتا ہی۔

کبھی اسم صفت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے حامد خوش خوش پھر رہا ہے حال کی تذکیر وتانیث اور وحدت وجمع بلحاظ ذوالحال کے ہوتی ہے۔ مگر یہ قاعدہ صرف اُسی صورت سے متعلق ہے جبکہ حال اسم حالیہ ہو۔ دوسری صورتوں میں یہ بات نہیں۔ جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ

جس چیز کو اوروں سے جدا کرتے ہیں اُس کو مستثنیٰ کہتے ہیں اور جن سے جدا کرتے ہیں اُن کو مستثنیٰ منہ۔ اور جو لفظ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے علٰحدہ کرتا ہے اُسے حرف استثنا۔ جیسے احمد کے سوا سب آئے۔ ترکیب آئے فعل۔ سب مستثنیٰ منہ سوا حرف استثنا۔ احمد مستثنیٰ۔ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

استثنا کی قسمیں حروف استثنا کے بیان میں مذکور ہونگی۔

قسم اور مُقسم بہٖ

قسم اور مقسم بہ قائم مقام جملہ فعلیہ ہوتے ہیں۔ جب کہتے ہیں خدا کی قسم تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل۔ کلمہ قسم مضاف خدا مقسم بہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

عربی میں قسم کے حرف واو ب ت ہیں۔ جیسے واللہ باللہ تاللہ اور یہ سب لفظ اُقسِمُ[1] باللہ کے معنوں میں آتے ہیں۔ فارسی میں کہتے ہیں بخدا یعنی قسم میخورم بخدا۔ عربی ترکیب میں اُقسِمُ فعل با فاعل ہے۔ اور باللہ جار مجرور متعلق فعل۔ مفعول کوئی نہیں۔ اُردو میں کلمہ قسم اور مقسم بہ مفعول ہوتا ہے۔ مقسم بہ[2] ایسا شخص ہوتا ہے جس کا ادب اور عظمت لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ عموماً خدا کی جو سب سے اکبر و اعظم ہے قسم کھاتے ہیں۔

---

[1] میں خدا کی قسم کھاتا ہوں [2] جس کی قسم کھائیں

کبھی مخاطب کے سر اور کبھی اپنی جان کی قسم کھاتے ہیں جیسے تمھارے سر کی قسم اپنی جان کی قسم۔

قسم سے کلام کو موکد کرنا اور مخاطب کو اپنے قول کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بسا اوقات گفتگو میں واللہ باللہ بے ارادہ قسم بول دیتے ہیں۔

میر انشاء اللہ خاں نے اپنی ایک پوری غزل میں اتنی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ اگر اُن کے نام گننے لگیں تو طبیعت اُکتا جائے۔ انسان پری زمین آسمان دوزخ بہشت حور غلمان عرش کرسی وغیرہ تو درکنار بھتنے چڑیل لونا چاری گلوا ہیرا اور شیطان تک کی قسمیں کھا ڈالیں۔ مگر اس طرح پر جبیات تک کی قسمیں کھانا بیہودگی اور مسخرہ پن ہے۔

ندا اور منادے

حرف ندا اور منادے بھی جملہ فعلیہ کے قائمقام ہوتے ہیں۔ حرف ندا فعل اور فاعل کا کام دیتا ہے۔ اور منادے مفعول بہ کی جگہ آتا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے۔ "اے خدا" تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں خدا کو پکارتا ہوں۔ دیکھو "اے" نے "میں پکارتا ہوں" کے معنی دیے۔ جو فعل با فاعل ہے اور خدا اس کا مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

منادے معرفہ ہوتا ہے یا ایسا نکرہ جو ندا سے سمجھ لیتا ہے کہ مجھے پکارا ہے۔ جیسے **شعر**

او دامن اُٹھا کے جانے والے ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھا لے

حالی

ہو گرچہ جس قدر اُتنے برستے تم نہیں اے فصیحو یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

کبھی منادے کو دوسرے شخص کی کسی صفت یا صفات سے متصف سمجھکر اُس شخص کے نام سے پکارتے ہیں۔ جیسے **مقتول**

کوئی ٹھوکر میری تربت پر لگا بہر خدا اے مسیحا پھر ترے کشتے کو جاں درکار ہے

چونکہ حسبِ عقائدِ اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اس لئے شاعر نے مخاطب کو اُن کی اِنھیں صفتوں سے متصف سمجھکر مسیحا کرکے پُکارا ہے۔

کبھی منادے کا نام نہیں لیتے کسی صفت سے موصوف قرار دیکر ندا کرتے ہیں۔ جیسے مصرع

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے

کبھی منادے کو اُس کی کسی ذاتی صفت سے پُکارتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اُس صفت سے کام لے۔ جیسے مصرع

اے اکرم وارحم کرم و رحم کی جا ہے

یہاں خدا کا نام نہیں لیا۔ اکرم وارحم کہا ہے۔ اس غرض سے کہ خدا کرم اور رحم کرے۔

بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی منادیٰ ٹھہرا لیتے ہیں جو ندا کے قابل نہیں ہیں۔ جیسے میر

سب گئے دل سے صبر و تاب و تواں ۔۔۔ لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

حالی

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید ۔۔۔ جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال ۔۔۔ اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

رُباعی

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں ۔۔۔ جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں

پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک ۔۔۔ جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

ایک شاعر عمر گزشتہ سے بر سبیل شکایت کہتا ہے۔ شعر

روندی ہے مثل نقش قدم خلق یاں مجھے ۔۔۔ اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

آسماں کو پکارنا تو شعرا کی معمولی عادت ہے۔ اس لئے کہ وہ ان پر جور و جفا کرتا رہتا ہے اور یہ اُس کو کوستے رہتے ہیں۔

میر سلامت علی انیس کے مرثیے کے دو بند سنو اور دیکھو کہ ان میں کتنی اشیائے ناقابل ندا کو پکارا ہے ؎

اے شمع قلم روشنیِ طور دکھا دے — اے لوح تجلی رُخِ حور دکھا دے

اے بحرِ طبیعت گُہرِ نور دکھا دے — اے شاہدِ معنی رُخِ مستور دکھا دے

بزمِ غمِ شبیر میں وہ جلوہ گری ہو

خورشیدِ جہانتاب چراغِ سحری ہو

اے طبعِ رسا خلد کا گلزار دکھا دے — اے باغِ سخن گلشنِ بیخار دکھا دے

اے شمعِ زباں لمعۂ انوار دکھا دے — اے حُسنِ بیاں خوبیِ گفتار دکھا دے

لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا

ہاں تیغِ زباں کام تو کر آج قلم کا

کبھی دِل کا نام لے کر پکارتے ہیں۔ خواجہ حالی دل سے بیزار ہو کر کہتے ہیں ؎

دُور ہو لے دلِ مآل اندیش

کھو دیا عمر کا مزا تو نے

دل منادی ہو تو جاں کیوں نہ ہو افوق کہتے ہیں ؎

ٹھیری ہے اُن کے آنے کی یاں کل یہ جا صلاح

اے جانِ بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح

غرض اس قسم کی بہت سی چیزیں ناقابل ندا ہیں جن کو منادےٰ ٹھر لیتے ہیں۔ کبھی دوسرا پاس نہیں ہوتا اور اپنے آپ سے مشورت کرتے ہیں تو اپنے نام کو منادےٰ بنا لیتے ہیں۔ جیسے "میں نے کہا محمد حسین! ابیدل نہ ہو۔ ہمت کرو۔ خدا مدد کرے گا مصرع

مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے"

شاعر لوگ اپنے تخلص کو بھی منادےٰ بنا لیتے ہیں۔ خواجہ حیدر علی کہتے ہیں شعر

نہ پوچھ عالم برگشتہ طالعی آتش　　برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

کبھی اسمِ موصول کو منادےٰ ٹھیراتے ہیں۔ مگر صرف نظم ہیں۔ جیسے **شعر**

اے وہ کوئی جو آج پیے ہے شراب عیش　　خاطر ہیں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

کبھی منادیٰ موصول کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے **قطعہ**

اے ترا پایہ فہم سے بر تر　　اے ترا نام عرش پر مسطور

میں ترے در پہ سُن کے آیا ہوں　　نام تیرا شفیعِ روزِ نشور

یہاں ممدوح موصول محذوف ہے۔

معلوم رہے کہ اُردو میں موصول کو منادیٰ ٹھہرانا محض شعرائے عرب و فارس کے اتباع سے ہے اور بہت کم ہے۔

کبھی حسرت و افسوس کے موقع پر بخت و نصیب کو پکارتے ہیں۔ **گلزار نسیم**

عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت　　یا قسمت یا نصیب یا بخت

کبھی کسی کو محض از راہ محبت پکارتے ہیں۔ ماں اپنے بچے کو لوری دیتی ہوئی کہتی ہے

اے میرے آرام جگر کے　　راحت دل کی نور نظر کے

سکھ ماں کے اور چین پدر کے　　یعنی مقصد سارے گھر کے

سو رہ میرے پیارے بچے

کبھی غیظ و غضب کے موقع پر غصے کے لفظ بولتے اور ان پر حرف ندا زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے اسے لعنتِ خدا۔ اے پھٹے مُنہ۔ ایسے موقع پر منادیٰ کوئی نہیں ہوتا۔

کبھی اپنے تئیں منادیٰ ٹھیرا کر دوسروں کو نصیحت کرتے اور حکمت کی بات بتاتے ہیں جیسے **شعر**

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا۔ بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا

کبھی منادیٰ ایک سے زیادہ ہوتے اور موخر ہوتے ہیں۔ اور جواب ندا بھی متعدد ہوتے اور مقدم ہوتے ہیں تو مناداؤں میں جواب ندا کے لحاظ سے ترتیب ہوتی ہے جیسے **شعر**

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی   رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و مسلماں باقی ؟

اس شعر میں پہلے جواب ندا کے لحاظ سے گبر منادیٰ پہلے اور دوسرے کے لحاظ سے مسلمان منادیٰ پیچھے ہے۔

گفتگو میں حرف ندا بہت کم لاتے ہیں جیسے "شہزادی نے فرمایا محمود! کہو کہاں کہاں کی سیر کی اتنے دن کہاں رہے کب آئے کس کس ملک میں پھرے ہمارے واسطے کیا کیا سوغات لائے۔ محمود نے کہا حضور کیا عرض کروں میرا قصہ بہت دراز اور ماجرائے جانگداز ہے۔ (سروش سخن)

منادیٰ قریب ہو تو بھی اکثر بلا حرف ندا پکارتے ہیں۔

دیکھو ماں اپنے سوتے ہوئے بچے کو جگانے کے لئے پکارتی اور کہتی ہے **ع**

بس اُٹھ بیٹھو بیٹا بہت سوچکے   بہت وقت بیکار تم کھو چکے

نظم میں بھی بسا اوقات حرف ندا کو حذف کر دیتے ہیں۔ **شعر**

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے   الٰہی تو تو رب العالمین ہے

منادیٰ جمع ہو تو اکثر حرف ندا نہیں لاتے۔ جیسے **جرأت**

عزیزو کیا کہوں رونا میں اپنی چشم گریاں کا   نہیں کہتے ہی دریا گر نچوڑوں پاٹ داماں کا

ذوق

سینۂ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں   ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں

مخاطب آنکھ کے سامنے نہ ہو تو بوقت خطاب اُس کا نام لینا یعنی اس کو منادے ٹھیرانا ضرور ہی۔ مگر کبھی خدا کو مخاطب کرتے ہیں تو کلمۂ ندا اور منادے دونوں کو حذف کر دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہی کہ ہر چند خدا آنکھ سے غائب ہی۔ مگر ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔ اس لئے بعض اوقات متکلم ندا کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میر انیس خدا سے خطاب کر کے کہتے ہیں۔ رُباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے ۔۔۔ بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے ؛
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا ۔۔۔ جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے ؛

ندبہ و مندُوب

کسی کو یاد کر کے رونے یا تاسف کرنے کو ندبہ کہتے ہیں۔ اور جس اسم پر حروف ندبہ داخل ہوں وہ مندُوب کہلاتا ہے۔ ندبہ و مندوب ندا و منادے کی طرح جملہ فعلیہ کے قایم مقام ہوتے ہیں۔ جیسے "ہائے زید" وائے نصیب"۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں زید کو روتا ہوں۔ اور نصیب کا افسوس کرتا ہوں۔

کبھی مندُوب مذکور نہیں ہوتا۔ جیسے ذوق

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے ۔۔۔ موت آئی ہی اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

مُبیّن۔ بیان
اور
جملۂ بیانیہ

بسا اوقات کلام میں ایسا لفظ آتا ہے جس کا بیان ایک جملے میں کیا جاتا ہی۔ اُس لفظ کو مُبیّن کہتے ہیں۔ اور اُس جملے کو اُسکا بیان۔ اور چونکہ وہ جملہ بیانِ مُبیّن واقع ہوتا ہی اسلئے اس کو جملہ بیانیہ کہتے ہیں جملہ بیانیہ کبھی فعلیہ ہوتا ہی۔ کبھی اسمیہ اور اس کے شروع میں اکثر ایک کاف آتا ہی جس کو کاف بیانیہ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ کاف فارسی سے لیا گیا ہے۔ مگر اُردو میں اس طرح

آتا ہی - کہ بقول مولوی محمدحسین صاحب آزاد اس کے بغیر کلام بے مزہ ہوجاتا ہی - حالی

زمیں روکھ بن پھول پھل ریت پوبت ۔۔۔ یہ فریاد سب کررہے ہیں بحسرت

کہ کل فخر تھا جن سے اہلِ جہاں کو ۔۔۔ لگا ان سے عیب آج ہندوستان کو

دوسری بیت فریاد کا بیاں ہی۔ مقتول

زندہ کرنے کو تو آتا وہ مسیح ۔۔۔ کی خطا میں نے کہ مرہی نہ رہا

کبھی مُبیّن محذوف ہوتا ہی - جیسے مصرع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

یعنی یہ بات کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں ہوتی آئی ہی -

کبھی بیان مقدم ہوتا ہی - اور مُبیّن موخر - ذوق

تو نے گل کو سر پہ جب رکھا چمن میں توڑکر ۔۔۔ میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے نے یہ مُنہ پھوڑکر

یعنی غنچے نے منہ پھوڑکر یہ کہا کہ میں بھی حاضر ہوں -

مگر یاد رکھو کہ جو جملہ بیانیہ کہنا اور فرمانا اور ارشاد کرنا اور ارشاد فرمانا اور بولنا کے فعلوں کے ساتھ آتا ہی اُس کو مقولہ کہتے ہیں -

جملہ دُعائیہ

وہ جملہ ہی جس میں دُعا پائی جائے - جیسے "خدا تم کو سعادت مند کرے" کرے فعل خدا فاعل - تم مفعول اوّل - کو علامت مفعول - سعادت مند مفعول ثانی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دُعائیہ ہوا - یہ ضرور نہیں کہ جملہ دعائیہ میں دعائے نیک ہو - بلکہ اگر دُعائے بد ہو تو بھی اُس کو جملہ دُعائیہ کہتے ہیں - جیسے آباد

باغ سے اُس نے اُجاڑا آشیانِ عندلیب ۔۔۔ خشک دستِ ظلم ہو یارب کہیں صیاد کا

مصرع ثانی میں صیاد کا دستِ ظلم خشک ہو بد دعا ہی - اور جملہ جملۂ دعائیہ ہے - ترکیب

اجاڑا فعل۔ اُس ضمیر بارز جو صیاد کی طرف پھرتی ہی فاعل۔ نے علامت فاعل۔ آشیاں مضاف۔ عندلیب مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ سے حرف جر باغ مجرور۔ جار و مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا یارب ندا و منادیٰ قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا۔ ہو فعل ناقص دستِ ظلم مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف۔ صیاد مضاف الیہ۔ کا علامت اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر اِسم ہوا خشک خبر۔ کہیں ظرفِ زماں متعلق فعل۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اِسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔ مثنوی گلزار نسیم میں بکاولی بددعا دیتی ہی۔ **بیت**

جس کف میں ہو گل۔ وہ داغ ہو جائے جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

ایک اور شعر سنو۔ اس میں دعا اور بددعا دونوں ہیں اور دونوں جملے دُعائیہ ہیں۔ **ذوق**

رکھے صحت سے ہمیشہ شافیِ مطلق تجھے جو ترے بدخواہ ہیں وہ رنج میں ہوں مبتلا

جملۂ معترضہ

کبھی ایک بات پوری نہیں کرتے کہ بیچ میں ایک اور جملہ بول دیتے ہیں۔ اور وہ ایسا جملہ ہوتا ہی کہ اگر نہ بھی بولیں تو کلام میں خلل نہیں پڑتا۔ ایسے جملے کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔ جیسے زید خدا بہشت نصیب کرے بہت نیک آدمی تھا۔ یہاں خدا بہشت نصیب کرے جملۂ معترضہ ہی۔ **شعر**

قطع اُمید نے دل کر دیے یکسو صد شکر شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

یہاں صد شکر جملۂ معترضہ ہی۔

جملۂ معترضہ اکثر جملے کے دو جزوں کے بیچ میں آتا ہی۔ کبھی آخر میں واقع ہوتا ہی اور اصل میں اُس کی جگہ جملے کے درمیان ہوتی ہی۔ جیسے **مرزا غالب**

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت　　پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

یہاں حضرت سلامت جملہ معترضہ ہے۔ اور اصل میں عبارت یوں ہے کہ اگر کوئی قیامت تک سلامت رہا تو اے حضرت آپ سلامت رہیں یا خدا آپ کو سلامت رکھے ایک روز مرنا ضرور ہے۔

شبہ فعل

شبہ فعل کا ذکر کہیں کہیں پہلے بھی آیا ہے مگر بطور اجمال۔ یہاں کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

جس طرح فعل، فاعل اور مفعول اور متعلقات کو چاہتا ہے اسی طرح کبھی مصدر۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ اسم صفت اور اسم حالیہ بھی فاعل اور مفعول وغیرہ کو چاہتے ہیں اس صورت میں ان کو شبہ فعل یا مشابہ فعل کہتے ہیں۔ کیونکہ فاعل اور مفعول وغیرہ کے چاہنے میں یہ بھی فعل کا حکم رکھتے ہیں۔ سب کی مثالیں سنو۔

مصدر | "بری صحبت میں بیٹھنا نہایت مضر ہے"۔ ہے فعل ناقص۔ بیٹھنا (مصدر) شبہ فعل۔ میں جار۔ صحبت موصوف بری صفت۔ موصوف وصفت مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق شبہ فعل۔ شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر اسم ہوا نہایت مضر خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

اسم فاعل | **مصرع** چین تجھکو بھی نہ ہو ہم کو ستانے والے۔

یعنی اے ہم کو ستانے والے تجھکو بھی چین نہ ہو۔ ستانے والے (اسم فاعل) شبہ فعل ہم مفعول۔ کو علامت مفعول۔

اسم مفعول | "زبان سے نکلی ہوئی بات پر اختیار نہیں رہتا"۔ نہیں رہتا فعل منفی اختیار فاعل پر جار یات موصوف۔ نکلی ہوئی (اسم مفعول) شبہ فعل۔ زبان سے جار مجرور متعلق شبہ فعل۔ شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر صفت۔ صفت موصوف مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ذوق

پھروں کھینچے ہوئے کوسوں میں اپنے زور وحشت سے　　اگر بند ہو جائے میرے دامن کہسار دامن سے

یعنی اگر دامنِ کہسار میرے دامن سے بندھ جائے تو میں اپنے زورِ وحشت سے اُسے کوسوں کھینچے ہوئے پھروں۔ کھینچے ہوئے لفظاً اسم مفعول یعنی شبہ فعل ہی۔ اور " اسے " کھینچے ہوئے کا مفعول ہی۔ ترکیب میں شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال ہی۔

اسم صفت — "زید خالد پر مہربان ہی" یہاں خالد پر جار مجرور مہربان کے متعلق ہی۔

اسم حالیہ — "میں نے زید کو آنسو پونچھتے دیکھا" پونچھتے اسم حالیہ، شبہ فعل ہی۔ اور آنسو اُس کا مفعول۔ اس فقرے کی ترکیب یوں ہی۔ دیکھا فعل۔ میں فاعل نے علامت فاعل زید مفعول ذوالحال کو علامت مفعول۔ پونچھتے شبہ فعل۔ آنسو مفعول شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال۔ حال اور ذوالحال مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

مرکّب جملے

بعض جملے ایسے ہوتے ہیں کہ دو جملوں سے مل کر بنتے ہیں۔ یا دوسرے جملے کو پہلے جملے سے کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ ایسے جملوں کو مرکّب جملے کہتے ہیں۔ ان کی ضروری قسمیں یہ ہیں۔

جملہ معطوفہ یا عاطفہ

جملہ معطوفہ یا عاطفہ وہ جملہ ہے جس میں حرفِ عطف ہو۔ مذکور ہو یا محذوف حرفِ عطف سے پہلے جملے کو معطوف علیہ کہتے ہیں اور پچھلے کو معطوف۔ جیسے زید آیا اور عمرو گیا آیا فعل زید فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ گیا فعل عمرو فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف معطوف علیہ اور معطوف مل کر جملہ معطوفہ یا عاطفہ ہوا۔

فائدہ۔ اگر معطوف علیہ اور معطوف مفرد ہوں اور دونوں کسی اسم کی خبر ہوں تو

فعل ناقص رہتے) مفرد آئے گا۔ جیسے خدا علیم وخبیر ہے۔ اور اگر اسم کا عطف اسم پر یا فاعل کا فاعل پر یا مفعول قائم مقام فاعل کا مفعول قائم مقام فاعل پر ہو تو ان کے ذوی العقول ہونے کی صورت میں خبر اور فعل کو جمع لائیں گے۔ جیسے حامد اور محمود ہیں لڑکے ہیں۔ رام داس اور شام لال آئے۔ زید اور عمرو پالے گئے۔ اور اگر غیر ذوی العقول ہوں تو فعل مفرد آتا ہے۔ مگر فعل اور خبر کی تذکیر و تانیث بہ لحاظ معطوف کے ہوگی۔ جیسے میز پر کاغذ اور قلمدان رکھا ہے قلم اور دوات رکھی ہے۔ تلوار اور نیزہ لیا ہے گاڑی اور یکہ چلا گھوڑا اور سانڈنی چلی روٹی اور سالن کھایا میوہ اور مٹھائی کھائی۔

اور اگر کوئی لفظ جمعیت کی تاکید کے لئے آئے تو فعل۔ اور خبر دونوں کو جمع بولنا ضرور ہے۔ جیسے نیزہ اور تلوار دونوں دیدیئے۔ دوات اور قلم دونوں رکھے ہیں پچھلا فقرہ فعل اور خبر دونوں کی مثال ہو سکتی ہے۔

اور اگر جمعیت میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو تب بھی معطوف کا لحاظ ہوگا۔ جیسے ایک کٹورا اور دو رکابیاں رکھی ہیں۔ سب کچھوے اور کشتیاں بہ گئیں۔

اور اگر عطف بذریعہ حرف تردید کے ہو تو اگر معطوف اور معطوف علیہ مفرد اور مطابق ہوں تو خبر یا فعل مفرد آئے گا۔ جیسے زید یا عمرو آیا تھا۔ نرگس یا سوسن آئی تھی۔ باقی اختلاف کی صورتوں میں وہی حال ہوگا جو بیان ہوا جیسے کوئی عورت یا مرد آیا تھا۔

تنبیہ۔ معطوف علیہ اور معطوف دونوں جملے منفی ہوں اور اس قسم کا کلام ہو کہ نہ زید آیا نہ عمرو یا نہ تو زید آیا نہ عمرو یا نہ تو زید ہی آیا نہ عمرو تو اکثر اہل پنجاب جملۂ معطوفہ میں حرف نفی کے ساتھ لفظ ہی لگا دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔

فائدہ۔ فعل معطوف کلام میں دو طرح سے آتا ہے۔ ایک تو دونوں اجزائے فعل کے مفعول اور متعلقات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں فعل اول کو صرف فعل کہنا چاہئے اور فاعل اور مفعول اور متعلقات کے ساتھ ملا کر جملہ معطوف علیہ۔ کیونکہ ایسے افعال

افعال حقیقت میں دو جداگانہ جملے ہوتے ہیں۔ اور ایسے جملوں میں فعل اوّل کے ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل صادر ہوتا ہے۔ جیسے زید گھر سے کھانا کھاکر مدرسے گیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ زید نے گھر سے کھانا کھایا اور مدرسے گیا۔ ترکیب یوں ہوگی۔ کھاکر فعل زید فاعل کھانا مفعول گھر سے جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ گیا فعل زید فاعل۔ مدرسہ ظرف مکان متعلق فعل فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ مع معطوف جملہ معطوفہ یا عاطفہ ہُوا۔

دوسرے مفعول اور متعلقات جُدا جُدا نہیں ہوتے۔ اس صورت میں فعل کے دو حصّے کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے خالد نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کی ترکیب یوں ہوگی بیٹھ کر کھایا فعل معطوف۔ خالد فاعل نے علامت فاعل کھانا مفعول فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہُوا۔

جملہ شرطیہ

جس میں پہلا جملہ شرط ہو اور دوسرا جزا۔ شرط کے جملے کے آغاز میں شرط کا حرف اور جزا کے جملے کے شروع میں جزا کا حرف آتا ہے۔ جیسے **غالب**

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار   لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

پہلا مصرع شرط ہے اور دوسرا جزا۔ پہلے کے آغاز میں گو حرف شرط موجود ہے اور دوسرے کے شروع میں لیکن حرف جزا۔

ترکیب میں شرط کے جملے کو شرط اور جزا کے جملے کو جزا کہتے ہیں۔ **اوج**

جب تھا ندِ گُل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں   بُلبل پڑی گلچھرّے اُڑاتی ہی تھی اکثر

کبھی شرط کا حرف حذف ہو جاتا ہے۔ **میر حسنؔ**

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائینگے دن   فصلِ گُل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

کبھی حرفِ جزا بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ اس بند کے پہلے مصرع اور تیسرے شعر کو دیکھو ۵

جو سقّے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب — ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب — جو ٹھر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے "خس کم جہاں پاک" سارے

یعنی اگر سقّے نہ ہوں تو سب لوگ جی سے گزر جائیں۔ اور اگر ہمارے شاعر ہجرت کر جائیں تو سب مل کے کہیں کہ "خس کم جہاں پاک"۔ شرط عموماً جزا پر مقدم ہوتی ہے۔ لیکن کبھی جزا کو شرط سے پہلے لاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں حرف جزا واجب الحذف ہوتا ہے بہ استثنائے تب کے جیسا کہ حرف جزا کی بحث میں بیان ہوگا۔ خواجہ حالی کہتے ہیں۔ **شعر**

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو — سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد — یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا

مصرع: برق ہی گرتی اگر بارانِ رحمت مانگتا

شرط اور جزا کے حروف کا مفصل حال حروف کی فصل میں لکھیں گے۔ نہیں۔ نہیں تو۔ ورنہ وگرنہ۔ یہ ایسے الفاظ شرط ہیں جن میں فعل کی نفی پائی جاتی ہے۔ اور کلام ماسبق کے خلاف مطلب ظاہر کرتے ہیں۔ اور چونکہ پورے جملے کے معنے دیتے ہیں۔ اس لئے قائم مقام جملہ شرط ہوتے ہیں۔ جیسے "علم پڑھو ورنہ ذلیل رہو گے"۔

ترکیب۔ پڑھو فعل تم ضمیر مستتر فاعل۔ علم مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ ورنہ (جس کے یہ معنے ہیں "اور اگر علم نہ پڑھو گے") قائم مقام جملہ شرط۔ رہو گے فعل ناقص۔ تم ضمیر مستتر اسم۔ ذلیل خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط کی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ مع معطوف جملۂ عاطفہ ہوا۔ **شعر**

اِک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں　　　ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل

کبھی محاورے میں شرط اور جزا کے حرف مستعمل نہیں ہوتے بلکہ دونوں جملوں کے درمیان اور کا لفظ آتا اور فی الفور کے معنے دیتا ہے۔ جیسے "سنکھیا مہلک چیز ہے۔ کھایا اور ہلاک ہوا" یعنی اگر کوئی سنکھیا کھائے اُسی دم ہلاک ہو جائے۔ کبھی شرط کے مقام پر ماضی مستقبل کا کام دیتی۔ اُستاد اپنے اسکول کے شوخ لڑکے سے کہتا ہے "اگر پھر شوخی و شرارت کی تو پٹو گے"

جملہ مُعَلّلہ

جس میں دوسرا جملہ پہلے کی علت یعنی سبب واقع ہو۔ پہلے جملے کو معلول کہتے ہیں۔ دوسرے کو علت۔ حالی

عجب نہیں کہ رہی نیک و بد میں کچھ نہ تمیز　　　کہ جو بدی ہو وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

کبھی حرفِ علت حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ؎

کرو علم سے اکتساب شرافت　　　نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ

ترکیب۔ کرو فعل تم ضمیر مستتر فاعل۔ اکتساب شرافت بہ ترکیب اضافی مفعول۔ علم سے جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا کیونکہ حرفِ علت محذوف۔ ہے فعل ناقص۔ یہ اسم اشارہ شرافت مشارٌ الیہ۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ مل کر اسم۔ زیادہ خبر۔ نجابت سے جار مجرور متعلق خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہوئی معلول کی۔ معلول اور علت مل کر جملہ مُعَلّلہ ہوا۔

جملۂ ندائیہ

جملہ ندائیہ وہ ہے جس میں ندا اور منادےٰ آئیں۔ اس جملے میں ندا اور منادےٰ کے علاوہ ایک اور جملہ آتا ہے جس کو جوابِ ندا کہتے ہیں (جوابِ ندا اُس بات کو کہتے ہیں جس کے لیے پکاریں) جوابِ ندا کبھی جملہ فعلیہ ہوتا ہے کبھی اسمیہ۔ جیسے اے خدا رحم کر۔

ترکیب۔ اے حرفِ ندا خدا منادے ندا اور منادے مل کر قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا ہوئی۔ کر فعل تو ضمیر مستتر فاعل رحم مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جملۂ اسمیہ کی مثال "اے خدا ہم تیرے فضل و کرم کے اُمیدوار ہیں"

ترکیب۔ اے خدا ندا و منادے قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا۔ ہیں فعل ناقص۔ ہم اسم اُمیدوار مضاف فضل و کرم بہ ترکیب عطفی مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ اُمیدوار مضاف کا۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر خبر فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جملۂ قسمیہ

جس میں قسم اور مقسم بہ ہوں۔ جس طرح جملہ ندائیہ میں ایک جملہ جواب ندا ہوتا ہے اسی طرح جملۂ قسمیہ میں ایک جملہ جوابِ[1] قسم ہوتا ہے۔ جیسے "خدا کی قسم یہ کام میں نے نہیں کیا"

ترکیب۔ قسم کلمۂ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ۔ کی علامتِ اضافت قسم اور مقسم بہ مل کر قسم ہوئی نہیں کیا فعل منفی۔ میں فاعل نے علامتِ فاعل۔ یہ اسم اشارہ۔ کام مشارٌالیہ۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم جواب کے ساتھ مل کر جملہ قسمیہ ہُوا۔

کبھی قسم پورا جملہ ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں جواب قسم کے شروع میں ایک کاف زائد آتا ہے۔ جیسے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے زید کو نہیں مارا۔

ترکیب۔ کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل قسم مضاف۔ خدا مضاف الیہ۔ کی علامت اضافت مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ

[1] وہ بات جس کے لئے قسم کھائیں۔

ہو کر قسم ہوئی۔ کاف زائد۔ نہیں مارا فعل۔ میں فاعل۔ نے علامت فاعل زید مفعول کو علامت مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جواب ہُوا قسم کا۔ قسم اور جواب مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔

جملہ مَندُوبہ

جس میں نُدبہ اور مندوب ہوں۔ یہ جملہ بھی جملہ ندائیہ کی طرح کا ہے۔ اور اس میں ایک جملہ جواب ندبہ ہوتا ہے۔ جیسے ہائے زید تو ہمیں داغ مفارقت کیوں دے گیا۔

ترکیب۔ ہائے حرف ندبہ زید مندوب۔ ندبہ و مندوب مل کر قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندبہ ہوا۔ دے گیا فعل تو فاعل ہمیں مفعولِ اوّل داغ مفارقت بہ ترکیب اضافی مفعول ثانی۔ کیوں حرف استفہام۔ فعل فاعل اور مفعولوں کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندبہ ہوا۔ ندبہ اور جواب مل کر جملہ مندوبہ ہُوا۔

جُملہ تفسیریہ

جملہ تفسیریہ وہ جملہ ہے جس میں دوسرا جملہ بطور بیان جملہ سابقہ واقع ہو یعنی اگر پہلے جملے میں کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دوسرا اُس کی توضیح کر دے۔ پہلے جملے کو جس کا مطلب زیادہ وضاحت و تشریح سے بیان کیا جائے مفسَّر (بفتح سین مُشدّد) کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو تفسیر یا مفسِّر (بکسر سین مشدد) مومن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اس شعر میں دوسرا مصرع پہلے کی تفسیر یا بیان ہے۔ پہلے مصرع سے صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ مخاطب نے کوئی وعدہ کیا تھا جس کو شاعر یاد دلا رہا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ وہ کیا تھا۔ دوسرے مصرع میں کھول کر بیان کر دیا کہ وہ وعدہ نباہ کا تھا۔ تو پہلا مصرع مفسَّر ہے اور دوسرا تفسیر۔ اور دونوں مل کر جملہ تفسیریہ ہے۔

جملہ تشبیہیہ

وہ جملہ ہی جو بطور تشبیہ جملۂ سابقہ مذکور ہو ایسے جملوں میں پہلے جملے کو جملہ مُشبہہ کہتے ہیں

مولوی حالی حکیم محمود خان مرحوم کے مرثیے میں لکھتے ہیں۔ **شعر**

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

مصرع ثانی میں شخص کامل کے مرجانے کو چاند کے چھُپ جانے سے اور کامل تر کے نظر آنے کو سورج کے نکل آنے سے تشبیہ دی ہی۔

ترکیب۔ جب حرف شرط محذوف مرتا تھا فعل کامل فاعل۔ فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ تو حرفِ جزا۔ نظر آتا تھا فعل کامل تر فاعل یاں ظرف زماں متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ مشبہ ہوا۔ جب حرف شرط چھُپ جاتا تھا فعل چاند فاعل یاں ظرف زماں متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط موخر نکل آتا تھا فعل سورج فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزائے مقدم۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ ہو کر جملہ تشبیہیہ ہوا کلامِ ماسبق کا۔

جملہ تمثیلیہ

جو پہلے جملے کی تمثیل واقع ہو۔ پہلے جملے کو مُمَثّل کہتے ہیں۔ **شعر**

دیکھ اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تمثیل واقع ہوتا ہے۔ **شعر**

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

ترکیب - جو کہ موصول - ہے فعل ناقص - وہ ضمیر مستتر (جو موصول کی طرف پھرتی ہی) اسم ظالم خبر - فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا - وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی - مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ممثل ہوا۔ دیکھا ہی فعل کسی نے فاعل محذوف - کھیت شمشیر کا بہ ترکیب اضافی ذوالحال سبز ہوتے حال کہیں ظرف متعلق حال - ذوالحال اور حال مل کر مفعول - فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ تمثیلیہ ہوا کلام ماسبق کا -

جملۂ مدلّلہ

جس میں دوسرا جملہ بطور دلیل جملۂ اول ہو - پہلے جملے کا نام مُدلّل ہے -

مقتول

سربلندی ہی جہاں میں خاکساروں کو نصیب
بیشتر دیکھا ہی اُڑتے خاک کو افلاک میں

ذوق

جہاں میں عرصہ عشرت سے سوا دہ چند ہی غم کا
اگر ہو عید کا اک دن تو عشرہ ہی محرم کا

ان دونوں شعروں میں دوسرے مصرع پہلے مصرعوں کی دلیل ہیں - کبھی دلیل کا لفظ ظاہر لاتے ہیں - جیسے ناسخ

ازل سے جو کہ ہیں باہم جُدا ہوتے ہیں دنیا میں
دلیل اس پر جُدا ہونا ہی یاں طفلانِ توام کا

جملۂ مستانفہ

بعض اہلِ قواعد جملۂ مستانفہ کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ جب کسی پہلے جملے سے کوئی سوال پیدا ہوا اور دوسرا جملہ اُس کا جواب ہو تو دوسرا جملہ جملہ مستانفہ ہی - مگر اس تعریف سے یہ مشکل پیش آتی ہی کہ ہر جگہ جملہ مستانفہ میں سوال وجواب پیدا کرنا پڑتا ہی - اور بہت سے

ایسے مقام ہیں جہاں سوال اور جواب پیدا ہو نہیں سکتے۔ اور پیدا ہوتے ہیں تو نہایت تکلف سے اس لیے ہم ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے ایسی دقّت پیش نہ آئے۔

جملۂ مستانفہ وہ جملہ ہے جس کو جملۂ سابقہ سے معنًے تو ربط ہو اور لفظاً کچھ تعلق نہ ہو جیسے **شعر**

پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں ۔ جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوسرا مصرع جملۂ مستانفہ ہے۔

ترکیب۔ اے نخلِ وفا۔ ندا و منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا ہے فعل ناقص محذوف نہیں کلمہ نفی۔ پھل اسم۔ کچھ حرفِ تنکیر۔ موجود خبر محذوف۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔ جو اسم موصول لگائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر جو پھرتی ہے موصول کی طرف فاعل۔ تجھے مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلے کے ساتھ مل کر مبتدا۔ پچھتائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر فاعل۔ فعل اور فاعل جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ مستانفہ ہوا۔ **حالی**

دولت نے کہا۔ مجھ سے ہے عزت ہے جہاں ۔ فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں

عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں ۔ میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

پچھلے تینوں مصرع جملہ ہائے مستانفہ ہیں۔

استیناف کے معنے جدا ہونے کے ہیں۔ چونکہ جملۂ مستانفہ پہلے جملے سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس کو مستانفہ کہتے ہیں۔

موصول اور صلہ

موصول اور صلے کا بیان جملۂ اسمیہ کی فصل میں ہونا چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ موصول و صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں اور ان کے بعد کا جملہ ہوتا ہے مگر چونکہ صلہ اور خبر

جملہ فعلیہ بھی ہوتا ہی اور ترکیب بیان کرنے کے لئے جملہ فعلیہ کا بیان پہلے ضرور تھا اس لئے اس کے بیان کو موخر کر دیا گیا۔

جو جو جو۔ جو کہ۔ وہ جو۔ وہ کہ۔ جو کوئی۔ جونسا۔ جس کو۔ جس جس کو۔ جن کو۔ جن جن کو جسے۔ جنھیں۔ جس نے۔ جس جس نے۔ جنھوں نے۔ جو شخص۔ جو جو شخص۔ جو چیز۔ جو جو چیز۔ جونسی چیز۔ جون جون سی چیز۔ جو کچھ۔ جو کچھ بھی۔ جہاں[۱]۔ جہاں جہاں۔ جب۔ جب جب۔ جس وقت۔ جس دم۔ جوں جوں۔ جدھر۔ جیسا۔ جیسا جیسا۔ جیسے۔ جیسے جیسے۔ جیسی۔ جیسی جیسی۔ جتنا۔ جتنے۔ جتنی۔ یہ سب اسمائے موصولہ ہیں۔ اور چونکہ اسمائے موصولہ کے ضمن میں شرط کے معنے بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بعض اسما کی خبر میں جزا کا حرف بھی آتا ہے۔ مثلاً جیسا کے مقابل ویسا۔ جہاں کے مقابل وہاں۔ جدھر کے مقابل اُدھر۔ جتنا کے مقابل اُتنا۔ **ذوق**

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے ‏ ‏ ‏ ہی یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

"جیسا کرنا ویسا بھرنا"۔ **مصرع** جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔

"جتنا گڑ ڈالوگے اُتنا میٹھا ہوگا"۔ **مصرع** جہاں دیکھا وہاں تجھکو ہی پایا۔

پہلے جونا کے مقابل دونا اور جوں جوں کے مقابل دوں دوں بولتے تھے۔ اب متروک ہی۔ لیکن جوں جوں کے مقابل توں توں اب بھی بولتے ہیں مگر کم۔ جو کے مقابل سو بھی بولتے ہیں۔ جیسے **آزاد**

قسمت میں جو لکھا ہی سو دیکھا ہے اب تلک ‏ ‏ ‏ اور آگے دیکھیے ابھی کیا کیا ہیں دیکھنے

حالی

نتھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں ‏ ‏ ‏ چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

---

[۱] جہاں۔ جہاں جہاں۔ جب۔ جب جب۔ جوں جوں حروف شرط بھی ہیں۔ اور ہم ان کو فصل حروف یعنی حروف شرط میں بھی لکھیں گے۔

ترکیب - جو اسم موصول - نتھرتے ہیں فعل - وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل یاں ظرف متعلق فعل - فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا - موصول وصلہ مل کر مبتدا - گدلاتے ہیں فعل - وہ فاعل - بھی حرف تاکید - فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر - مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا - اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب ہے - شعر

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے　　جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

ترکیب - جو کچھ کہ اسم موصول - ہوا فعل - وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا - ہوا فعل وہ ضمیر مستتر فاعل سے حرف جر کرم مضاف - تیرے مضاف الیہ - مضاف ومضاف الیہ مل کر مجرور - جار مجرور متعلق فعل - فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی - مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا - اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب کرو - حالی

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم　　ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار　　بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

محذوفات ومقدرات

کبھی نظم یا نثر میں کوئی جملہ یا لفظ حذف کر دیتے ہیں - اور اس سے کلام میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا - بلکہ ایک طرح کا لطف پیدا ہو جاتا ہے - جیسے - فغاں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے　　کیا اڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے "کیونکہ جانتا ہے کہ میں بے بال و پر ہوں اور"

ایک خیال بند شاعر کہتا ہے - شعر

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

پہلے مصرع میں فاعل محذوف ہے۔ دوسرے میں فعل۔ اصل یوں ہے کہ اُنھوں نے ہمارا نام زمیں پر لکھ کر مٹا دیا۔ اُن کا تو یہ کھیل ہوا۔ لیکن ہم کو خاک میں ملا دیا۔ **ذوق**

یاں کچھ اسباب کے ہم بندے ہی محتاج نہیں نہ زباں ہو تو کہاں نامِ خدا پیدا ہو

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے "بلکہ خدا کو بھی اسباب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر" **شعر**

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب کہا زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے

اصل میں یوں ہے کہ میں نے جو اپنے دوست سے کہا کہ احباب وفا کرتے آئے ہیں تو تم کو بھی وفا کرنی ضرور ہے تو اُنھوں نے کہا کہ زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے۔

فصل حروف

حرف کی تعریف پہلے گزر چکی کہ وہ اکیلا کچھ معنے نہیں دیتا مگر حقیقت میں وہ بڑے کام اور بڑے فائدے کی چیز ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حرف کے بغیر اسم اور فعل دونوں بیکار ہیں یہ نہ ہو تو کلام بے لطف بلکہ بے معنی ہو جائے۔

اُردو میں حروفِ مفرد بامعنی نہیں ہوتے اس لئے وہ قابل ذکر نہیں ہیں۔ کاف جو بیان وغیرہ کے لیے آتا ہے وہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ ایسا ہی واو۔ نون البتہ نفی کے لئے آتا ہے۔ سوا ان حروف کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

جر کے حرف

وہ حرف جو اسم کو فعل یا مشابہ فعل سے ملاتے ہیں۔ سے۔ کا۔ تک۔ تلک۔ اوپر پر پہ میں بیچ اندر درمیان ساتھ سمیت واسطے لیے کو (بمعنی واسطے) بے بِن جز بجز بغیر سوا بدون جوں طرح مانند علاوہ کے

سے ابتدا کے لئے آتا ہے۔ جیسے صبح سے شام تک۔ دلّی سے کلکتے تک۔

(۲) تبعیض کے لئے۔ جیسے زید شریف قوم میں سے ہے۔

(۳) سببیت کے لئے۔ مقبول

لاغری سے نہیں میرا کوئی جز نام نشاں
مثل عنقا دہن خلق میں افسانہ ہوں

(۴) استعانت کے لئے۔ جیسے تلوار سے ملک فتح کیا[1]۔ چاقو سے قلم بنایا۔

(۵) تعدیہ کے لیے۔ جیسے میں نے حامد سے کتاب لکھوائی۔

(۶) بجائے علامت مفعول (کو)۔ جیسے میں نے زید سے کہا۔ یا خالد سے پوچھا۔

(۷) ساتھ کے معنوں میں۔ جیسے روٹی سالن سے کھائی۔ حامد نے محمود سے بہت اچھا سلوک کیا

(۸) بیان کے لئے جیسے احمد کو کھانے پینے سے۔ کپڑے سے کچھ کمی نہیں۔

(۹) تفضیل کے لئے۔ جیسے زید خالد سے عالم ہے۔

(۱۰) انتزاع و استبعاد یعنی علٰحدگی اور دُوری کے لئے۔ جیسے ع

تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

کبھی سے اور تک دو متضاد چیزوں پر آتے اور شمول کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے عالم سے لے کر جاہل تک اور بادشاہ سے لے کر فقیر تک۔ کا تبعیضیت کے لئے۔ جیسے یہ بھی انھیں میں کا ہے یعنی انھیں میں سے ہے۔

تک۔ تلک۔ انتہا کے لئے۔ جیسے بارہ بجے سے دو بجے تک۔ لاہور سے پشاور تک۔ مصرع کہتے ہیں سب کہ تم نہیں بچنے کے شب تلک۔

کبھی بجائے علامتِ مفعول۔ جیسے شیفتہ

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

تلک نثر میں نہیں آتا صرف نظم میں آتا ہے۔

[1] پہلے زمانے میں ایسے فقرے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوتے تھے۔ کیونکہ اگلے بادشاہ تلوار کے زور سے ملک فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن زمانۂ حال میں مجاز ہو گئے ہیں۔ کیونکہ توپ اور بندوق نے تلوار کو بیکار کر دیا ہے۔ آجکل کے محاربات میں صرف توپ اور بندوق سے کام لیا جاتا ہے۔ تلوار برائے نام ایک ہتھیار رہ گیا ہے۔

اوپر۔ پر۔ پہ[1] بلندی کے معنوں میں آتے ہیں۔ عام اِس سے کہ حقیقی ہو یا مجازی۔ جیسے حامد بالاخانے کے اوپر ہے۔ ع۔

لوٹا کیا میں کانٹوں کے اوپر تمام رات

زید گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کے ہم پر بے شمار احسان ہیں۔

میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان ظرفیت کے لئے آتے ہیں۔ جیسے مسجد میں۔ گھر کے بیچ۔ مکان کے اندر۔ کمرے کے درمیان۔ **سودا**

کٹتی ہے عمر تاسف ہی میں اس بزم کے بیچ — تو ہے انگشت کہ جس کو بدہاں رکھتی ہے شمع

ساتھ اور سمیت معیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے **ذوق**

ساتھ تیرے ہم بھی جوں سایہ مقرر جائینگے — آگے جائیں پیچھے جائیں جائیں گے پر جائینگے

مؤلّف

قاصد کو خط سمیت کیا پُرزے پُرزے ہائے — کیا جانے لکھ دیا اُسے کیا اضطراب میں

(واسطے) **مرزا اسد اللہ خان غالب**

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے — آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

(لئے) **شعر**

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے — عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے

(کو) **ذوق**

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو — آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

اوپر۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ حقیقت میں اسم ظرف ہیں۔ اور علامات اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ بیچ سے جب وسط حقیقی مراد ہو تو بیچوں بیچ کہتے ہیں۔

---

[1] پر کا مخفف ہے۔ ر حذف کر کے اظہار حرکت کے لئے ہائے مختفی بڑھا دی گئی ہے۔ اور بولنے میں بہ کسرے سے آتا ہے۔

واسطے اور لئے بھی اضافت سے کے ساتھ مستعمل ہیں۔ لئے ہمیشہ مجرور سے موخر آتا ہے۔

(بے) **شعر**

آبیاری ابر رحمت نے نہ کی اب کے برس | مزرعِ اُمید اپنی خشک بے پانی ہوئی

(بن) **بیت**

حوادث سے بن گزارا نہیں یاں | بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

(جز) **شعر**

مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا | جوں خطِ سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

(بغیر) **شعر**

تقدیر کے سوا نہیں ملتا کسی سے بھی | دلواتا اے ظفر ہے مقدر کہے بغیر

(جوں) **ذوق**

تجھ سو دیکھا سب کو اور تجھکو نہ دیکھا جوں نگاہ | تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

(طرح) **مومن**

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں | کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

(مانند) طرح کے معنوں میں آتا ہے۔

علاوہ شمول اور شرکت کیلئے بھی آتا ہے اور علٰحدگی کیلئے بھی۔ جیسے "زید کے علاوہ خالد بھی تھا" یعنی زید بھی تھا اور خالد بھی تھا۔ "علاوہ اس کے ایک اور بات ہے" "اس کتاب کی قیمت محصول کے علاوہ ڈیڑھ روپیہ ہے" یہاں پر ایک مزے دار حکایت بھی سُن لو۔

حکایت - ایک گدھا اور بن مانس دونوں آپس میں خدا کی ناشکری کا تذکرہ کرتے تھے گدھے کو یہ شکایت تھی کہ ہائے میرے سر پر سینگ نہیں۔ بن مانس کو یہ گلہ تھا کہ افسوس میں دُم سے محروم ہوں۔ چھچھوندر یہ باتیں سُن کر بولی۔ چُپ رہو کمبختو کفر مت بکو۔ مجھکو دیکھو کہ

میں سینگ اور دُم کے علاوہ آنکھ سے بھی نصیب ہوں (منتخب الحکایات)

(کے) جیسے "یہ اس کے متعلق ہی" یعنی اس سے متعلق ہی۔

کبھی کے پر کا کام دیتا ہی۔ جیسے۔ **مصرع**

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

یعنی کسی پر آن لگی

کبھی ایک لفظ جار و مجرور دونوں کا کام دیتا ہی لفظاً یا معنےً۔ جیسے **شعر**

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

یعنی جب مجھ میں طاقت سخن نہ رہی۔ **مصرع**

گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

یعنی غم کے سبب سے۔ یہاں مارے کا لفظ معنےً جار و مجرور ہے۔ **رُباعی**

ان آنکھوں سے رُوئے لالہ گوں بھی دیکھا
اوران کو بیراز سر شکِ خوں بھی دیکھا
کیا کیا دیکھا نہ رنگ ہم نے اے **ذوق**
یوں بھی دیکھا زمانہ دوں بھی دیکھا

یوں اور دوں اس طرح سے اور اُس طرح سے۔

بعض اوقات حرف جر دو دو ہوتے ہیں اور مجرور ایک جیسے "وہ ہم میں سے نہیں"۔ "زید گھوڑے پر سے گر پڑا"۔ میں سے اور پر سے دو دو حرف جر ہیں۔ اور ہم اور گھوڑے ایک ایک مجرور۔

کبھی حرف جر کی جگہ نفس کلمے میں وَن زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے "بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا"۔ **خواجہ میر درد۔**

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے

کبھی حرف جر حذف ہو جاتا ہی۔ **شعر**

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خونِ تمنّا ہو گیا

یعنی مفت میں۔

مسدس حالی

لگاتے ہیں غوطہ اُچھلنے کی خاطر
نگلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر
وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر

یعنی خاطر سے ۵

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
لائی حیات آئے قضا لیچلی چلے

یعنی نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے۔

فائدہ۔ کہیں بیان ہو چکا ہے کہ حرف نہ مسند الیہ ہوتا ہے نہ مسند۔ مگر اس قسم کے جملوں میں کہ تے حرف جر ہے۔ تم کہو گے کہ یہاں تے مسند الیہ ہو گیا۔ لیکن اس کا جواب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ یہاں تے نے معنوں کے لحاظ سے کچھ کام نہیں دیا۔ بلکہ تے سے مراد تے کا لفظ ہے۔ اور تے بتاویل لفظ مسند الیہ۔ اور اس تاویل سے تمام حروف مسند الیہ ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی حروفِ جر فارسی یا اُردو الفاظ پر نہیں آسکتے بعض لوگ "فی زمانہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس زمانے میں۔ اول تو یہ ترکیب ہی غلط ہے دوسرے ان معنوں میں غلط در غلط۔ عربی میں ایسے موقع پر کہتے ہیں فی زمانناہذا۔ یعنی ہمارے اس زمانے میں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ لفظ اسی طرح بولا جائے۔ لیکن اگر ہذا کا لفظ حذف بھی کر دیا جائے تو فی زماننا بولنے میں بھی چنداں قباحت نہیں۔ مگر فی زمانہ بولنا لفظاً و معنےً دونوں طرح غلط ہے۔ اور کسی صورت میں صحیح نہیں۔

عطف کے حرف

جو دو کلموں یا دو جملوں کو باہم ملائیں یا ایک حکم میں شامل کریں۔ اور وہ پھر کر کے۔ اور اور و صرف وصل کلمات کے لئے آتے ہیں جیسے "زید اور عمر و آئے"۔

یہاں اَور کے لفظ نے عمرو کو زید کے ساتھ ملا دیا۔ حامد شب و روز پڑھتا رہتا ہے۔
یہاں وَ نے روز کو شب کے ساتھ ملا دیا۔

وَ اُردو کے دو لفظوں کو کبھی نہیں ملاتا۔ البتہ نظم میں کبھی دو جملوں کے درمیان آجاتا ہے۔ جیسے **فرد**

عزیزو مستِ سخن ہو وَ یا کہ سوتے ہو　　اُٹھو اُٹھو کہ بس اب سر پہ آفتاب آیا

پھر میں ترتیب بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے زید آیا پھر عمرو آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید پہلے آیا۔ عمرو اُس کے بعد۔

زید کھانا کھا کر یا کھا کے مدرسے گیا۔ یعنی کھانا کھایا اور مدرسے گیا۔

فائدہ۔ کبھی ہونا کے بعض مشتقات بھی حرفِ عطف کا کام دیتے ہیں۔ جیسے مولوی نذیر احمد اپنی ایک اسپیچ کے شروع میں کہتے ہیں "لکچرار ہوئے۔ پبلک سپیکر ہوئے۔ مرثیہ خواں ہوئے۔ قوّال ہوئے۔ گویّے ہوئے۔ ہیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے۔ ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہے کہ لکچر یا سپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے اوبدا کر عذر کیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلہ کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہے یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی دیر تک جاگنا پڑا۔ بدخوابی کے سبب دردِ سر ہے یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا سپیچ کے لئے تیار ہو کر نہیں آیا۔"

فائدہ۔ جس طرح اور کا لفظ دو چیزوں کو ایک حکم میں شامل کرتا اور دو لفظوں کو ایک معنوں میں ملاتا ہے اسی طرح کبھی محاورے میں ان کو جُدا بھی کرتا ہے۔ جیسے **غالب**

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب　　مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

یعنی تو ہو اور جوابِ خط ہو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقع پر اور کا لفظ فعل منفی کے معنے پیدا کرتا ہے "تو اور پاسخ مکتوب" کے معنے ہیں کہ تو پاسخ مکتوب نہیں لکھے گا۔ رُباعی

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ　　تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ

میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ   لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ

یعنی میں یزید گمراہ کی اطاعت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔

اضراب کے حرف

کبھی ایک بات سے ترقی دے کر اسفل کو اعلیٰ یا اعلیٰ کو اسفل بناتے ہیں۔ اور ایسے مقام میں دو جملے استعمال کرتے اور دونوں کے بیچ میں بلکہ لگاتے ہیں۔ اس کا نام حرف اضطراب ہے جیسے "زید آدمی نہیں بلکہ فرشتہ ہے" "یا عمرو انسان نہیں بلکہ حیوان ہے" پہلی مثال میں اسفل کو اعلیٰ اور دوسری میں اعلیٰ کو اسفل بنایا گیا ہے۔

کبھی ایک چیز کی نفی کر کے دوسری کا نام لیتے ہیں۔ جیسے یہ لکڑی نہیں بلکہ پتھر ہے۔ یا بالعکس کبھی ترقی دے کر دوسری صفت یا چیز کو شامل کرتے ہیں۔ جیسے زید عالم ہی نہیں بلکہ عابد بھی ہے۔ یا مثلاً زید آیا ہے بلکہ عمرو بھی۔ ذوق کی شوخی دیکھو کہتا ہے ؎

وہ نہیں ہم کہ کریں خون کا دعویٰ تجھ سے   بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے

ظفر

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر   ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

نظم میں بلکہ کی جگہ کہ بھی مستعمل ہے۔ مدوجزرِ اسلام

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا   کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا

اسی مسدس کا ایک پورا بند بھی سنو۔

سب ایسے تن آسان و بیکار و کاہل   تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل

نہیں ان سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل   نہیں ان کی صحبت کہ ہے سم قاتل

یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت

یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

بلکہ یا کہ جن دو جملوں کے بیچ میں آتے ہیں وہ معطوف علیہ اور معطوف ہوتے ہیں۔

تردید کے حرف

جو رد کرنے کے مقام پر بولے جاتے ہیں

یا یا تو خواہ چاہو کہ

یا اکثر دو چیزوں کے اجتماع کو روکنے اور دو میں سے ایک تعین کے لئے آتا ہی۔ جیسے زید تندرست ہی یا بیمار۔ وہ نیک ہی یا بد۔ یہ لو یا یہ لو۔ کبھی دو کے حصر کے لئے آتا ہی۔ جیسے میں ہوں یا خدا۔ یعنی میں اور خدا دونوں ہیں تیسرا کوئی نہیں۔ شک کے مقام پر بھی آتا ہی۔ جیسے۔ شعر

آتا ہی تو آجا کہ کوئی دم کی ہی فرصت ــ پھر دیکھئے آتا بھی ہے دم یا نہیں آتا

یا تو کو خواہ ایک لفظ سمجھو۔ یا یا پر تو زائد۔ ذوق کہتے ہیں۔ فرد

یا تو پاسِ دوستی تجھکو بُتِ بیباک ہو ــ یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو

خواہ دو جملوں پر آتا ہی خواہ دوسرے میں خواہ ہو یا یا۔ لیکن ان کے بعد ایک اور جملہ بطور نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے خواہ مانو خواہ نہ مانو (یا خواہ قبول کرو یا نہ کرو) ہم سمجھائیں گے ضرور۔ خواہ مساوات کے لئے بھی آتا ہی۔ جیسے خواہ یہ لو خواہ وہ لو۔

چاہو کا حال خواہ کا سا ہی۔ "چاہو یہ لو چاہو یہ"۔

کہ اکثر نظم میں آتا ہی۔ مرزا رفیع سودا

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ ــ تیرے رہنے کا معین بھی مکاں ہی کہ نہیں

یک بیک ہو کے برآشفتہ نگاوہ کہنے ــ کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی میاں ہی کہ نہیں

غالب

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں ــ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نواب صفدر علی خاں صفدر

گلزارِ جہاں کا کیا تماشا دیکھوں
اشکِ شبنم کہ گل کا ہنسنا دیکھوں
مثلِ گلِ رعنا ہیں نظر میں شب و روز
دو روزکی ہے بہار کیا کیا دیکھوں

جن جملوں میں حرفِ تردید آتے ہیں ان میں سے پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے پچھلا معطوف
حرفِ تردید حذف بھی ہو جاتے ہیں۔ **بیت**

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو
اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

استدراک کے حرف

جب پہلے جملے میں کسی طرح کا شبہہ واقع ہو تو دوسرے جملے پر جن الفاظ کو لاکر اُس شبہے کو دُور کرتے ہیں۔ وہ حرفِ استدراک ہیں۔

مگر مگرہاں پر پہ لیکن ولے لیک ولیک اِلا سو البتہ۔ حالی

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں
اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا
تو ہوگا گم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دُنیا
کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خِسّت اُڑانے میں اُس کے
بہت ہم سخی ہیں لُٹانے میں اُس کے

شعر

نجانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

حالی

ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی
سمجھ ہم کو آئی یہ ناوقت آئی

غالب

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

ولیکن حقیقت میں لیکن مع واوِ عطف ہے۔ مگر فارسی اور اُردو میں ایک کلمہ ہو کر مستعمل ہے اور صرف نظم میں آتا ہے۔ شعر

ہے انساں صانع قدرت کا اک صندوقِ سربستہ — ولیکن یہ نہیں کھلتا کہ اس میں بولتا کیا ہے

میر

دل میں کتنے مسودے تھے ولے — ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا

حالی

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں — ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں

ایک تارک الدنیا کہتا ہے ؎

اُٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں — کہ با فراغ کروں کنج عافیت میں نشست

"نا اُمیدیاں تو اُسے بہت پیش آئیں الّا وہ اپنے ارادے میں ثابت قدم رہا" شعر

جز ترے کوئی رہے گا نہ خدایا باقی — جو ہے فانی ہے۔ تری ذات ہے الّا باقی

غالب

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے — ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

"میں نے یوں نہیں کہا البتہ یوں کہا تھا"

محاورے میں کبھی اَور بھی حرف استدراک کا کام دیتا ہے۔ جیسے شعر

قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دیگر — اَور یہاں حسن شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

استثنا کے حرف

جو الفاظ ایک چیز کو دوسری چیز سے علیحدہ کریں وہ حروفِ استثنا ہیں۔ سوا بجز بجز

"حامد کے سوا سب آ گئے"۔

جز فارسی لفظ ہے اور نظم سے مخصوص ہے۔ **شعر**

کس سے فریاد ان بتوں کی کروں — جز خدا کون سننے والا ہے

سعادت مند ہو کر جی کہ بعد از مرگ عالم میں — ہما کے بال کا مصرف بجز افسر نہیں دیکھا

استثنا کی قسمیں استثنا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ایک جنس سے ہوں جیسے "زید کے سوا سب لوگ آ گئے"۔ اس مثال میں زید مستثنیٰ ہے۔ اور لوگ مستثنیٰ منہ۔ اور دونوں ہم جنس یعنی انسان ہیں۔ اس قسم کے استثنا کو استثنائے متصل اور مستثنیٰ کو مستثنائے متصل کہتے ہیں۔

دوسرے کہ یہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس میں مغائرت ہو۔ جیسے "شیطان کے سوا فرشتوں نے آدم کی تعظیم کی"۔ اس مثال میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے نہیں ہے کیوں کہ اہلِ کتاب کے عقیدے کے مطابق فرشتوں کی پیدایش نور سے ہے اور شیطان کی نار (یعنی آگ) سے ایسے استثنا کو استثنائے منقطع اور مستثنیٰ کو مستثنائے منقطع کہتے ہیں۔

بعض اوقات کسی کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ تو مستثنیٰ شخص ہے یعنی برگزیدہ و ممتاز ہے۔ ذیل کی حکایت میں دیکھو کہ مستثنیٰ کے لفظ سے کیوں کر مدح اور منقطع کے لفظ سے کیوں کر ہجو کی گئی ہے۔

حکایت۔ آبِ حیات میں شاہ آبرو[1] کے حال میں لکھا ہے کہ "خدمتگار خاں بادشاہی خواجہ سرا تھا۔ اور سرکار شاہی میں بڑا صاحب اختیار تھا۔ اکثر بادشاہی نوکر اُس کی سخت گیری اور بدمزاجی سے دق رہتے تھے انھیں بھی اُس سے کام پڑتا تھا۔ کبھی آسانی سے مطلب نکل آتا تھا۔ کبھی دشواری سے چنانچہ ایک موقع پر یہ شعر کہا ؎

---

[1] یہ عہد قدیم کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔

یار و خدمتگار خاں خواجوں کے بیچ ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

اس شعر میں لفظ مستثنیٰ تک تو خاصی تعریف ہے لیکن "ولیکن منقطع" کے کہنے سے کمال مذمت ہو گئی۔ کیوں کہ اس کے یہ معنی ہو گئے کہ خدمتگار خاں خواجوں کی جنس یعنی انسانوں میں سے ہی نہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ شاہ صاحب نے اس کو جنس انسان سے خارج کر کے اپنے ذہن میں ایک دوسری جنس کی تعیین کر دی ہو اور یہ مُراد رکھی ہو کہ خدمتگار خاں آدمی نہیں گدھا ہے۔

اضافت کے حرف

جن سے دو کلموں میں لگاؤ پایا جائے۔

کا کے کی۔ ان کا مفصل بیان مضاف و مضاف الیہ کی بحث میں دیکھو۔ ہمارے نزدیک ان کو حروف اضافت کی جگہ علامات اضافت کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جس طرح را رے۔ ری۔ اور نا۔ نے۔ نی۔ اضافت کی علامتیں ہیں اسی طرح یہ ہیں اور معلوم ہے کہ حرف ہمیشہ ایک جداگانہ لفظ ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ سے علیحدہ نہیں ہوتیں۔

نفی کے حرف

نونِ مفتوح جو ہائے مختفی کے ساتھ مل کر نہ ہو جاتا ہے۔ نے نہیں مت الفِ مفتوح اَن۔ نونِ مکسور۔ کافِ مضموم۔ بائے موحدہ مفتوح۔ پر بے نا حاشا و کلا

نے فارسی لفظ ہے۔ اردو میں صرف نظم میں آتا ہے۔ اور جس جملے میں یہ آتا ہے۔ اُس کے ساتھ ہمیشہ ایک اور جملہ ہوتا ہے جس میں نہ حرف نفی آتا ہے۔ شعر

نے تیر کماں میں ہے نہ صیّاد کمیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

زید نے کچھ نہیں کہا۔ خدا کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ موت کا وقت اٹل ہے۔ وہ اَن پڑھ

ہو۔ بڑا ہی نڈر شخص ہے۔ نہتا کیا کر سکتا ہے۔ کڈھب بات ہو۔ زید بدیسی ہے بیچارہ پردیس میں ہو۔ وہ بے علم اور نالایق ہے۔ حاشا وکلا میں نفی کی تاکید ہوتی ہو جیسے کیا خالد مکرو فریب سے کام لیتا ہو۔ حاشا وکلا (یعنی ہرگز نہیں ہرگز نہیں) بے اور نا دونوں فارسی لفظ ہیں۔ اور ان میں فرق یہ ہے کہ بے اسم ذات اور مصدر پر آتا ہے اور نا اسم صفت پر جیسے بے تاب۔ بے صبر۔ بے ہوش۔ بے پناہ۔ بے کس۔ بیوقوف۔ بے تمیز۔ بے قرار۔ بے چین۔ بے کل۔ نامناسب۔ ناقابل۔ نامنصف۔ نالائق مگر کبھی نا بھی مصدر وغیرہ پر آجاتا ہے۔ جیسے نافہم۔ ناامید۔ غالب

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف | آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

بے دوسرے لفظ پر آکر اسم صفت کے معنی پیدا کرتا ہو اور نا جب بے کی جگہ مستعمل ہوتا ہو تو وہ بھی یہی معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہو۔

اُردو الفاظ پر بھی بے آجاتا ہے۔ جیسے بے سمجھ۔ بے جوڑ۔

کبھی ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ تو جس پر ترجیح دیتے ہیں اُس کے ساتھ نہ استعمال کرتے ہیں۔ مثل ہو "گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری" یعنی گھر کی آدھی روٹی باہر کی ساری روٹی سے بہتر ہو۔

کبھی نہ کے پہلے اور کا لفظ بڑھا دیتے ہیں خواجہ الطاف حسین حالی مدوجزر اسلام میں زمانۂ حال کے واعظوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم | رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم | تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم

بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت
تمھارے گناہ اور نہ اوروں کی طاعت

یعنی تمھارے گناہ اَوروں کی طاعت سے بڑھکر ہیں۔

دو چیزوں کی نفی مقصود ہوتی ہے تو بسا اوقات نہ حرفِ نفی دوسرے لفظ پر لاکر پہلے کی بھی نفی کردیتے ہیں۔ جیسے **بیت**

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا　　　نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

یعنی نہ کھانا حلال ہے نہ پینا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ کھانا تو حلال ہے لیکن پینا حلال نہیں **بیت**

پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی　　　جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

یعنی نہ پہننے کو کپڑا ہے نہ کھانے کو روٹی۔

کبھی نہ کلام میں زائد آتا ہے اور نہایت فصیح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت　　　دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

غالب

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

کبھی تھوڑا ہی بھی نفی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے کوئی ایسا تھوڑا ہی کرتا ہے یعنی نہیں کرتا۔

کبھی کیا بھی حرف نفی کا کام دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

صحبتِ گل ہی فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی　　　آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی

یعنی فقط صحبت گل ہی بلبل سے بگڑی ہوئی نہیں۔

کبھی کم بھی نفی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **مومن**

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں　　　اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

یعنی بیدار نہ ہوا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا سا تو بیدار ہوا اور بہت سا سوتا رہا۔ **شہیدی**

آب صاف نہر سے لیتے ہیں کام اپنا نکال

کم مروج ہے جوانانِ چمن میں آئینہ

یعنی جوانانِ چمن میں آئینہ دیکھنے کا دستور نہیں۔

حرفِ بیان

کہ۔ یہ وہی کاف بیانیہ ہے جس کا حال مبین اور بیان میں مذکور ہُوا۔

یہ کاف سرِ جملہ آتا ہے اور بے اس کے کلام پھیکا سا ہوتا ہے۔

بعض اوقات لفظ یعنی بھی حرف بیان کا کام دیتا ہے۔ جیسے مقتول

نیاز و ناز کے معنی یہ ہیں یعنی وہ ہنس ہنس کر   جفا کرتے رہے اور ہم بامیدِ وفا روئے

عِلّت کے حرف

وہ حرف جو کسی امر کا سبب ظاہر کریں۔

کیوں کہ اس لئے کہ اس واسطے کہ کہ تا کہ کہ تا تا۔

علم حاصل کرو کیوں کہ (یا "اس لئے کہ" یا "اس واسطے کہ") علم ہی فلاح دارین کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ بیت

کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے   مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے

"زید خوب محنت کرتا ہے تاکہ امتحان میں کامیاب ہو"۔ ذوق

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے   کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

غالب

لکھتا ہوں اسد سوزشِ دل سے سخن گرم   تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

جن جملوں پر حروف علت واقع ہوتے ہیں وہ علت کہلاتے ہیں اور پہلے جملے معلول۔

کبھی یعنی بھی حرفِ علت کا کام دیتا ہے۔ جیسے شعر

غریقِ گریۂ خونیں رہا نہ کر مومن   لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سُرخ

شرط کے حرف

جب کسی کام پر کسی کام کو موقوف کرتے ہیں تو موقوف علیہ کے آغاز میں جو حرف لاتے ہیں وہ حروف شرط ہیں۔ جیسے "اگر علم پڑھوگے تو عزت پاؤگے" اس فقرے میں

عزّت پانے کو علم پڑھنے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور اس کے شروع میں اگر حرف شرط ہی جس جملے پر حرف شرط آتا ہے وہ شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جزا۔

اگر گر جو جب جب جب جس وقت جس دم چوں کہ جو کہ جب کہ جو ہیں جوں جوں اگرچہ ہرچند ہرچند کہ گو گو کہ[1] بسکہ ازبسکہ[2] بس ازبس جب تک جس وقت تک تاوقتیکہ تا تا کہ ازانجا ہرگاہ خواہ کیوں نہ نہیں نہیں تو دگرنہ ورنہ۔ یہ سب حروف شرط ہیں۔ غالب

دل میں چھری چبھو مژہ گر خوں چکاں نہیں
خنجر سے سینہ چیر اگر دل نہ ہو دونیم

جو جب اور اگر اور چوں کہ تینوں کے معنوں میں آتا ہے۔ بیت

سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے

ذوق

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانیں کیا کرے جو خدا اختیار دے

پھر جاتی ہی سینے کو مری آہ بھی الٹی
برگشتہ جو قسمت ہی مری بخت نگوں ہی

یعنی چوں کہ میری قسمت برگشتہ اور بخت نگوں ہے اس لئے میری آہ بھی سینے کو الٹی پھر جاتی ہی۔ مقتول

وہ غیرتِ خور ہے تو کہ لکھ کر ترے اوصاف
قرطاس سے جب خاک کو جھٹکا[3] تو جھڑی دھوپ

"چوں کہ خدا کو ایسا کرنا منظور نہ تھا نہ ہوا"

جو کہ چوں کہ کی جگہ بولتے ہیں۔ اور بہت کم۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہی؟

---

[1] کاف زائد ہے [2] از زائد ہے۔

[3] جن ایام میں بلاٹنگ پیپر کا رواج نہ تھا، روشنائی خشک کرنے کے لئے کاغذ پر خاک ڈال کر جھٹک دیتے تھے۔ اب بھی بعض لوگوں کا یہی عمل ہی۔

حالی

جو ہیں کان میں حق کی آواز آئی　　لگا کرنے خود اُن کا دل رہنمائی

مومن

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مُردہ اگرچہ　　تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

ناسخ

ہر چند ہوں پیر اور سر پر ہی اجل　　تسپر نہیں پیٹ کے سوا فکرِ عمل
ہے رشتۂ عمر مختصر سا لیکن　　شیطان کی آنت ہو مرا طول امل

مومن

ہر چند کہ قول ناصحوں کا　　کچھ تلخ نہ تھا و لے نہ بھایا

مقتول

گو بظاہر خوش ہوں لیکن تلخ کامی کو نہ پوچھ　　میں سراپا نقشِ زیبا ہوں مگر حنظل میں ہوں

ولہٗ

ترے تیروں نے کیا گو کہ مجھے چھلنی سا　　چھانتا ہوں ترے کوچے کی مگر خاک ہنوز

غالب

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے　　میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

مومن

از بسکہ ثبت نامہ ہی سوزِ تپِ دروں　　قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا

غالب

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اعظم خان اعظم

درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم

مصحفی

جب تک کہ نہ چھڑکیں گے گلاب آپ وہ آکر
اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

جس وقت تک اور تا وقتیکہ جب تک کے ہم معنی ہیں اور نثر میں آتے ہیں۔
تا صرف نظم میں آتا ہے اور جب تک کے معنوں میں۔ ذوق ایک قصیدۂ دعائیہ میں کہتے ہیں ؎

بخارِ ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی
رواں پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی

زمین میں تا ہو کان اور کان میں ہو جوہر کانی
پئے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی

تری شمشیر جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو
ترے قبضے میں بحر پر گہر ہو کانِ پر زر ہو

ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح
تاکہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیر طبق

ہووے ہر سال مبارک تجھے عیدِ رمضاں
اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

از انجا اور ہر گاہ نثر میں آتے ہیں اور چوں کہ کے معنوں میں۔ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۸۹۸ء کے شروع میں لکھا ہے "ہر گاہ یہ امر قرین مصلحت ہے کہ قوانین متعلقہ ضابطہ فوجداری مجتمع و ترمیم کئے جائیں۔ لہٰذا اس کے رو سے حسب ذیل حکم ہوتا ہے"۔

"خواہ کتنی ہی دقتیں پیش آئیں مگر ہم راہِ خدا میں ضرور کوشش کریں گے"۔ ع
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ذوق

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

نہیں تو اکثر نثر میں آتا ہے۔ ایک بیت بھی سن لو۔ بیت

ملا اس کو مجھسے تو میرے خدا | نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا
موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انساں | ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
ہم کسی پہلو اسے غم سے تہی پاتے نہیں | ورنہ کس کس ڈھب دلِ نالاں کو بہلاتے نہیں

پچھلے چاروں حرف (یعنی نہیں نہیں تو وگرنہ ورنہ) کا مفصل حال جملۂ شرطیہ میں بیان ہو چکا۔

کبھی باوجودے کہ بھی اگرچہ کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے | واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

فائدہ - کبھی قائل اگر بول کر اپنی یقینی بات کو مشکوک کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی مظلوم کہے کہ "اگر خدا ہے تو ظالموں کو ضرور سزا دے گا"۔ یہاں خدا کے ہونے کو جو متکلم کے نزدیک ایک یقینی بات ہے مشکوک کر دیا ہے۔ یا جیسے کوئی گرفتارِ الم درازیٔ شب غم سے گھبرا کر کہے کہ "اگر صبح ہو جائے تو جی اُٹھوں"۔ حالاں کہ اس کو صبح کے ہونے کا یقین ہے۔

بعض اوقات کوئی کام حقیقت میں دوسرے کام پر موقوف نہیں ہوتا۔ مگر عبارت میں شرط و جزا کی صورت میں آتا ہے جیسے "خدا اپنے فضل و کرم سے پورا کرے تو ارادہ یہ ہے"۔ اس فقرے میں پہلا جملہ شرط ہے اور دوسرا جزا۔ مگر ارادے کا ہونا پورا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ پورا کرنا ارادے کے ہونے پر موقوف ہے۔ کیوں کہ پورا کرنا تو اسی صورت میں ہوگا جب ارادہ کیا جائے۔ اور جب ارادہ ہی نہ کیا جائے تو پورا کیا ہوگا۔

جزا کے حرف

وہ حرف جو جزا کے جملے پر آتے ہیں۔

تو تب سو لیکن ولے مگر پر پہ۔ الّا تو (بفتح تا) تو بھی پھر تو پھر بھی تاہم اس لئے اس واسطے اسی لئے اسی واسطے۔

تو اگر گر جو جب جبکہ کی جزا میں آتا ہے۔ تب اکثر جب کی جزا میں۔

غالب

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو　　ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے

تو سو جو کی جزا میں آتا ہی۔ جیسے **شعر**

اُٹھائی طرز نالے کے جو اک دن تیرے محزوں سے　　سو اب تک دیکھ لے منقار طوطی سرخ ہے خوں سے

لیکن ولیکن ولے مگر پر پہ الا تو بھی پھر بھی یہ حروف اگرچہ گرچہ ہرچند گو گو کہ کی جزا میں آتے ہیں جیسا کہ اکثر حروف کی مثالیں حروفِ شرط میں بیان ہوئیں تو بھی کی مثال سنو **مفتی صدرالدین خان آزردہ**

مر کر بھی ہمارا دلِ بے تاب نہ ٹھیرا　　کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھیرا

تو اگر کی جزا میں آتا ہے جیسے "اگر کوئی بادشاہ ہوا تو کیا اور اگر گدا ہوا تو کیا"۔ "گر تو ڈر نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر"

بعض اوقات جب کہ ایک بات حقیقت میں دوسری بات پر موقوف نہیں ہوتی اور کلام کو شرط و جزا کی صورت میں لاتے ہیں تو ایسے موقع پر حرف جزا تو آتا ہے یہ حرف جزا دو محذوف جملوں پر آتا ہے اور ان کے بعد ایک اور جملہ بطور تاکید آتا ہی۔ جیسے توبۃ النصوح میں نصوح کہتا ہی "میں اُس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھکو ہمیشہ رہنا ہے دنیا کا گھر چند روزہ ہی آج اُجڑا تو اور کل اُجڑا تو ایک نہ ایک دن اُجڑے گا ضرور"

پھر اور تو پھر کی مثالیں بھی سنو۔ **مومن**

جب سبب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو　　بے وفا پھر حاصلِ بیداد کیا؟

وقت پر قطرہ بہت ہی ابرِ خوش ہنگام کا　　جل گیا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا؟

جزا مقدم ہو تو حرف شرط واجب الحذف ہوتا ہی۔ جیسے **غالب**

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی　　نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک دو گر غلط چلے کوئی　　ڈھانپ لو گر خطا کرے کوئی

مگر تب مستثنیٰ ہے جیسے ۔ شعر

جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے
تب نازِ گرانمائگیِ اشک بجا ہے

"اُس واسطے" اور "اس لئے" اور "اسی واسطے" اور "اسی لئے" چونکہ کی جزا میں آتے ہیں۔

کبھی نظم میں دو دو شرطیں پہلے بیان کرتے ہیں اور ان کی جزائیں اسی ترتیب سے بعد

مرزا اسد اللہ خاں غالب ایک قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی

یہاں دوسرے شعر کا پہلا مصرع شعر اوّل کے مصرع اوّل کی جزا ہے اور دوسرا

مصرع مصرع ثانی کی۔

شمول و شرکت کے حرف

بھی نیز

"زید بھی آیا اور عمر و بھی" "یہ بھی لو اور وہ بھی لو" "نیز یہ امر قابل ذکر ہے" کبھی ایک جملے میں

نیز اور بھی دونوں آجاتے ہیں ایسے جملے میں عطف کا واو اکثر حذف ہو جاتا ہے۔

حصر و خصوصیّت کے حرف

ہی صرف محض اکیلا فقط نرا تنہا بس یہی خالی

(ہی) آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے

(صرف) ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں

(محض) دُنیا محض طلسم حیرت ہے۔

(اکیلا فقط نِرا) توبۃ النصوح میں کلیم اپنے چھوٹے بھائی سے کہتا ہے "ابے اکیلے

سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے ڈھیلا ڈھلا کرتہ پہن گھٹنوں تک کا پاجامہ بنا پنج آیت کے

واسطے دو چار سُورتیں یاد کر اور جو چاہے کہ فقط اُنگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور نرا سر منڈا کر بریانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ دھو رکھو گھُسنا تو ملنے ہی کا نہیں"

(تنہا) **نواب سید محمد خاں رند**

پابند یہ مُرغِ جاں تنہا نہ قفس کا ہے — پھندا ابھی تو گردن میں اِک تارِ نفس کا ہے

(بس) مولوی نذیر احمد صاحب اپنی نسبت کہتے ہیں **شعر**

القصّہ میں عجب عبث ہیچکارہ ہوں — بس اتنے کام کا ہوں کہ کچھ دیا کروں

(یہی) **ذوق**

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق — اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

کبھی ایک ہی حصر کا کام دیتا ہے جیسے **حالی**

رہا دین باقی نہ اسلام باقی — اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

فائدہ۔ نثر میں ہی فاعل اور علامت فاعل اور مفعول اور علامت مفعول اور مجرور اور جار کے بیچ میں آتا ہے جیسے زید ہی نے کہا تھا عمرو ہی کو مارا تھا۔ **مرزا غالب**

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

لیکن جب ضمیر میں فاعل واقع ہو تو سے علامت فاعل پہلے آتی ہے اور ہی پیچھے جیسے "میں نے ہی دیا تھا میں نے ہی لے لیا"

ضمائر اِس اور اُس اور تجھ اور مجھ کے ساتھ ہی واقع ہو تو ہی کی ہ حذف ہو جاتی ہے جیسے اسی نے کہا تھا، اُسی کو لکھا تھا، تجھی کو پڑھوایا تھا، مجھی سے دلوایا تھا۔

ہم کے ساتھ ہی آئے تو ایک تو ہی کی ہ حذف ہو جاتی ہے دوسرے اُس کے آخر میں نون غنہ زیادہ کیا جاتا ہے جیسے **غالب**

اِک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب — یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں؟

تم کے ساتھ ہی واقع ہو تو ہی کی ہ کو ہائے مخلوط التلفظ سے بدل کر آخر میں نون غنہ

زیادہ کر دیتے ہیں جیسے **شعر**

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پھر یہ فرماؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

بعض نون زیادہ نہیں کرتے اور تمھی کہتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے بعض اہلِ زباں ہم اور تم کے ساتھ ہی آئے تو اس میں کچھ تغیر نہیں کرتے اور ہم ہی اور تم ہی کہتے ہیں نظم میں بھی بعض اوقات ہم ہی اور تم ہی اپنی اصلیت پر قائم رہتا ہے۔ **غالب**

ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام

یہ اور وہ کے ساتھ ہی آئے تو ایک ہ حذف ہو جاتی ہے اور کبھی نظم میں قائم بھی رہتی ہے دونوں کی مثالیں دیکھو مرزا اشرف بیگ **اشرف**

وہ یہی آس تھی جس کا تھا اشارا اُس کو وہ بھی آس تھی جس کا تھا سہارا اُس کو
ڈالتے یہ ہی مضامیں تھے سب اُس کے دل میں یوں گزر سکتی تھیں یہ باتیں کب اُس کے دل میں

مومن

وہی اشتہا بخشے وہ ہی طعام نہیں اُس کے خواں سے کوئی تلخکام

اب جب تب کب سب کے ساتھ ہی آئے تو ہ ہائے مخلوط ہو کر بولی جاتی ہے۔ جیسے ابھی جبھی تبھی کبھی سبھی۔

کبھی دو منفی جملوں میں ہی اس طرح استعمال کرتے ہیں "نہ حامد ہی آیا نہ محمود" ایسے موقع پر ہی تاکید کے لئے آتا ہے ناواقف لوگ دوسرے جملے میں حرف نفی کے ساتھ ہی بھی زیادہ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں نہ حامد آیا نہ ہی محمود یہ غلط ہے بعض پہلے جملے ہی میں حرف نفی اور ہی کو اکٹھا کر دیتے اور یوں بولتے ہیں نہ ہی حامد آیا اور نہ محمود یہ بھی صحیح نہیں۔

able of note.

قَسَم کے حرف

قَسَم الف ب واو سوگند

"خدا کی قَسَم میں نے زید کو نہیں مارا" ع

حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

"بخدا میں نے کچھ نہیں کہا" "واللہ یہی سچ ہے"

خواجہ حالی ہندوستان سے ہندوستان کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یاد ہوگا تجھکو یاں آئے تھے ہم کس شان سے — تجھکو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

واو صرف عربی لفظوں پر آتا ہے اور بائے مفتوحہ صرف فارسی الفاظ پر۔ عربی میں بائے قسمیہ مکسور ہوتی ہے جیسے باللہ مگر اُردو میں باللہ جداگانہ نہیں بولا جاتا اس کے پہلے واللہ ضرور ہوتا ہے جیسے **شعر**

خدائی بدل جائے واللہ باللہ — اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر یہ ضرور نہیں کہ واللہ کے ساتھ باللہ بھی ہو ایک اور لفظ بھی ہے حاشا للہ اس کے معنی تو ہیں کہ خدا پاک ہے یعنی یہ لفظ عربی کے اعتبار سے سُبحان اللہ کا ہم معنی ہے مگر مواقع استعمال اُردو میں مختلف ہیں۔ دلی کی عورتیں جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں اب ایسے موقع پر حاش للہ بولتی ہیں جس میں ایک شائبہ قسم کا بھی پایا جاتا ہے۔

تاکید کے حرف

وہ حرف جن سے کلام میں زور آتا ہے۔

ضرور ضرور بالضرور مقرر ہرگز کبھی زنہار بھول کر کانوں کان مطلق مطلقاً اصلا سب سب کے سب سبھی تمام کل کلھم سراسر سراپا سرتاپا سربسر بھر

ہوبہو بعینہٖ عین میں آپ خود ان میں سے ہرگز کبھی زنہار بھول کر کانوں کان مطلق مطلقاً اصلا صرف نفی کی تاکید کے لئے آتے ہیں **حالی**

تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ　　نہ سُنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مولوی نذیر احمدؐ صاحب لکھتے ہیں ؎

میری سُنو اگر نہیں سمع قبول کر　　غفلت کبھی نہ کیجو زنہار بھول کر

دوسرے مصرع میں تین تاکیدیں ہیں کبھی تاکید اوّل ہے زنہار تاکید ثانی بھول کر تاکید ثالث۔

"دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"

"میں نے محمود کو مطلق نہیں دیکھا" کسی سے مطلقاً بات چیت نہ کرو۔ **شعر**

مرے طالع کی وہ گردش ہی جس سے　　فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

زنہار کبھی اثبات کی تاکید کے لئے بھی آتا ہی۔ **مرزا غالب**

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل　　زنہار اگر تمھیں ہوس نائے و نوش ہے

ہوبہو اور بعینہٖ اور عین میں تشبیہ کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔

لے دے کے بھی تاکید کے مقام پر آتا ہے جیسے **مسدّس حالی**

یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل　　اسی پر ہے فخر اُن کو بین الاماثل

آپ اور خود ضمائر کی تاکید کے لئے آتے ہیں جیسے میں خود گیا تھا اُس نے آپ کہا تھا۔

تاکید تکرار لفظ یا جملے سے بھی آتی ہے **ذوق**

بُرائی میں ہماری وہ اگر اپنا بھلا سمجھے

بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے

بسا اوقات ماضی منفی کی تاکید میں ماضی منفی کو مکرر لاتے اور اُس پر پر زیادہ کرتے ہیں

جیسے **ظفر**

رات ہمسایوں نے اُٹھ اُٹھ کے دعائیں مانگیں　　شور و نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا

ناسخ

نہ سُنا پر نہ سُنا کیا ہی گراں گوش ہیں گل　　ہو گئی نالوں سے آواز عنادل بھاری

کبھی تاکید مزید کے لیے الفاظ تاکید بھی بڑھا دیتے ہیں جیسے **مومن**

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا　　اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

کبھی تاکید کے الفاظ کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں جیسے الاسلام میں ہے ؎

سر انجام پاتے نہیں کام اُس بن　　نہیں کام پاتے سر انجام اُس بن

ان الفاظ کے سوا اور الفاظ بھی بعض اوقات تاکید کا فائدہ دیتے ہیں جیسے "کیوں میاں حامد کیا صلاح ہے"؟ یہاں کیوں تاکید کے لیے آیا ہے **ذوق**

ہے باغ جہاں میں تجھے گر ہمتِ عالی　　کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ

اِس شعر میں لفظ اَور اور زیادہ دونوں تاکید کے لیے آئے ہیں۔

تنبیہ کے حرف

جو دھمکانے اور خبردار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں

ہَیں ہوں ہاں دیکھ دیکھو دیکھنا سُن سُنو سنو جی سُنو تو سہی خبردار

"ہیں یہ کیا کیا" "ہوں یہ کیا کرتے ہو" یہ دونوں لفظ کبھی مکرر بھی آتے ہیں جیسے ایک شاعر اپنے دل سے کہتا ہے ؎

ہیں ہیں یہ کیا تجھے دِل غمناک ہو گیا　　جَل بُھن کے اِس طرح سے جو تو خاک ہو گیا

زائل یہاں تک اب ترا ادراک ہو گیا　　گُستاخ اِتنا ایسا تو بے باک ہو گیا

چاہا بُرا جہان کا یہ تجھ نے بُرا کیا　　مُنہ پیٹ دونوں ہاتھ سے ظالم یہ کیا کیا

مرزا غالب

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

حالی

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرامِ نازیہ اتنا نہ کر دماغ

مثنوی فریاد داغ

دیکھو نواب میرزا دیکھو
دیکھو اپنا برا بھلا دیکھو

"دیکھنا کسی کو خبر نہ ہو" بیت

تُو کوئی ہزار کچھ سُنائے
کیجے وہی جو سمجھ میں آئے

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں

پڑے کیا ہو سیّد کے مذہب کے پیچھے
سُنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر

وے گر کہے دنیوی فائدے کی
تو کیا ضد سے کر لو گے نقصاں سراسر

مصرع کر دنہ اہلِ وفا پر جفا سُنو تو سہی

کسی کو کسی امر مذموم سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں "خبردار پھر ایسا کیا تو تو جانے گا"
خیر کا لفظ بھی کبھی دھمکی کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے "خیر سمجھا جائے گا"

مثال کے حرف

وہ حرف جو کسی ایسے جملے پر آئیں جو بطور مثال کسی امر کے بیان کیا جائے مثلاً جیسے
یہ حرف اِس کتاب میں تم جابجا دیکھتے ہو کسی اور مثال کی حاجت نہیں۔

تشبیہ کے حرف

جن الفاظ سے ایک چیز کا دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو وہ تشبیہ کے حرف ہیں

سا کا سا ایسا ویسا جیسا دجو جمع اور مونث میں سے سی کے سے کی سی ایسے
ایسی ویسے ویسی جیسے جیسی ہو جاتے ہیں) جوں مانند طرح گویا یوں اس طرح سی
بعینہ ہوبہو عین مین غالب

کوئی مجھ سا نہیں زمانے میں شاعر نغز گو و خوش گفتار

شعر

روئے یہ پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے نالہ سا ایک سوئے بیاباں بہ گیا

پہلے شعر میں سا مانند کے معنوں میں آیا ہے دوسرے میں گویا کے ذوق

ہوا احمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

حالی

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

جوشش

رونے کے لئے ہوں آفریدہ ماتم کدہ جہاں میں جوں ابر

"زمین گیند کی مانند[1] (یا طرح) گول ہے" مومن

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

پیری میں ہو گیا یوں اس دل کا داغ ٹھنڈا جس طرح صبح ہوتے کردیں چراغ ٹھنڈا

شعر

ہوا یہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

حامد بعینہ یا ہوبہو یا عین مین محمود ہے

بعینہ اور ہوبہو جب کسی حرف تشبیہ کے ساتھ آتے ہیں تو تاکید کا کام دیتے ہیں۔

جیسے ذوق

[1] مانند اور طرح اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔

حال میرا ہے بعینہٖ آسیائے باد کا　　میں ہوں چکّر میں لگی جس دن سے دنیا کی ہوا

یہاں سا حرف تشبیہ محذوف ہے۔

ایک ہمرنگ مجنوں کہتا ہے **شعر**

کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں　　تو گویا بیٹھے ہیں بس ہو بہو ہم

استفہام کے حرف

جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں

کیا آیا کیوں کاہے کو کیونکر کیسے کس طرح سے کس واسطے کس لئے بھلا وغیرہ

کیا نثر میں ہمیشہ ابتدائے کلام میں آتا ہے "کیا تم نے زید کو مارا" "آیا یہ کام خالد نے کیا یا کسی اور نے" "اُس نے میرا کہا کیوں نہ کیا"

کاہے کو کیوں کے معنوں میں آتا ہے **شعر**

باہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم　　کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

مصرع　تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا

کیسے اکثر کیونکر کے معنوں میں آتا ہے اور کبھی کیوں کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ان اشعار سے ظاہر ہے۔

بارِ عصیاں سے ہوا ہی مرا مُردہ بھاری　　دیکھئے اُٹھتا ہی یا رب یہ جنازہ کیسے

یہ ہاتھ کیسے ہیں بیکار کچھ تو کار کریں　　بہار آئی گریباں تار تار کریں

کس واسطے کچھ اداس سے ہو؟　　کس سوچ میں بے حواس سے ہو؟

غالب

یا رب زمانہ مجکو مٹاتا ہے کس لیے　　لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

نظم میں کیونکر کی جگہ کیونکہ بھی آتا ہے مگر بہت کم۔

ایں بھی مقام تعجب میں استفہام کے لئے آتا ہے جیسے "ایں ایسی جلدی"؟ اور کبھی صرف استفہام کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے "ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے"! ایں کی جگہہ ہیں بھی آتا ہے۔

کبھی تحقیر کے مقام پر خاک کا لفظ استفہام کا کام دیتا ہے۔ رند

آل مالِ دنیا خاک غیر از یاس حسرت ہی؟ | دے فینے گاڑ کر قبروں میں آخر گڑ گئے منعم

زندگی زندہ دلی کا ہے نام | مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں؟

حروف استفہام کے علاوہ اسمائے استفہام بھی آتے ہیں جن کا ذکر حصہ اوّل میں گزرچکا

استفہام کی قسمیں استفہام تین قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل اقراری جیسے "اگر یہ اُس کی نادانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے" (یعنی یہ اُس کی نادانی ہی کا تو نتیجہ ہے)

دوسرے انکاری جیسے "زید نے یوں کب کہا ہے" (یعنی یوں نہیں کہا) **شعر**

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں | کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح؟

یعنی دیدۂ خونبار کی طرح نہیں رو سکے گا۔

تیسرے استخباری جیسے "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے"؟ "حامد کون شخص ہے"؟

فائدہ۔ کیا کبھی تعجب وعظمت اور مبالغہ وکثرت کے لئے آتا ہے جیسے "کیا بھینی بھینی خوشبو ہے" "کیا جادو بیان شخص ہے" "کیا خوش قطع ہے"!

کبھی حقارت کے لئے جیسے "زید کیا آدمی ہے" "وہ کیا چیز ہے"! **غالب**

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے | تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

ذوق

اے ذوق جو وہ آب بقا بھی ہو تو کیا ہے | سیراب نہ ہو جس سے کوئی تشنۂ مقصود

کبھی مساوات کے لئے۔ ایسی حالت میں تکرار ضرور ہے جیسے "کیا بادشاہ اور کیا فقیر

سب موت سے ناچار ہیں۔"

کبھی نہی کے لئے جیسے "کیا شور مچا رکھا ہے۔"

کبھی نفی کے لئے جیسے **شعر**

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کبھی تذلل وانکسار کے لئے جیسے ؎

کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہو گا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا

یعنی ہماری ہستی اور حقیقت کیا ہی۔

کبھی طنزاً کہتے ہیں **غالب**

واعظ نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

کبھی شاعر دلولۂ دل ظاہر کرتا ہوا کہتا ہے ؎

صدمے گزرے ایذا گزری
ہجر میں تیرے کیا کیا گزری
کس سے کہئے کون سنے گا
کیا کیا گزرا کیا کیا گزری

کبھی بجھے دل سے کہتا ہے **شعر**

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تاب رقم نہیں
ہیں نالہ ہائے صور صریر قلم نہیں

کبھی کیا کیوں کے معنے دیتا ہے **شعر**

رات دن چکر میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

مقدار کے حرف

مقدار کے حرف وہ ہیں جو اندازہ و مقدار کے لئے استعمال کئے جائیں جیسے اُتنا سبق پڑھو جتنا یاد کر سکو۔ یہاں اتنا اور جتنا حرف مقدار ہیں۔

اِتنا اُتنا کِتنا جِتنا جو جمع اور مونث میں اِتنے اِتنی اُتنے اُتنی کِتنے کِتنی جِتنے

جتنی ہو جاتے ہیں اِن میں سے کتنا کتنے کتنی کلمات استفہام بھی ہیں جو استفہام مقداری یا عددی کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

اِس قدر اُس قدر کس قدر جس قدر اسی قدر کسی قدر بھی الفاظ مقدار ہیں **مقتول**

اس قدر دل سے گیا نقش دوئی کو میں نے محو — میں دمِ نظارہ یکتا دیدۂ احول میں ہوں

کبھی یہ اور یہاں تک بھی اِس قدر کے معنوں میں آتے ہیں جیسے **مومن**

یہ انفعال گنہ سے میں آب آب ہوا — کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

یعنی گناہ کی ندامت سے میں اس قدر پانی پانی ہوا۔ **مقتول**

ہوں یہاں تک اے دل وحشی تہِ افلاک تنگ — میں مثال مغز گویا دانۂ خردل میں ہوں

حروف ندا

جو پکارنے کے لئے بولے جائیں۔

اے یا او ہوت ارے بے اَبے ارے او اَبے او رے اجی

الف نواب سید محمد خاں رند

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا — سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

کس دن زبان رات کو صرف دعا نہ تھی — یارب تری جناب میں کب التجا نہ تھی

جانِ حزیں یقین ہوا دل نے کھوئی ہے — یا خضر آپ ہی نے یہ کشتی ڈبوئی ہے

شاہد رہیو تو او شبِ ہجر — جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

او بیشتر مقام تحقیر میں بولا جاتا ہے اور کسی صفت کے ساتھ جیسے "او بے رحم" "او نالائق"

ناسخ

دمبدم چین بر جبیں ہوتا ہے مجھ پر کس لئے — آب آئینہ میں او ظالم بھلا کیا کار موج

کبھی اس لفظ سے ایسے شخص کو بھی خطاب کرتے ہیں جس کو نہایت عزیز سمجھتے ہیں جیسے

اُستاد

ہیں نام ترا لے لے دن رات جو چلّاؤں
آو سنتے ہوئے بہرے کیونکر نہ گلا بیٹھے

ہوت میاں یا اجی کے ساتھ آتا ہے جیسے "میاں ہوت" "اجی ہوت" اس لفظ کو خواص استعمال نہیں کرتے شعر میں مطلق نہیں آتا۔

ارے یا تو کم رتبہ شخص کے لئے بولا جاتا ہے یا بے تکلف دوستوں میں جیسے "اے احمق" "ارے بے وقوف" "ارے میاں"۔ فصحا اس لفظ کو بہت کم بولتے ہیں۔

بے اور ابے خوار اور ذلیل شخص کے حق میں بولے جاتے ہیں جیسے سن بے۔

ابے یا جی ارے اور ابے او بھی مقام تحقیر میں استعمال کئے جاتے ہیں **مصرع**

ادھر آ بے ابے او چاک گریباں والے

اس مصرع میں دو حرف ندا اکٹھے استعمال کئے گئے ہیں۔

رے یہ بہت کم بولا جاتا ہے **شعر**

اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رُلایا

اجی اکثر بزرگ آدمی کے حق میں بولتے ہیں جیسے "اجی حضرت" "اجی قبلہ" کبھی از راہ بے تکلفی اپنے سے چھوٹے شخص کے حق میں بھی بول لیتے ہیں۔

الف لفظ کے آخر آتا ہے اور بیشتر اس کا استعمال نظم میں ہے **ذوق**۔

خسروا اُس کے ترا فرخندہ جشن نوروز
آج ہے بلبل تصویر تلک نغمہ سنج

ناسخ

کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ زاہدا
سر کو دے مار کر توڑیں گے بتخانے کو ہم

مثل جرس ہے ہرزہ درائی عبث دلا
دنیا سے کر گئے ہیں مرے ہم زبان کوچ

فائدہ۔ ہوت اور الف ندا کے سوا تمام حروف منادیٰ سے پہلے آتے ہیں

فائدہ۔ بعض الفاظ بحذف حرف ندا مستعمل ہیں جیسے قبلہ جناب غریب پرور حضور وغیرہ

جواب یا ایجاب کے حرف

کوئی پکارے تو اُس کے جواب میں یا کسی بات کے اقرار کرنے میں جو الفاظ بولے جائیں وہ جواب یا ایجاب کے حرف ہیں۔

ہاں جی بھلا اچھا بہت اچھا ٹھیک واقعی درست بجا کیوں نہیں۔

ہاں اور جی ندائے قریب کے جواب میں بولے جاتے ہیں بھلا ندائے بعید کے جواب میں مقام ادب میں ہاں کے پہلے جی لگاتے اور جی ہاں کہتے ہیں ہاں سوال کے جواب میں بھی آتا ہے اچھا اور بہت اچھا امر یا نہی کے قبول میں ٹھیک واقعی درست بجا متکلم کی تصدیق کے لئے۔ **بیت**

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے ہر ایک بات پر واں درست اور بجا ہے

کیوں نہیں ایجاب نفی کے لئے یعنی کلام منفی کے جواب میں جس میں استفہام ہوتا ہے جیسے خدا نے ارواح سے فرمایا "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں" اُنہوں نے جواب دیا "کیوں نہیں" دیکھو کیوں نہیں سے خدا کے پروردگار نہ ہونے سے انکار یعنی پروردگار ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔

یہ لفظ عام طور پر بھی استفہام کے جواب میں آتا ہے خواہ کلام منفی ہو یا مثبت جیسے "زید تم تو سیر کو نہیں چلوگے؟" "کیوں نہیں" "آپ بھی چلئے گا؟ کیوں نہیں"

ندبہ و تاسف کے حرف

جو افسوس کے مقام پر بولے جائیں

ہائے ہائے ہائے رے وائے اے وائے ہے ہے آہ افسوس حیف دریغ دریغا ہیہات وا مصیبتا واحسرتا **غالب**

ہائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ — تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

ذوق

ہائے رے حسرتِ دیدار مری ہائے کو بھی — لکھتے ہیں ہائے دوچشمی سے کتابت والے

جو نہ ہوں عقدے کبھی حوں غنچۂ تصویر وا — وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے — موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوتے

گلزارِ نسیم

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مقتول

خاک ہم کو کردیا تیرے غبارِ دل نے آہ — حیف ہے ظالم تجھے اب تک صفا پاتے نہیں

صفدر

غفلت میں گزر گئی جوانی افسوس — کچھ قدرِ شباب کی نہ جانی افسوس

وہ ولولے اب خزانِ پیری میں کہاں — افسوس بہارِ زندگانی افسوس

حالی

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف — حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف

مومن

وہ مہر جلوہ زیرِ زمیں اے فلک دریغ — گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ

مولوی نذیر احمد صاحب اسلام کو باغ قرار دے کر اس کی بالفعل کی حالت یوں بیان کرتے ہیں

اب اس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا — کفِ دست میدان ہے جیسے کلّہ

رباعی

کچھ فکرِ مآلِ کار ہیہات نہیں — اندیشۂ ما بقیٰ[1] و مافات نہیں

---

[1] اصل میں مَابَقِیَ بکسر کاف و فتح یا ہے مگر تصرف کر کے مابقیٰ بولتے ہیں۔

کیا صبح و مسا زیست کٹی جاتی ہے　　مقراض حیات ہیں یہ دن رات نہیں

مومن

پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں　　ہے اُس کی خاک وقفِ سمن وا مصیبتا

توبۃ النصوح میں ہے "تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ وا حسرتا میں تو تباہ ہوا ہی تھا میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری[1]"

ہائے کی طرح حیف اور افسوس وغیرہ بھی مکرر آتے ہیں ع

گردشِ چرخ حیف حیف دَورِ زمانہ ہائے ہائے

شعر

تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس　　افسوس افسوس ہائے افسوس

ظرفیت کے حروف

وہ حروف جو مقام ظرفیت میں بولے جائیں

ہاں یہاں وہاں یاں[2] واں[3] کہاں کہاں کہاں جہاں جہاں جہاں یہیں[4] وہیں[5] کہیں اِدھر اُدھر جدھر کدھر ظرف مکاں کے لئے آتے ہیں۔

اور اب جب کب تب ابھی ابھی ابھی جبھی تبھی کبھی کبھی کبھی ظرف زماں کے لئے ان میں سے کہاں کہاں کہاں کدھر کب زیادہ تر استفہام کے لئے آتے ہیں اور ان میں سے بعض حرف جیسے جہاں جہاں جہاں جدھر اور جب حرف موصول و حرف شرط وغیرہ بھی ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔

"کل مولوی صاحب میرے ہاں تشریف لائے تھے" "یہاں کیا رکھا ہے" "میں وہاں نہیں گیا"

شعر

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں　　واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

"خدا نے اسے کہاں سے پہنچا دیا" "بیچارہ کہاں کہاں پھرا"

شعر

[1] رستہ کھوٹا کیا [2][3] یہ الفاظ صرف نظم میں آتے ہیں [4][5] یہیں اور وہیں اصل میں یہاں ہی اور وہاں ہی ہے

جہاں گیا میں۔ گیا دام لے کے واں صیاد ۔۔۔ پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد

میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں ۔۔۔ میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

"آپ یہیں ٹھیریئے گا" "میں مدت سے وہیں رہتا ہوں" "اُس کا کہیں نشاں نہیں ملتا"

"اِدھر آؤ" "اُدھر مت دیکھو" "خدا جانے زید کدھر گیا" **شعر**

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ۔۔۔ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

"اب کیا ہے" "جب یا تب تو سب کچھ تھا" "معلوم نہیں ایسا کب ہو" "ابھی کچھ نہیں بگڑا"

"میں ابھی ابھی آتا ہوں"

"تم نے کبھی دیا تھی، کیوں نہ کہدیا" "اُس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی" "کبھی کبھی تو مِلا کیجیئے"

کبھی اور کبھی کبھی کے ہم معنی فارسی الفاظ گاہے اور گاہے گاہے بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ **جرأت**

سرسری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے ۔۔۔ صحبتِ غیر میں گاہے بسر اپنے گاہے

اِس جگہ اُس جگہ کس جگہ کس کس جگہ جس جگہ جس جس جگہ اِسی جگہ اُسی جگہ کسی جگہ

اِس طرف اُس طرف اِسی طرف اُسی طرف جس طرف کس طرف کسی طرف ۔

اِس وقت اُس وقت اِسی وقت اُسی وقت وغیرہ بھی الفاظ ظرفیت ہیں ۔

حرف تفسیر

جس سے کسی لفظ کے معنے یا کسی کلام کا مطلب کھول بیان کریں

یعنی

"اسراف یعنی فضول خرچی نہایت مذموم ہے" **شعر**

زندگی ماندگی کا وقفہ ہے ۔۔۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

حروف تفریع

جب کلام سابق سے کوئی امر مستنبط کریں یا نتیجہ نکالیں تو جو حروف کلام مستنبط یا جملہ نتیجہ پہ لاتے ہیں وہ حروف تفریع ہیں۔

تو، پس (پس فارسی لفظ ہے اور جس طرح فارسی میں مستعمل ہے اسی طرح اردو میں بولا جاتا ہے)

"تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ......" - "پس ثابت ہوا کہ ...."

حروف تفریع جملے کے شروع میں آتے ہیں

تسلسل کلام کے حرف

وہ حرف جن سے کلام مابعد کو کلام ماسبق سے مسلسل و مربوط کریں۔

تو، سو۔ یہ حرف اکثر لمبی لمبی عبارتوں میں آتے ہیں

شک وظن کے حرف

جن سے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے میں شک ظاہر کریں۔

شاید، مگر **اسیر**

باندھی ہے سب نے زیر فلک جھوٹ پر کمر　　شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا

مومن

بےچارہ بے قرار ہے درماں کی فکر میں　　آگاہ میرے حال سے مشفق مگر نہیں

ظن غالب کے حرف

وہ حرف جن سے ایسا شک پایا جائے جو یقین کے قریب ہو

غالباً، ہو نہ ہو **میر تقی**

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ　　غالباً زیر زمیں میر ہے آرام بہت

"ہو نہ ہو یہ تمہارا بھائی ہے"

ہو نہ ہو کا لفظ تحقیق کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے اِس لئے ہم اس کو کلمات تحقیق میں بھی لکھیں گے۔

تنبیہ۔ بعض لوگ غالباً کے قیاس پر اَغلباً کہتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ عربی کا کوئی لفظ جو اَفعَلُ کے وزن پر ہو مُنوَّن نہیں ہو سکتا۔

کلمات تحقیق و یقین

بے شک۔ بلاشک۔ بے گمان۔ یقیناً۔ قطعاً۔ ہو نہ ہو۔ ضرور۔ لاجرم۔ تحقیق۔ مقرر۔ البتہ۔ لامحالہ

"بے شک خدا نیکو کاروں کو نیک بدلا دے گا"

بیت

کی خدا نے جو یہ زبان عطا ہے بلاشک عطیۂ عظمیٰ

مقول

گو کہ طبع شعرا بحر رواں ہے مقبول بے گماں میں بھی اک اُن میں دُرِ یکدانہ ہوں

"تمہارا قول یقیناً صحیح ہے" "میں نے قطعاً نہیں کہا" "یہ بشر تو نہیں ہو نہ ہو ایک معزز فرشتہ ہے" (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

"ہر ایک جاندار کو مرنا ضرور ہے" توبۃ النصوح میں ہے "ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو پکی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم اُن کی عادتیں راسخ اُن کی خصلتیں کالطبیعۃ ہیں" "تحقیق خدا بخشنے والا ہے"

شعر

تم بھروسا نہ رکھو غیروں پر دھوکا دیں گے یہ مقرر تم کو

تحقیق اور مقرر اور البتہ کا استعمال عام بول چال میں کم ہوتا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں "جب کشف الصدور کا یہ حال ہو تو کشود کار بھی لامحالہ

قادر ہوں[1] گے"۔

[1] یہ فقرہ ایک حکایت میں کا ہے جو مولوی صاحب نے پیرانِ نمی پرند مریداں می پرانند کی تشریح کرتے ہوئے بیان کی ہے چونکہ یہ حکایت لفظاً و معنےً نہایت دلچسپ ہے اِس لئے ہم بنابر تفریح طبع ناظرین اُس کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

حکایت۔ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دیئے گئے یہ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بات ہے ان دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک ملا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے مجکو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں مگر سرکاری تو کیا ہو گی۔ ملا صاحب اپنے طور پر نمازی سپاہیوں کی امامت کر دیا کرتے اور مسئلے مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہے اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہے اسی طرح ملا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات اُن سے متعلق تھیں لوگ اپنے طور پر اُن کے گزراوقات کا انتظام رکھتے ہوں گے خیر تو جب اُس کمپنی کا نام کٹ گیا تو اُن کے ساتھ ملا قرآنی بھی پلٹن سے نکال دیئے گئے مگر یہ تھے بڑے چلتے پرزے انھوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمھاری نظر میں صوبہ داری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے یہ سُنکر سپاہی ملا صاحب کے گردا گرد اس طرح سمٹ آئے جس طرح سنتر پر ہتھیار لینے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں تب ملا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اُس کے مرید و معتقد۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجکو سب سے زیادہ قابلیت ہے لیکن پیر بننا آسان ہے اور مرید بننا مشکل یعنی پیر بدن آسان ہے اور مرید بدن مشکل۔ یہ کہکر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا اور اُس کو سمجھایا کہ تم مطلق کسی سے بات چیت نہ کرو یہاں تک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اُس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اُس کے ساتھ ہو لی وہ شاہ صاحب کسی جگہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ اُن سے دُور دُور رہتے۔ عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوتی ہے کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے اُن کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا اور حواشی بڑی شد و مد کے ساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارق عادات کا اُس پر اظہار کرتے۔ کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا ایک مرتبہ

حروف مفاجات

جن حروف سے کسی امر کا ناگہاں اور ایکبارگی اور اتفاقاً واقع ہونا ظاہر ہو وہ حروف مفاجات ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷۔ اتفاق سے شاہ صاحب کی مجھ پر نظر پڑ گئی اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہو کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سُنا۔ بس وہ وقت اور آج کا وقت حاضر خدمت ہوں اور شبانہ روز عجیب عجیب کرشمے دیکھتا ہوں۔ مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجھکو دس سوا برس ہے ایک بار ارشاد ہوا کہ جا بچہ گھر والوں سے یاد اللہ کرا او چلتے وقت ایک بدھنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اُس کو تو نہ دیکھنا اور نہ شمار کرنا اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لے کر نکال لیا کرنا۔ تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوا اس بدھنی کے اور کوئی آمدنی نہیں ملا قرآنی نے اس طرح کی گھڑی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکایتیں ساتھیوں کو یاد کرا دی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا بے پھنسے نہ رہتا شروع شروع میں اُن لوگوں کو کسی قدر تکلیفیں پہنچیں اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کمبخت تو نے ہم کو گھر بھی نہ جانے دیا اور ملا صاحب اُن کی تسلی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب سب دَرد ر پاک ہوئے جاتے ہیں چلتے چلتے یہ لوگ لکھنؤ پہنچے اور اُن کی شہرت کی لین ڈوری ان سے آگے آگے چلتی تھی یہاں تک کہ کسی کی تقریب سے آغا میر کے امام باڑے میں اُن کو جگہ مل گئی اور آغا میر نے ایک بڑی عالیشان عمارت میں شاہ صاحب اور اُن کے حواشی کے رہنے کے لئے اُن کی فرمائش کے مطابق مکانات بنوا دیئے جب خود شاہ صاحب کے لئے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت تو کسی مکان میں رہنے والے ہیں نہیں تحت السماء رہنا پسند فرماتے ہیں اور گرمی برسات جاڑا کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہوگا اور شاہ صاحب کی جگہ پر پھوار کبھی برسے اور کبھی نہ برسے تمام جاڑے برہنہ رہتے ہیں اور ہم نے تو کبھی رونگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا اور یوں لوگ دوشالوں کی گٹھڑیاں چھوڑ چھوڑ جاتے ہیں حضرت کبھی نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے لیکن ان تمہیدات کے بعد آغا میر کے اصرار سے شاہ صاحب کے لئے وسط باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب اُس میں فروکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں بٹھا دیا اب پیراں نمے پرند مریداں سے پرانند کا وقت آیا تو اُس پیر گرہ ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو

ناگہاں ناگاہ اچانک دفعۃً یک لخت ایک دم سے اک بار ایکبارگی اتفاقاً یکایک یک بیک کہ جو وغیرہ ع

ناگہاں غیب سے ندا آئی

بت سے مطلب تھا نہ کچھ کام تھا اُلفت سے ہمیں
دفعۃً پڑ گئے آفت میں خدایا کیسے

"زمانے کا رنگ یک لخت بدل گیا" "دو لشکر ظفر پیکر نے ایک دم سے دھاوا کر دیا"

مثنوی گلزار نسیم

برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اک بار
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار

اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸ - بارہ مدوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازے کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا اور شاہ صاحب کو سب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ انھیں دروازوں سے سلام کے لئے حاضر ہوں گے ادہم اُن کا مطلب معلوم کر کے اُن سے کہدیا کریں گے کہ وہاں فلانے دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑ میں اتنا ضرور اشارہ کر دیا کیجئے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے آغا میر کے یہاں اُس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اس قدر ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے سلے بدون کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بمشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اُس خاص دروازے سے جو اس مطلب کے لئے نامزد کر رکھا تھا یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچا اور باب الحاجب پر دستک دیتا شاہ صاحب تک بے تک جو کچھ جی میں آتا کہدیتے مگر اُس کے مطلب کا اشارہ ضرور ہوتا تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہو گئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے یہ ہے پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند پھر ان لوگوں نے کھایا سو کھایا اور پہنا سو پہنا تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہو گیا اُس کی تقسیم میں ملا قراتی اور شاہ صاحب میں تکرار ہوئی اور پردہ فاش ہو گیا نوبت بہ عدالت پہنچی سارا مال و متاع ضبط ہوا اور یہ لوگ شہر بدر کر دیئے گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب آزاد خواجہ حیدر علی آتش کی وفات کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "۱۲۶۲ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے"۔ داغ

دُعا یہ ہی کہ وقتِ مرگ مشکل اُس کی آساں ہو
زباں پر داغ کی نام آئے یارب یک بیک تیرا

غالب

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"زید جوان نہ ہونے پایا تھا جو قضا آپہنچی۔

مقام مفاجات میں کہ اور جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں"

تمنّا کے حرف

وہ حروف جو آرزو کے موقع پر بولے جائیں۔

کاش اے کاش کاشکے

یہ حروف ماضی اور مضارع دونوں طرح کے فعلوں پر آتے ہیں غالب

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزایش دردِ دروں وہ بھی

میر تقی

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھکو حشر میں
کتنے مِرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

غالب

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہی

توبۃ النصوح میں نصوح زندگانی کی تمنا کرتا اور کہتا ہے "اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا"۔ غالب

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھُلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھُلا

پہلے اے کاشکے بھی بولتے تھے اب متروک ہی۔ کبھی اے وائے بھی کاش کی جگہ بولا جاتا ہی۔ **غالب**

آتش کدہ ہی سینہ مرا رازِ نہاں سے اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

تحسین و آفریں کے حرف

وہ حروف جو تعریف کے مقام پر مُنہ سے نکلتے ہیں تحسین و آفریں کے حرف کہلاتے ہیں۔

آفریں شاباش خوب بہت خوب بارک اللہ جزاک اللہ واہ واہ وا کیا کہنا ہے سبحان اللہ ماشاءاللہ چشم بددور۔ واہ رے اللہ اللہ رے بل بے ہائے ہائے ہائے احسنت مرحبا حبذا ہٹ نظر زہے نام خدا صلِّ علیٰ[1]

بدرِ منیر کا مصنف خاتمۂ کتاب میں کہتا ہی۔ **بیت**

غرض جس نے اس کو سُنا یوں کہا حسن آفریں آفریں مرحبا

"شاباش میاں شاباش خوب پڑھتے ہو"

کسی کا عمدہ کلام سنتے یا اُس کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں خوب بہت خوب بارک اللہ جزاک اللہ واہ وا کیا کہنا ہے سبحان اللہ

کوئی خوشنما چیز یا پاکیزہ شکل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "سبحان اللہ" "ماشاءاللہ" "چشم بددور" ماشاءاللہ چشم بددور دفعِ نظرِ بد کے لیے کہتے ہیں۔ **شعر**

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک اُستخواں میری ہما کس کس مزے سے کھائے ہی

میر

میر دریا ہی سُنے شعر زبانی اُس کی اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی

[1] نظم میں ہی حذف بھی ہو جاتا ہی۔ جیسے امیر مینائی

پڑھتے ہیں دیکھ کے اُس بت کو فرشتے بھی درود مرحبا صلِّ علیٰ صلِّ علےٰ کیا کہنا

بوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے — بل بے ہمت ترے نزدیک یہ پتھر ہے وہ گھاس

ہُوئے ہائے ہائے کیا کلام ہے بس جادو ہے جادو نہیں بلکہ اعجاز ۔ شعر

احسنت دبیر اب تو سخن ہے ترا اعجاز — ہر مصرع موزوں دُرِ مکنوں سے ہے ممتاز

میں بھی اس رشک چمن محفل میں وہ مطلع پڑھوں — بلبلِ تصویر سُن کے بول اُٹھے مرحبا

مومن

پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی — حبذا حبذا کہیں سن کر

غالب

صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حف نظر — طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے

ذوق

نور معنی ہے یہ ہر شکل نتیجہ اُس کا — اللہ اللہ رے زہے شکلِ شہنشاہِ تکمیل

غالب

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اُس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

صلِ علیٰ یہ عربی لفظ ہیں اور ان میں علیٰ حرف جر ہے اور معلوم ہے کہ حرف جر بے مجرور نکما ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ عربی میں کبھی حرف جر بے مجرور نہیں آتا اور یہی سبب ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب صلِ علیٰ کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے اُن کا مقولہ یہ تھا کہ حرف جر بے مجرور بولنا ایک عامیانہ اور سوقیانہ (یعنی بازاری لوگوں کی) بول چال ہے چنانچہ اُن کے کسی شاگرد کی غزل میں یہ لفظ ہوتا تو اُس کی جگہ اور لفظ بنا دیتے ۔ مگر چوں کہ ان کے ہمعصر مسلم الثبوت اُستاد شیخ ابراہیم ذوق نے اس کو استعمال کیا ہے اور اور اہلِ زباں بھی استعمال کرتے ہیں اس لئے اب یہ محاورہ اور سند ٹھہر گیا ہے ذوق کہتے ہیں ؎

وہ کہے صلِ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ — دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تحسین کے الفاظ طنزاً بھی بولے جاتے ہیں جیسے **شعر**

ناکسوں سے ربط وضعوں سے صحبت واہ وا　　دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

نشاں مٹا تو مٹا لیک بے بسیِ قسمت　　کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہوا

حالی

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے　　نمونہ ہیں خلق رسولِ امیں کے

ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا　　وہ ہی ہفت نظر علم اثاث ہمارا[1]

نفرین کے حرف

جو پھٹکار کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

لعنت　اے لعنتِ خدا　پھٹے منہ　تف　خدا کی مار　تھو　دُر[2]　دُرِ دُر　پھٹ پھٹ

زوف۔

توبۃ النصوح میں نصوح توبہ کرتا ہوا کہتا ہے "لعنت ہی مجھ پر اگر اب مدۃ العمر گناہ کی پاس پھٹکوں۔ تف ہی میری زندگی پر اگر پھر معصیت پر اقدام کروں"۔ ذوق

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے　　دُنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا

مصرع　اہل طمع اہل ہوس پر ہے زوف

نفرت کے حرف

جو بیزاری اور ناپسندیدگی کے اظہار اور دھتکار کے موقع پر بولے جائیں۔

---

[1] یہ ٹیپ کا شعر ہے پورا بند یوں ہی ؎

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سے جو ہی بدتر

زمیں جس سے ہی زلزلے میں برابر　　ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا

وہ ہے ہفت نظر علم اثاث ہمارا

[2] دُر دور کا مخفف ہی اور دُر دُر دور دور کا۔

چھی ہشت چل پرے ہٹ دُر دُر دُر دور ہو[1] دور ہو[2] تف تھو استغفراللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رنج و بیتابی کے حرف

جو تکلیف اور گھبراہٹ کی حالت میں مُنہ سے نکلیں۔

آہ اُف اُف اُف

نواب مرزا خاں داغ

کوسوں تک اُلٹے پاؤں چلا آہ میں غریب — جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا

ذوق

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسّف نہیں کرتا — پر میرا جگر دیکھ۔ کہ میں اُف نہیں کرتا

سخت گرمی پڑتی ہے تو کہتے ہیں "اُف اُف گرمی گرمی"

تزیین کلام کے حرف

جو کلام کی زینت اور خوبصورتی کے لئے بولے جاتے ہیں۔

بھلا بارے آخر ہاں اچھا بس تو بھی نہ سہی لے لو آؤ وغیرہ

"بھلا کچھ تو فرمایئے" مومن

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے — تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

---

[1] سید محمد خاں رند شعر

پھر یہ مُنہ لے کے آئے ہو مجھ پاس — دُور ہو سامنے سے نفرت ہے

[2] شعر

بعد مُردن آپ کے رونے کو سُنکر گور دُور — جیتے ہی جی کہتے ہو صورت تری در گور دُور

غالب

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے　　آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

"ہاں تو غرض یہ ہے" "اچھا ہم پوچھتے ہیں"

عبدالرحمٰن خان احسان

بیٹھ لے آہ بس خدا نہ کرے　　تجھکو فرصت ہو سر اُٹھانے کی

مومن

سم کھا موئے تو دردِ دل زار کم ہوا　　بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

"جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے" "آؤ نہ" "دیکھو تو سہی" شعر

آتے ہیں خود کوچۂ جلاد کو اے موت چلا　　میں ہی آتا ہوں ترے پاس تو کیا آتی ہے

سینے پہ ہاتھ رکھتے ہی کچھ دم پہ بن گئی　　لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا

ہو کے بیزار عبث گھر کو نہ جاؤ آؤ　　تھوڑے سے رنج کو اتنا نہ بڑھاؤ آؤ

جتنے حروفِ تزیینِ کلام کلام میں آتے ہیں سب زائد ہوتے ہیں اور کچھ معنے نہیں دیتے لیکن اگر یہ نہ ہوں تو کلام بے مزہ سا ہو جائے ان سے خوشنمائی کے علاوہ کلام میں زور بھی آجاتا ہے۔

تہنیت یعنی مبارکباد کے حرف

مبارک　سلامت　مومن

گیا رنج نواب اصغر علی خاں　　مبارک سلامت سلامت مبارک

توبہ اور امان و پناہ کے حرف

توبہ توبہ توبہ　الٰہی توبہ　الاماں　الاماں　الحفیظ　معاذاللہ　معاذاللہ　معاذاللہ　عیاذاً باللہ　اعوذ باللہ　نعوذ باللہ۔

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں ۔۔۔ توبہ مے طہور میں ایسا اثر کہاں

مولوی نذیر احمد صاحب اپنی کسی تقریر میں کہتے ہیں "کیا گورمنٹ جابر اور سخت گیر ہے توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق" رند

الٰہی الاماں رہیو نگہباں اپنے بندوں کا ۔۔۔ بلا نازل ہوئی تشانے پہ کاکل اُس نے چھوڑا ہے

"کیسی تو چلتی ہے الاماں الاماں" ذوق

ہے موج بحر عشق وہ طوفاں کہ الحفیظ ۔۔۔ بیچارہ مشت خاک تھا انسان بہ گیا

ظفر

کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے ۔۔۔ بڑی آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ

غالب

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ ۔۔۔ یک قلم خارج از آداب وقار و تمکیں

کبھی نظم میں اعوذ باللہ کو باللہ اعوذ باندھتے ہیں جس سے کلام میں گونہ زور پیدا ہو جاتا ہے جیسے توفیق

پیشہ عشق کا حاصل تو بتاؤ توفیق ۔۔۔ کوئی مجنوں کوئی فرہاد ہے باللہ اعوذ

کلمۂ قدوم

وہ کلمہ جو کسی کے آنے کے وقت مسرت میں بطور دعا بولا جاتا ہے۔

خیر مقدم ذوق

بارک اللہ کہ دُرافشاں ہے تو اے ابر بہار ۔۔۔ خیر مقدم کہ خراماں ہے تو اے بادِ شمال

کلمات خلاصۂ کلام

وہ الفاظ جن سے ظاہر ہو کہ متکلم کلام سابق کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔

غرض الغرض القصہ قصہ کوتاہ قصۂ مختصر المختصر سخن کوتاہ داغ

بیگانہ دیکھا ہر اک یگانہ دیکھا — اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض غرض کا اپنی — دُنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

"الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں جیسے ہمارے دل بودے ہماری ہمتیں پست، ہمارے ارادے متزلزل، ہمارے ایمان ضعیف ہیں ویسے ہی زمانے میں ہم کو پیدا بھی کیا گیا ہی کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے[1]"

بدرِ منیر

سُنی شہ نے القصّہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

میر تقی

قصّہ کوتہ دن اپنا کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

مومن

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم — موت آئی تھی قصّہ مختصر رات

رند

المختصر اک جہاں پہ ہی رند — احسانِ ابو الظفر بہادر

حالی

سخن کوتاہ دار العلم پر ہوں قوم کی نازاں — جو اگر اُس کا ایک اک دُرِ مکنوں من وعن دیکھیں

کلمات خلاصۂ کلام نثر میں ہمیشہ جملے کے آغاز میں آتے ہیں نظم میں یہ پابندی نہیں جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہی۔

حروفِ تعجب

جو کسی چیز کو دیکھکر خوشی کی حالت میں زبان سے نکلتے ہیں یا تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

[1] یہ عبارت مولوی نذیر احمد صاحب کے ایک لکچر کی ہی[2] شعر کی وجہ سے کوتاہ کوتہ ہو گیا ہے۔

اللہ اللہ اللہ اللہ رے اللہ اللہ رے اللہ اکبر اللہ غنی العظمۃ للہ اوہو اے ہو آہا تعالی اللہ سبحان اللہ صل علیٰ بل بے اُف رے اُف ری اُفوہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ حاشا وکلّا۔ شعر

اللہ کس قدر رہِ مقصود دُور ہے　　پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

لطیفہ۔ کسی نے مرزا غالب کو امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال لکھا۔ مرزا صاحب اُس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ "امراؤ سنگھ کے حال پر اُس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُن کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے" (یعنی نہ بیوی صاحب ہی مرتی ہیں نہ اپنا ہی دم نکلتا ہے) شعر

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ　　ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ذوق

اے شہ دادگر اے خسرو انصاف پرست　　اللہ اللہ رے عدالت کا تری نظم ونسق

نام کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے　　داخل ہر رنگ ہی شامل ہر تکبیر ہے

جب کسی چیز کی افراط پر تعجب ظاہر کرنا ہوتا ہے تو اللہ غنی بولتے ہیں۔ شعر

بدگمانی کی کوئی حد بھی ہے اللہ غنی!　　میرا دم دینا سمجھتے ہیں وہ دم دینے کو

امیر مینائی

جھانک کر میرے سیہ خانے کو کہتا ہے وہ ماہ　　تیرہ العظمۃ للہ یہ گھر کس کا ہے

"اوہو حامد کے مزاج میں اس قدر تغیر ہو گیا ہے"

"اے ہی اُستانی جی تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو"

"ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے اُس (کتاب) کو میرے جزدان میں دیکھکر کہا کہ آہا میاں سلیم تم تو بڑے چھپے رُستم نکلے۔" (توبۃ النصوح) ع

رُخ تعالےٰ اللہ زلف صلّ علیٰ

"سُبحان اللہ باغ ہستی کی عجب بہار ہے۔" ذوق

بل بے استغنا کہ وہ تو آتے آتے رہ گئے — اُف ری بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہو

قطعہ

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور — فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور

سینے میں قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا — بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

"اُفوہ فتنہ ہے کہ شیطان کی آنت ہی۔" "لاحول ولا قوۃ الّا باللہ کیا دھوکا ہوا۔"

"حاشا وکلا[1] یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے۔"

حروف انبساط

جو فرط لذّت یا خوشی میں زبان پر آتے ہیں۔

اہاہا اُہوہو واہ وا سُبحان اللہ ماشاءاللہ چشم بد دُور اہاہا اُہوہوہو۔

"اہاہا کیا بہار ہے۔" "اُہوہو کیا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔"

ذوق

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہَوا

مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا

"سبحان اللہ باغ کیا ہے بہشت ہے۔"

[1] تعجب دو طرح ہوتا ہے ایک اچھی جگہ ایک بڑی جگہ عرب دونوں جگہ سُبحان اللہ بولتے ہیں اردو کے اہلِ زبان جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں تعجب کے مقام پر اچھی جگہ سُبحان اللہ بولتے ہیں اور بُری جگہ حاشا وکلا۔

توبۃ النصوح میں ہے "لیکن میرے اور میرے بچّوں کے زیور اور کپڑے دیکھکر باغ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر سے کے جاتی ہیں ماشاء اللہ چشم بد دُور اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے۔"

ظفر

کہوں کیا رنگ اُس گل کا اہاہاہا[لطف] اہاہاہا
ہوا رنگیں چمن سارا اہاہاہا اہاہاہا

ظفر تاثیر فخر دیں سے میرے کام کا عقدہ
کھُلا گیا ہے بہ آسانی اُہو ہو ہو[لطف] اُہو ہو ہو

[لطف] ان شعروں میں الفاظ اہاہاہا اور اُہو ہو ہو دوہرائے گئے ہیں۔

بالخیر تمّت

قطعات تاریخ انطباع طبع اوّل از منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت، شاگرد فصیح الملک نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی مرحوم

وصفِ مصباح القواعد کیا لکھوں
ہی حقیقت میں یہ آپ اپنی نظیر

اس کی سطریں اس کے فقرے اس کے لفظ
دل ستان و دل پسند و دل پذیر

واقعی بے انتہا دلچسپ ہے
اس کا آغاز اس کا وسط اس کا اخیر

پائیں گے کب اس میں جائے اعتراض
نکتہ چین و عیب بین و حرف گیر

قول سب اس کے مُسلَّم مستند
اس کی ہر تحریر پتھر کی لکیر

دونوں اس کی روشنی سے ماند ہیں
مہرِ عالم تاب اور بدرِ منیر

فیض پائیں اس سے سب چھوٹے بڑے
فائدہ حاصل کریں برنا و پیر

جن کو پہلے بولنا دشوار تھا
خوب ادا کرلیں گے اب مافی الضمیر

اہلِ پنجاب اس سے لیں اب مشورے
اُن کے حق میں ہے یہ اک دانا مشیر

جا بجا پیدا ہوں اس کے قدرداں
ہو یہ مقبولِ جہاں ربِّ قدیر

یہ وجاہت نے لکھی تاریخ طبع
بے بہا ہدیہ ہے کیا بے نظیر

سـ ۱۳۲۲ ھ

دیگر

غیر اہلِ زبان و اہلِ زباں
جنگ کرتے تھے وائے نادانی

حملے کرتے تھے اس طرح باہم
یعنی روسی ہیں اور جاپانی

اس لڑائی کے دُور کرنے کو
بیچ میں پڑ گئے ہیں افغانی[1]

[1] اس کتاب کے مصنف مُراد ہیں جو افغانی الاصل یعنی پٹھان ہیں ۱۲

لوگ اب اس کتاب کو دیکھیں — ہے یہ مجموعۂ زباں دانی
سب مضامیں ہیں گوہرِ شہوار — کی ہے واللہ کیا دُرافشانی
اب زباں میں نہیں رہا اشکال — اب بہت ہوگئی ہے آسانی
انجمن نے زبان اُردو کی — جس کے شبلی ہیں ناظم و بانی
شوق سے اس کتاب کو دیکھا — ذوق کے ساتھ کی ثنا خوانی
کچھ نہیں شک ہے قابلِ تحسیں — نظمِ دُور بینِ نعمانی
ہے وجاہت یہ مصرعِ تاریخ — دل کش و دل پذیر و لا ثانی

۱۹۰۴ء

قطعۂ تاریخ طبع سوم

از نتائجِ افکارِ بلند پرواز منشی محمد شہباز خاں صاحب آبادی المتخلص بہ عاصیؔ مرحوم

بہرِ بزمِ قواعدِ اُردو — ہے یہ "مصباح" شمعِ نور افزا
ہو گیا دل سے اس کا پروانہ — جو کہ رکھتا ہے دیدۂ بینا
انجم و مہر و ماہ کی مانند — قاعدے اس کے ہیں سخن کو ضیا
اور سب قاعدے مثالوں سے — ہو گئے ہیں بہت ہی لطف افزا
اس کے ہر لفظ میں دل آویزی — اس کی ہر بات میں ہی ایک ادا
بولتا ہے وہ اب صحیح اُردو — جو غلط بات چیت کرتا تھا
واسطے صحتِ زباں کے ہیں — قاعدے اِس کے خضرِ راہ نما
مبتدی جس نے پڑھ لیا اس کو — منتہی ہو گیا گرامر کا
اِس کا ایک ایک لفظ پُر تنویر — شبِ اُردو کو صبح کا تڑکا
کرم و فضل و رحمتِ یزداں — ہو مُصنّف پہ اس کے صُبح و مسا
کیسی جامع کتاب کی تصنیف — بند کوزے میں کر دیا دریا
ہو گئی طبع اب یہ تیسری بار — کھنچ گئی پھر دو آتشہ صہبا
سال چھپنے کا لکھا عاصیؔ نے — جلوہ گر نیّرِ سخن نکلا

۱۳۳۵ھ

قطعۂ تاریخِ طبعِ سوم

نتیجۂ طبع جناب محمد مستجاب اللہ خاں صاحب مقبول شیروانی مرحوم

سوسیٹی کے مطبع میں بارِ سوم ہوئی طبع مصباح باآب و تاب
وہ فتح محمد خاں جالندھری جو ہیں محترم نزد ہر شیخ و شاب
کتاب ان کی لاریب مصباح ہے ضیا جس کی ہے غیرتِ ماہتاب
لکھائی ہے پاکیزہ اور دل فروز صفائی چھپائی کی ہے لاجواب
ہوا اس طرح نور اس کا دوچند بنی گویا مصباح سے آفتاب
بنا اس سے موضوع مہمل جو تھا معانی کا ایسا کیا فتحِ باب
جو افعالِ ماضی تھے مطلق بعید قریب اُن کا ہے حال میں اکتساب
نہ باقی رہا شک نہ کچھ احتمال تمنا کا حاصل ہوا دُرِّ ناب
جو غائب تھا حاضر ہوا ذہن میں مثالوں کا ایسا کیا انتخاب
ہے تذکیر و تانیث کا ذکر کیا کہ رازے نہ بیرون فتد از حجاب
خدا دے مؤلف کو بہتر جزا بلا شرط ہو یہ دعا مستجاب
بہت کم جو اُردو سے آگاہ تھے اُنھیں نفع پہونچا دیا بے حساب
افادے کو حاصل ہو اس کے دوام ہو مستقبل اس کا مثلِ سحاب
ہوا امر جب مجھ کو تاریخ کا نہی کی نہ رکھتا تھا میں جس میں تاب
تو مقبول ہاتف نے مجھ سے کہا چھپی خوب ہے اب وہ نادر کتاب

۱۳۳۵ ہجری